

گرہ کھلتی ہے

جہاد کے دور کا پاکستان

جان۔ آر۔ شمس

ترجمہ: اعزاز باقر

مشعل بکس

آر۔ نی 5، سینڈ فلور، عوامی کمپلکس

حٹان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن لاہور 54600، پاکستان

# گرہ کھلتی ہے جہاد کے دور کا پاکستان

جان۔ آر۔ شٹ

ترجمہ: اعزاز باقر

کالی رائٹ اردو © 2014 مشعل بکس  
کالی رائٹ انگریزی © 2011 جان۔ آر۔ شٹ

ناشر: مشعل بکس

آر۔ بی۔ 5، سینئر فلور،  
عوامی کمپنیس، چنان بلاک، تیکونگارڈن ناؤن،  
لاہور 54600، پاکستان

فون و فکس: 042-35868859

Email: mashbks@brain.net.pk

<http://www.mashalbooks.org>

## مندرجات

5	تعارف
25	ایک غیر تجینی ریاست
45	چاگیہ دار اور فوج
73	تمہب، خیاب، اور افغانستان میں روں خالف جہاد
103	کشمیر، انڈیا اور جہاد کی سرکاری سرپرستی
133	طالبان، بن لادن، اور تائن انیون کی سمت آغاز سفر
159	قیائلی علاقہ جات، تائن انیون، اور پاکستانی طالبان کا ظہور
191	لال مسجد، فوج کی ناکامی، اور بکھی وہشت گروی کی بہم
219	بھی، وقوعہ یونیور، اور امریکہ کی مشکلات
259	مستقبل میں حالات کیا رخ اختیار کر سکتے ہیں
287	حتی گردہ کشائی
1	
2	
3	
4	
5	
6	
7	
8	
9	
10	

MashalBooks.org

## تعارف

25 ارچ 2000ء، اسلام آباد

یہ ناگزینہ میں سے تقریباً پورے 18 ماہیں کی بات ہے۔ صدر کلنسن نے جزوی ایشیاء کے اپنے طویل دورے کے اختتام پر پاکستان میں پانچ ٹکنوں کے مختصر قیام کے لئے آمدگی خاہر کر دی ہے۔ یہ سیاسی طور پر ایک مقازعہ دورہ ہے کیونکہ اسے صدر پرویز مشرف کی اس حکومت کو ٹالوںی جواز فراہم کرنے کے نقطہ نظر سے دیکھا جا سکتا ہے جو کہ گزشتہ اکتوبر میں ایک فوجی بیوادت کے نتیجے میں مظہر عالم پر آئی تھی۔ ٹالوںی طاقت کا حال ہونے کے ساتھ ہی شہر کے تازے پر بھارت کے ساتھ چہادی تعلیمیوں کی وساطت سے جنگ چاری رکھنے والے، ملک کی حیثیت سے پاکستان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ صدر کی طاقت کے فرانچ انجیم دینے والے خیریہ ادارے کے ارکان کے پاس بھی اس دورے کی خلافت کے اپنے جواز ہیں۔ انہیں یہ خدشہ ہے کہ 18 ماہیں کی نیا اور تازہ ایسیں امریکی سفارت خانوں میں بھم دھما کوں کی ذمہ دار چہادی تعلیم القاعدہ کا گزڑہ ہے ایسا ملک افغانستان میں ہونے والی خانہ جگلی میں فائچ کے طور پر سامنے آئے والے ان طالبان کا معزز زمہان ہے جن کی سب سے بڑی پشت پناہ حکومت پاکستان ہے۔

خیریہ والوں کے ان خدمات کے ہاد جو دو صدر کلنسن دورے کے حق میں فیصلہ کرتے ہیں اور ان کی آمد کا وقت بالکل قریب ہے۔ صبح کے سورج کی اعلیٰ روشنی میں ایک طیارے کی بھلک دکھائی دیتی ہے۔ یہ مشہور زمانہ بونگٹ ۱۷۴۶ ائر فورس ون نہیں ہے بلکہ کافی حد تک چھوٹا 737 طیارہ ہے جو کہ امریکی حکومت کی نیلی اور سفید روپی کے واضح نشان کے ساتھ جلوہ گرد ہو چکا ہے۔ طیارہ دز میں پر اترتا ہے اور حرکت کرتا ہوا جائزہ لیے جاتے والے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ مگر

اندر سے کوئی صدر برآمد نہیں ہوتا اس سے اتنے والے مسافر صاحفوں کے دستے کے ارکان لختے ہیں۔ جلد ہی افلن پر اس سے بھی چھوٹا ایک اور جہاز تعمودار ہوتا ہے۔ یہ ایک تجارتی جیٹ طیارہ ہے اور اس پر بھی حکومت امریکہ کے مخصوص امتیازی نشانات نمایاں نظر آتے ہیں۔ زمین پر اتر کر یہ لرھلا ہوا 73 کے عقب میں آ کر رک جاتا ہے۔ چند مرکاری عہدیدار برآمد ہوتے ہیں مگر ان میں صدر صاحب شامل نہیں ہیں۔ کچھ دیر بعد ایک اور جہاز نظر آتا ہے جو اگرچہ تجارتی جیٹ کے جنم کا ہے مگر اس پر کسی ملک کا امتیازی نشان نہیں ہے۔ یہ بھی گزشتہ جہاز کے ساتھ آ کر رک جاتا ہے۔ چند ایک اور عہدیدار برآمد ہوتے ہیں مگر ایک مرتبہ پھر صدر کے لیکر۔ کچھ اور وقت گزرتا ہے اور آخر کار ایک اور جہونا تجارتی جیٹ طیارہ تعمودار ہوتا ہے۔ چھکلے طیارے کی ہو بچال یہ بالکل ہی بے نشان نظر آتا ہے۔ یہ 787 کے عقب میں کسی نظر آنے والے مقام پر رک جاتا ہے۔ چند منٹ اور گزر جاتے ہیں جہاز کا دروازہ اچانک گھوم کر کھل جاتا ہے اور جنمکی دھوپ میں ایک شناسا ساچہ رکھا ہی رہتا ہے۔ امریکی صدر آخرا کارز میں پر قدم رنج فرماتا ہے۔

## 21 فروری 2002، کراچی

وال شریٹ جول کا جنوبی ایشیا کے لئے نمائندہ ڈینیفل پول ہنوب میں واقع بندگاہ کے کنارے تیزی سے پھیلتے ہوئے شہر کراچی میں ایک معروف مذہبی عالم سے ملاقات کے لئے جاتے ہوئے راستے میں کہیں غائب ہو جاتا ہے۔ کسی روز کے بعد اس کے آجر کو ایک ای۔ میل موصول ہوتی ہے جس میں ڈینیفل پول زنجروں میں بکڑا ہوا اور اس کے سر کا نشانہ لختی ہوئی ایک بندوق کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ اس کو قید میں رکھتے والوں کا مطالبہ ہے کہ اگر امریکہ نے گوانہ ناموں بے میں مصادر پاکستانی قیدیوں کو رہانہ کیا تو اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔ محبت وطن پاکستانی جذبات کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ ان ایسے سولہ طیاروں کی جوانگی کا مطالیہ بھی کرتے ہیں جو دراصل 1980 میں خریدے گئے تھے مگر پاکستان کے اسٹری پروگرام کے خلاف عائد امریکی پابندیوں کی نتاء پر انہیں بھی پاکستان کے حوالے نہیں کیا گیا تھا۔ ڈینیفل پول کی تلاش کی وسیع تر کوششوں کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ جیسا کہ پول کو بیٹھال ہنانے والے بخوبی جانتے تھے کہ ایک کروڑ نہیں لاکھ آبادی پر مشتمل بے آب و گیاہ شہر میں جہاں کسی آبادیوں کی بھرمار

تحمی، چھپ جانا بہت آسان ہوتا ہے۔ اور یہاں پر تشدید کی وارداتیں بھول کنی عشرون سے چاری عشینوں کی لڑائیاں اور سانی و مذہبی فسادات عام ہیں جن میں 1995ء میں اپنے کام پر جاتے ہوئے دو امریکی سفارت کاروں سمیت بے شمار غیر ملکیوں پر حملے اور ان کی ہلاکت کے واقعات بھی نہیاں اہمیت کے حامل ہیں۔

ڈینیٹل پرل کا بھی سمجھی انجام ہوگا۔ 21 فروری کو کچھ ہا معلوم افراد امریکی تو نصل خانہ کراچی کو ایک خدو یہ یونیپر بھجوائے ہیں۔ یہ سارے ہے تم منٹ کے دورانے پر مشتمل ہے اور اس کا آغاز ڈینیٹل پرل کی طرف سے اپنے یہودی ثقافتی ورثے کی تفصیلات کے بیان اور اپنے اخواں کنگان کے مطالبات کی تحریر سے ہوتا ہے۔ اس کے اختتام میں پرل ایک خالی فرش پر بغیر قیص کے لینا نظر آتا ہے اور اس کا گلا کنا ہوا دکھائی دیتا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ ظاہر پہلے یہی صوت کے منہ میں جا پکا تھا اس کے بعد ایک شخص کیسے کے سامنے رہتے ہوئے اس کا سراسر کے بے جان تن سے جدا کر دیتا ہے اور ساتھ ہی مطالبات کی فہرست سکرین پر دوبارہ لمبائی نظر آتی ہے۔ پانچ برس کے بعد القاعدہ میں تیرسے نمبر کا عہد دیدار اور نانیں الیون کا اصل منصوبہ ساز خالد شیخ محمد گوانہ ناموں میں اپنے امریکی نگرانوں کے سامنے یہ گھناؤ نہ فصل انجام دینے کا فریہ اعتراف کرتا ہے۔

27 دسمبر 2007ء، راولپنڈی

شمالی پنجاب کے شہر راولپنڈی میں ایک جلسے کے اختتام پر اپنی ایس یو (SUV) گاڑی کی کھل جانے والی چھت (Sunroof) سے منہ باہر نکال کر بے نظر بھنو گوام کے بیجان خیز ہجوم کی طرف ہاتھ لہرائی نظر آتی ہیں۔ وہ بھی دو ماہ پہلے ہی انتخابات میں شرکت کے لئے صدر پر دینہ مشرف سے آٹھ سالہ جلاوطنی کے خاتمے کے تفصیلی معاہدے کے بعد وطن واپس لوئی ہیں۔ کراچی پہنچنے پر ان کا استقبال وطن واپسی پر اسے خوش آمدید کرنے کے لئے بے تاب حامیوں کا موڑ کاروں پر مشتمل ۃقلہ کرتا ہے۔ مگر ان کی اور ان کے حامیوں کی خوشی اس وقت ادھوری ثابت ہوتی ہے جب کسی تجزیب کا رکی طرف سے ان کے استقبالی جلوں کے آگے پھیلنے والے دوڑے بم دھاکے سے پھٹ جاتے ہیں اس کے نتیجے میں وہ خود تو نجی چاتی ہیں مگر

ایک سچ تربیتی اور افرادی کی زوں میں آ کر 140 سے زائد گمراہ اولاد کا ہوتا ہے۔

اب وہ ایک پار بھر مقدار کو دوست دیتے ہوئے اپنی جان کو لاحق خطرات کے حوالے سے عیاٹی تماہر انتیار کرنے کے بے شمار مشوروں کے باوجود کھلے عام ہم چلانے لگتی ہیں۔ ان کی اس یوں گاڑی میں کیونکہ عوام کے اولاد کیتے ہوئے سندھ میں سے ہو کر گز نے لگتی ہے تو کہیں سے گولیوں کی تڑڑاہت سنائی دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہم پھٹے کی زوردار آواز۔

زور ارضب کے اثر کی شدت کو محض کرتے ہوئے بے نظیر پیچے ہو کر اپنا سر نیچے کر لجتی ہیں، ان کے نر کا پچھلا حصہ کھلے ہے (hatch) کی پشت سے جا گرا تا ہے۔ انہیں جلدی سے ایک قریبی ہپتل لے جایا جاتا ہے مگر اب بہت دیر ہو جگہ ہے۔ دو مرتبہ وزیر اعظم بننے والی اور اس وقت پاکستان میں اپنی متحیولیت کے عروج طرف گامز نے نظیر بھنو موت کی آنکھیں چلی جاتی ہیں اسلام تراشی اور جوانی اتزامات کا سلسلہ فوری طور پر شروع ہو جاتا ہے کیونکہ بے نظیر کے حامی حکومت کو مناسب تحفظ فراہم نہ کرنے کے جرم کا مرکب قرار دیتے ہیں۔ ان کی قتل کی ذمہ دار ایک دوسرے کو تھہرانے کے دعویوں اور جوانی دعویوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ سی آئی اے کا ذمہ دار یکٹر مانگل ہیڈن ایک ماہ بعد امریکہ کے حقیقی پھیلے کا اعلان کر دیتا ہے جس کے مطابق اس قتل کی سازش کی ذمہ داری صرف اور صرف پاکستانی طالبان کے لیے دریافت اللہ محسود پر ہی عائد ہوتی ہے۔

افغانستان کی سرحد کے قریب واقع جنوبی وزیرستان کے نامہوار پھر میں سٹھانے والے قبائلی علاقوں پر تسلط کئے پاکستانی فوج کے ساتھ بر پیکار اور القاعدہ کے ساتھ کے قریبی روابط رکھنے والے محسود نے پاکستان کے شہری علاقوں میں دہشت گردی کے ذریعے جوانی اڑائی کا فصلہ کر لیا تھا۔ بے نظیر بھنوں کا تازہ ترین ہدف تھیں۔

26 نومبر 2008ء، ممبئی

ذکر عدد دار ایسی مونپلیٹ صاف خوب تربیت یافتہ کالی فٹ شلس اور کار گوپنلوں میں مددگر سے ملبوں نوجوان ایک خاص متعدد کے تحت میں کے بندراگاہ والے علاقے سے لکل کر عالمگیر ثبات والے عظیم الشان شہر کی گلیوں سے گزرتے چلے جاتے ہیں۔ علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں بٹ کر چند نوجوان یعنی کے ذریعے اور چند بیدل چلتے ہوئے شہر کے مختلف مقامات کی جانب روائے ہو

جاتے ہیں۔ دونوں جوان بھنوں اجمل قصاب مرکزی ریلوے اسٹشن سے گزرتے ہوئے اپنی اے کے ۶۰ رانگوں کے من میں آگ اگتے ہوئے سافروں سے بھرے ہوئے بڑے ہال میں ۵۰ سے زائد لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ دوسرے اہداف میں ایک ہبھتاں، ایک مشہور کینے، اور دو بڑے ہوٹل، اور پائے اور تاج محل شامل ہیں۔ ایک گنماں سایہ بودی مرکزی بھی، جو کہ صرف منصوبہ بند ہدف ہی ہو سکتا تھا، جملے کی زدوں آ جاتا ہے اور اس کے مکشون کو یہاں ہلاں ہنا لئے جانے کے بعد ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ تاہم آڑکار جب انڈیا کی پولیس کے کمانڈو ہملوں کے آغاز کے ۸۰ گھنٹے گزرنے کے بعد تاج محل کو گھیرے میں لے لیتے ہیں اور قتل و گارت کی کارہائیان اختیام پذیر ہو جاتی ہیں تو اس وقت تک بے شمار مغربی سیاحوں سمیت ۱۶۰۰ افراد ہلاک ہو چکے ہوتے ہیں۔ دہشت گرد ہملوں کی زدوں سے انڈیا اور پاکستان کے درمیان اکنامیکرات کا وہ مرحلہ بھی محفوظ نہیں رہتا جو تقریباً ۲۵ برس قبل شروع ہوا تھا۔ کیونکہ اس ساری کارروائی کے دوران واحد تھی جانے والا دہشت گرد اجمل قصاب گرفتاری کے بعد حکام پر جلد ہی یہ واضح کر دیتا ہے کہ وہ اور اس کے نوجوان ساتھی پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

انہیں ہنگاب کے دار الحکومت لاہور سے چند میل کے فاصلے پر واقع پر ٹکوہ عمارت کے اندر دفاتر رکھنے والی جہادی تنظیم لٹکر طیبہ نے بھجا تھا۔ اس گرد یا تنظیم کی تخلیل ۱۹۹۹ کی دہائی کے شروع میں پاکستانی فوج کے خیبر اور اے آئی میں آئی کی حمایت اور مکنڈ طور پر اس کے ایجادہ پر عمل میں آئی تھی۔ اس کا بنیادی مقصد کشیر میں بھارت کے خلاف اٹھنے والی اس مسلمان بغاوت کی حمایت کے لئے سراحت کر جانا تھا جو مقبوضہ علاقے کے اندر حال ای میں دوبارہ جاگ آئی تھی۔

بھارتی مسلم اکثریت کے حامل کشیر کے اندر بھارتی افواج پر اپنے دیدہ دیرانہ ہملوں اور اس کے ساتھ ہی بھارت کے اندر بھی جiran کن دہشت گرد و احتفاظ کی بدولت لٹکر طیبہ تیزی سے بد نام زمانہ حظیم کی حیثیت اختیار کر گئی۔ گمی ہملوں پر شرمندگی اور خیانت محسوس کرنے کے ساتھ ہی واٹھ طور پر دفاعی پوزیشن پر آئے ہوئے پاکستانی حکام ان ہملوں کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں مگر تنقیش کے عمل میں محاولات کی حامی بھر لیتے ہیں۔ اگرچہ وہ آخر کار ان ہملوں کی منصوبہ بندی کرنے والے اہم کرواروں اور ان کے بہت سے شریک کاروں پر اڑامات عالم کر دیتے ہیں، مگر وہ تنظیم کے خلاف بحیثیت مجموی کوئی اقدام نہیں کرتے اور اس کے

سرغزہ حافظ سعید کو تھنڈادیئے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔

3 مارچ 2009ء، لاہور

سری لنکا کی قومی کرکٹ ٹیم پاکستانی ٹیم کے ساتھ بھی کھیلنے کے لئے لاہور کے قدرانی سینڈیم کی جانب رواں دواں ہے۔ کرکٹ پاکستان کا دل پسند قومی مشکل اور مین الاقوامی سٹرپ کھیلا جانے والا واحد اہم بھیل ہے۔ پاکستانی ٹیم سری لنکا کی ٹیم کے پاکستانی دورے پر اس کے شریغہ اریں کیونکہ یہ دنیا نے کرکٹ کی واحد بااثر ٹیم ہے جو ان حالات میں پاکستان کا دورہ کرنے پر تیار ہے۔ دہشت گردی کے خواں سے سری لنکا کے خدشات دور کرنے کے لئے پاکستانی حکام نے ٹیم کو اس طرح کا تھنڈادیئے کے حامی بھری تھی جو کہ صرف کسی ریاست کے سربراہ کے دورے کے دوران ہی فراہم کی جاتی ہے۔ تاہم جب سری لنکا کی ٹیم کو لے کر جانے والی ہیں سینڈیم کی طرف سفر کے اپنے آخری سرٹلے کے قریب لبرٹی گول پچھرے گزر رہی ہوتی ہے تو یہ اچاک میشن گنوں سے کی جانے والی فائزگنگ کی زدیں آجاتی ہے۔ حیران دشمن کھلاڑی اپنے اردو گروز کر رہی ہوئی گویوں کے دھماکے سے پھٹ جانے والے لکڑوں کے ماہین چلدی سے فرش پر لیٹ جاتے ہیں۔ ان کی بس کا ذکر الگس ڈرامہ پر پھر تی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فائزگنگ کرنے والوں کو جلد دے کر گاڑی بھکار کر قریبی کرکٹ گراؤنڈ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اگرچہ ٹیم کے ساتھ کھلاڑیوں کو معمولی چیزیں آتی ہیں تاہم بس کے تمام سافری محنت انگیز طور پر سلامت رہتے ہیں۔ مگر بس کے میں عصب میں چلتی ہوئی چھوٹی وین میں بیٹھے ہوئے اسپاڑ حضرات اتنے خوش نصیب ٹاہت نہیں ہوتے۔ ان کا ذرا سچور ہلاک اور ایک ایسا پر شدید زخم ہو جاتا ہے۔ موقع پر نصب شدہ سیکورٹی کیسروں کی دوسرے بعد ازاں ظاہر ہوتا ہے کہ بارہ عدد جملہ آوروں میں سے کئی ایک جملہ اور کھلکھلی ہجھوں سے بڑے مسلم طریقے سے فائزگنگ کر رہے تھے جبکہ پولیس یا دوسرے سکیورٹی اہل کار تاشائی بنے کر رہے تھے۔ کھلاڑیوں کے قافیے کے ساتھ چلے والے پولیس کے حافظی دستے کے چھاہکار پہلے ہی ہلاک ہو چکے تھے۔ لگاتار تیس منٹ کی فائزگنگ کے بعد جب ان کے پاس گویوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو ہارہ کے بارہ دہشت گردوںہاں سے صحیح سلامت کھکھل جانے میں کامیاب ہو گئے۔

شک کی پہلی پر چھائیں لٹکر طبیبہ پڑتی ہے کیونکہ یہ حلہ بھی تھیم کے سابق حملوں  
بیشمول 3 ماہ قبائل کے بھی حملوں کے طریق کار سے مشاہدہ رکھتا ہے۔ بصرین کے اندازوں کے  
مطابق اس حملے کا مقصد حکومت کو خیر دار کرنا ہو سکتا تھا۔ تاکہ وہ اس کے خلاف کسی تھیم کی کارروائی  
سے باز رہے۔ تاہم بعد ازاں شکوں و شہبادات کا رخ ایک نئی ابھرتی ہوئی مگر ہنوز گماں تھیم پنجابی  
طالبان کی طرف ہو جاتا ہے۔ مسلسل ظاہر ہوتے ہوئے حقائق و معلومات کے ساتھ ساتھ یہ واضح  
ہونے لگتا ہے کہ یہ جہادی اور فرقہ و رانہ تھیموں کا ایک ایسا ذھیناً ذھالا گروہ یا ان کا کوئی الگ ہو  
جائے والا وہڑا ہے جو بذریعہ پاکستانی ریاست کی خلافت پر کمر بستہ ہو رہا ہے۔ جیسا کہ نام سے  
ای اندازہ ہو جاتا ہے پنجابی طالبان قبائلی علاقوں کے پاکستانی طالبان سے قریبی ربط رکھتے ہیں۔  
تاہم موخر الدن کر کے بر عکس جو کہ شمال مغربی پاکستان کے مضائقاتی علاقوں میں بنتے والی پشتوں نسل  
سے تعلق رکھتے ہیں، پنجابی طالبان میں شامل چہار بیوں کا زیادہ تر تعلق پنجاب کے وطنی علاقوں،  
خصوصاً جنوب کے سرائیکی علاقوں سے ہے جہاں پر سنیوں کی اکیشیرت فتح مقبول شیخ  
جا گیرداروں کی حکومم چلی آری ہے۔ لٹکر طبیبہ کے بر عکس جو کہ ابھی بھی ریاست کے ساتھ تعاون پر  
آمادہ نظر آتی ہے، پنجابی طالبان اس کی تباہی سے کم پر راضی نہیں ہیں۔ سات ماہ بعد انہیں  
راولپنڈی میں پاکستانی فوج کے ہیئت کوارٹرز (GHQ) پر اس سے بھی زیادہ دیدہ ولیرانہ حملے کا ذمہ  
وارث ہے جو ایسا جائے گا۔

یہ ہے وہ کہانی جس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ایسے ملک میں واقعات کی ایسا  
اختیار کر گئے ہیں جو کہ مغربی طرز کا کاروباری لباس زیب تن کرنے والے اور فیصلہ کن طور پر  
لا دینی نظریات کے حامل و میں محمد علی جناح نے جو نبی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے بڑی امیدوں  
اور توقعات کے ساتھ تصور کے ساتھی میں ذھالا تھا۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جس سے پہچلانے  
کے ان تصورات کے بر عکس یہ ملک کس طرح ایک ناقص و غیرہ ذمہ دار حکومت کی عظیم نشانی بننے  
کے ساتھ ہی روز بروز آؤدہ ہوتے ہوئے خیالات کی حالت جادوگری کا ایسی ایضاً پسند اسلامی  
تھیموں پر مشتمل آمیزہ بن کر رہ گیا ہے جو کہ مغربی تہذیب کے خلاف اعلان جنگ کرنے کے  
ساتھ ہی خود پاکستان کی بنیادوں کے لئے ہی خطرہ بن کر رہ گئی ہیں۔ اور یہ کہانی ہے اپنی ہی دنیا  
میں گم ان جا گیر دار سیاستدانوں کی جو مسائل کو حل کرنے کی بجائے ان سے نظریں چاہتے ہے

ہیں، اور اس طاقتور فوج کی ہو خود اپنے ہی عکس کے سرخیں گرفتار اور بھارت کے جنون میں جلا رہی ہے جبکہ ان دونوں کی یہ سوچ تھی کہ وہ ان شدت پسند اسلامی تھیجوں کو استعمال کر کے بغیر کوئی بڑی قیمت ادا کئے اپنی خواجہ پالیسی کے اہداف کو آگے بڑھا سکتے ہیں مگر ان کی یہ حکمت عملی غلط نہایت ہوئی ہے۔ یہ ایک اختیاط طلب افسانہ ہے، اور اسے یہاں کرنے کا ہیر ایجادی مقصد یہ ہے کہ اس امر کو واضح کر سکوں کہ پاکستان ایک خود مرض قیادت، مشاہدے کی ناچالیت، غیر فروٹانہ قسم کے گھمنہ اور کسی حد تک بد قسمی کے عضر کی بدولت کس طرح دنیا کا خطرناک ترین ملک بن کر رہ گیا ہے۔ اگرچہ میری توجہ کا مرکز صرف اور صرف پاکستان کی حکمران شخصیات ہیں مگر وہ اس زمانے کا واحد کروار جیسیں ہیں انڈیا اور امریکہ نے بھی اپنی نوعیت کی فلسطینیوں اور غلط تھیجوں کی بدولت روان مسائل اور آفات کی پروردش میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کہانی کا، جیسا کہ ہم آگے چل رہے ہیں گے، کوئی ہیر و بھی نہیں ہے۔

ہمیں آج کا پاکستان جن بے شمار مسائل میں گمراہ ہوا نظر آتا ہے ان کی بیانیہ ریاست کے قیام کے ساتھ ہی رکھ دئی گئی تھی۔ اور یہاں سے ہی اس کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ میں پاکستان کی ابتدائی تاریخ کا مکھوچ 1947ء میں برطانوی راج کی طرف سے کی جانے والی تقسیم کے بعد اس کے وجود کے اولین 25 برسوں کے ذریعے لگاؤں گا۔ یہی وہ عرصہ ہے جس کے دوران شہری ثقافت کے حامل جا گیرہ داریا سیاست والوں نے جواب فوج کے ساتھ مل کر اس ملک پر راج کر رہے ہیں، سیاسی عروج حاصل کر کے افتخار کے ایوانوں تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ جیسا کہ یہاں سے مشاہدے میں آئے گا مسلم اکثریت کے علاقے جو بعد میں پاکستان کے اندر آگئے، برطانوی راج کے مضافاتی علاقے اور انتظامی لحاظ سے نبیٹا نظر انداز کر دئے شمار کے جاتے تھے۔ برطانوی دور حکومت میں یہ علاقے ایسے جا گیرہ دار رہ ساکے سیاسی اور اقتصادی تسلط کا شکار رہے تھے جو پڑے ہوئے زمینی قطعات کے مالک اور عوامی حلقوں میں جا گیرہ دار کیا جاتے تھے۔ مگر ملک کے وجود میں آئے کے بعد ان کا حکومتی معاملات میں عمل دھل بہت کم تھا۔ پاکستان کے اولین حکمران آن انڈیا مسلم لیگ کے وہ سیاست والان تھے جنہوں نے ایک الگ ملک کے لئے جدوجہد میں قائدان کروار ادا کیا تھا مگر ان کا تعلق انڈیا کے اہم شہری علاقوں، جنگلی، بہمی اور رکھتے سے تھا۔ ایک ملک میں جہاں اب ان کی حکومت تھی کوئی سیاسی حلقة نہ ہونے کی بنا پر باہر سے آنے والی ان

شخصیات کو اپنی قیادت کے بغیر یہ دوست چنانکوئی بہت کم وجہ پیش کی جائی۔ چنانچہ اس صورت حال کی بناء پر پاکستان کو ابتداء سے اسی جمہوریت کے قحط کا سامنا آ رہا ہے۔

ہماری کہانی میں اس عصر کو اتنی اہمیت حاصل نہ ہوتی اگر یہ کشمیر کے بارے میں نہ ہوتی۔ مسلم اکثریت کی حامل اس وادی پر اپنا اسلام قائم کرنے کے لئے پاکستان اور اندریا کے درمیان ہونے والی بندگوں میں پہلے دن سے ہی خونی داستان رقم ہوتی جلی آ رہی ہے۔ پاکستانیوں کے دل میں اس تھاڑے کی بناء پر ایک ایسی دشمنی کا احساس جاؤزیں ہو چکا ہے جو ان کی ریاست کی ایک اقتصادی خصوصیت بن چکی ہے اور ریاست کے عزم کی تجھیں کے لئے انجام پنداہ اسلامی قوتوں کی پروردش کے پیس پر دیہی غیر تھاڑہ طور پر ایک بخیادی حزر کے۔ تھاڑہ کشمیر نے پاکستان کے ابتدائی حکمرانوں کے اس عقیدے کی چیختی میں بھی اہم کردار ادا کیا کہ ایک بڑی اور طاقتور فوج وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ایک ای ہزارے کے اندر اندر یہ اتنی طاقتور ہو گئی کہ اس نے مسلم یہی کی ہنی قیادت کو پرے دھکیل کر کر دیا۔ پھر دشمن کی جنگ آزادی میں خوفناک ٹکست سے قتل جس نے کہ اسے اقتدار ایک مرتبہ پھر سبلین قیادت کے ہاتھوں میں دینے پر مجبور کر دیا تھا، فوج پورا ایک عشرہ تک تاج و تخت کے ہرے لوٹی رہی۔ تاہم اس وقت تک اصل مسلم یگیوں کا نام و نشان ہی مٹ چکا تھا، اور ان کی جگہ ان جا گیرداروں نے لے لی تھی جو تیسم سے قبل طویل عرصہ سے اس خطے پر اپنا اسلام قائم رکھتے چلے آ رہے تھے، اور جو اپنے ساتھ اپنی طرز کی ایسی سیاست بھی لے آئے تھے جو ان کا ہی طرز اقتصادی۔ اور اس وقت سے فوج کے ساتھ اقتدار میں شرکت کے ساتھ ہی وہ اپنی باری پر حکومت بھی کرتے چلے آ رہے ہیں۔

میں اگلے صفحات میں ان دونوں گروہوں کا بیان خرغاڑہ جائزہ الوں گا۔ یہ دو لوگ ہیں جن کے اعمال کا نتیجہ نہ صرف ملک میں جہاں وی قوتوں کے فوج کی صورت میں لکھا بلکہ ان کی طرف سے مسلط کئے گئے بھی آج بھی حالات و اتفاقات کو اس حد تک لے آنے میں اپنا کردار ادا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس امر کو پوری طرح احاطہ شعور میں لانا محال ہے کہ آخر پاکستانی انجام پنداہ اسلامی نظریات کے حوالے سے اس طرح کے روایے کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں جو ان کا خاص سبب اور اس سے بھی بڑا کہ یہ کہاں دو گروہوں کے روایے کے یہیں پر وہ محکمات اور عادات کو سمجھے بغیر یہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

سویلین سیاست و ان اس طرح کی سیاسی روایات پر عمل بھرائیں جو برادرست خطے کی جا گیر دار نہ ثابت کی تھے سے برآمد ہوئی ہیں۔ پاکستان کی سیاسی جماعتیں مریانہ سیاست کے باہمی روابط سے تکمیل کر دیتے ایسے اتحادوں پر ہتھی ہیں جن کا مقصد حصول اقتدار کے ذریعے ریاستی وسائل تک رسائی حاصل کرنا ہے جن کو پھر سب نے باٹ کر کھاتے ہیں۔ سویلین حکمران اپنے مریانہ روابط کی دلبوچی اور تکمیل میں مقصد کے حصول پر اپنی ساری توجہ اس طرح مرکوز کر کے رکھ دیتے ہیں کہ وہ ملک کو ایک وباء کی طرح اپنی بیویت میں لئے ہوئے باضابطہ مسائل کے حل کی تدبیر کرنے کو بہت مشکل یا ناممکن امر تصور کرتے ہیں۔ صحیدہ قلم کے مسائل کا سامنا یا حل کرنے کی بجائے ایک سوچے سمجھے طریق کا رکن کے تحت انہیں پس مظہر میں تکمیل دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ صرف ایک بدترین قلم کے علم و نسل کی صورت میں نکلا بلکہ اجھا پسند نظریات کے فروع کی بھی حوصلہ فراہمی ہوئی۔

فوج میں بھی اس طرح کے رویے یا صور تحال کے استحکام کا رخان پایا جاتا ہے، اگرچہ اس کی توجہ کا اہم محور اندریائی رہا ہے ہے کہ وہ تمام دوسرے عوامل کے پا درجہ پا کرتا نی ریاست کے لئے سب سے بڑا خطرہ تصور کرتی ہے۔ فوج پاکستان میں ہر لحاظ سے ابھی تک سب سے زیادہ متفہم و پیشہ وار اور اس کے خلاف ایک کم لاغت تھیار کے طور پر پروان چڑھانے کا انتخاب کے اصولوں پر ہتھی سے عمل کیا جاتا ہے اور فوج کے افسر خود کو معاشرے کے اعلیٰ طبقے میں شمار کرتے ہیں۔ جہادی تکمیلوں کو انڈیا کے خلاف ایک کم لاغت تھیار کے طور پر پروان چڑھانے کا نیعلہ فوج کا ہی تھا جسے ان کے جا گیر دار رشتہ داروں کی حمایت حاصل تھی۔ جیسا کہ ہم دیکھیں گے یا ان کی بھول ہی تھی کہ وہ انہیں اپنے قابو میں رکھ کر اپنی مردی سے استعمال کریں گے۔

مدھب کے کردار پر غور کئے بغیر پاکستان کو مکمل طور پر نہیں سمجھا جاسکتا۔ اس ریاست کی بنیاد کے پس پر دہ طاق توڑتین شخصیت محمد علی جناح کے تصور کے مطابق پاکستان جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا وطن بننا تھا۔ اگرچہ ان کا تصور ایک لاد بھی ریاست تھی مگر یہاں اسلام کا کردار شروع سے ہی متذمزع چلا آ رہا ہے۔ صرف شہزادیوں کی بنیاد پر اندازہ لگایا جائے تو تھی گے کہ اک پاکستان کیسے پروردھ کے وحشی مسلمان بنیاد پر تھوں کے ہاتھوں جاتی کی طرف گامزن ہے۔ تاہم اصل حقیقت کسی طرح بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ پاکستانیوں کی اکثریت ایک ایسے متعدد قلم کے سنی

عقیدے کی بھروسہ کا ہے جو پوری مسلمان دنیا میں سب سے زیادہ روادار اور بے ضرر قسم کا عقیدہ ہے۔ بلکہ وہ اصل یہ جو نبی ایشیا کے آخر صدیک میں اسلام کی سب سے غالب شکل ہے اور اس خلطے کی جا گیر دارانہ ثقافت میں اس کی جگہ بہت گہری ہیں۔ تاہم حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان میں سُنی سلام کے دو سب سے بڑے اقلیتی فرقے بنیاد پرست نویعت کے حال ہیں۔ بھی دو فرقے ہیں، ان سے پاکستان کی اہم جہادی اور فرقہ ورانہ تنظیموں کے سوتے پھوٹے ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں ایک قابل ذکر شیعہ اقلیت بھی پائی جاتی ہے جو کہ تاریخی طور پر ملک کی جا گیر دارانہ ثقافت اور سیاست کے ساتھ بڑے مضبوط طریقے سے جزوی ہوئی ہے۔ جناب بھی، جنہیں پاکستانی بڑی عقیدت کے ساتھ قائد اعظم کہتے ہیں۔ ایک شیعہ مسلمان تھے۔

مدینی سیاسی جماعتیں بھی پاکستان میں موجود ہیں مگر انہوں نے انتخابات میں کبھی بھی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بہت سے پاکستانی عموم خلطے کی مضر جا گیر دارانہ روایات کے مطابق بڑی بڑی جا گیر دار جماعتیں کو دوست دیتے ہیں۔ تاہم مدینی جماعتیں شروع سے یہ پاکستانی سماج کو اسلامی طرز زندگی کی طرف دھکنے کیلئے ایک متواتر رہا تو اسے دالی تنظیموں کا کرواردا کرتی چلی آ رہی ہیں۔ آخر کار انہیں فوجی آمر خیاء کی شکل میں ایک ہم خیال شخصیت مل گئی جس نے پاکستان کو شدت پسند اسلامی تنظیموں کے تصور کے مطابق نئے ساتھی میں ذہانی کی کوشش کی جس کے نتیجے میں فرقہ ورانہ آتش فشاں کالاواہنگز اتحاد اور بعد میں بڑے پیمانے پر کی جانے والی وہشت گروکار و ایخوں کی بنیاد بھی ڈال دی گئی۔ ہدست پسند اسلام کی حقیقی سرگرمیوں یا ہپکیں کا آغاز بھی ضیاء کے دور میں ہوا۔ اس کا مرکز افغانستان تھا جب پاکستانیوں نے امریکہ کی اکس اسیت اور مالی امداد کے ذریعے خود کو سرد بچک کی بھی میں جھوٹکتے ہوئے افغانستان کی جلاوطن مدنی تنظیموں کو استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا تاکہ تکلیف دہ حالات سے گزرنے والے اپنے اسایہ ملک پر سودیت حملے کے خلاف ان کی مدد کر سکیں۔ ایک عرصے پر صحیطہ یہ چدو جہد جس کا آغاز 1979ء میں ہوا تھا پوری دنیا میں اسلامی بنیاد پر ستوں کی توجہ کا مرکز ہیں گئی، جن میں سے اسی ایک اسامہ بن لاون بھی تھا اور اس کے نتیجے میں رو سیوں کو افغانستان سے نکالنے میں کامیاب تھا ملک پاکستان کے لئے بہت سے علیمن تباہ بھی چھوڑ گئی۔ روں خلاف جہاد کی قیمت کے نئے میں سرشار پاکستان کی اولین جہادی اور فرقہ ورانہ تنظیمیں

اسی وقت کی پیداوار تھیں جن کی پروش میں تیزی سے چھلتی ہوئی انجما پسند مسجدوں اور مدرسوں نے ہم کروارا دا کیا۔ چند ایک نے اپنے جہادیوں کو روشنیوں کے خلاف جہاد کے لئے بھیج دیا، جبکہ باقی تھیموں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا جو خود بھی اپنی انتہا کے اثرات کی لپیٹ میں آ کر انجما پسندی کی راہ پر جل پڑے تھے۔

یہ سب کچھ مینٹ پر ختم ہو جاتا کیونکہ روی افغانستان چھوڑ کر جا رہے تھے، اگر پاکستان ان کو میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیتا۔ مگر قسمت کی دھل اندازی کا یہ بھرمن موقع تھا۔ عین اس وقت جب آخری روی فوجی فریضہ شپ پرج کے اس پارقدام رکھ رہا تھا تو کشیری مسلمان بھارتی تسلط کے خلاف ایک متقول بغاوت کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ افغانستان میں روں کے خلاف ملنے والی اپنی کامیابی پر پھولے نہ ساتے ہوئے پاکستان نے بالکل بھی بھکنڈے کشیری میں بھی استعمال کرنے کا تیجہ خیز حکم کا فیصلہ کر لیا۔ بغاوت کی تحریک کی حیات میں بہت سے جہادیوں کو کشیری کے اندر نہیں راستوں سے داخل کرنے کے عمل کا آغاز کر دیا گیا۔ ان میں بہت سے ایسے مقامی کشیری بھی شامل تھے جو لاسکن آف سترڈل کے درمیں مرغ فرینگ اور امداد کی حلاش میں بھاگ کر پاکستان آگئے تھے۔ تاہم پاکستان نے روں خلاف جنگ لانے والے اپنے تحریر کار جہادیوں کی بھی حوصلہ افزائی کی کہ وہ اپنی کوششوں کا رخ تصادم کے نئے مرکز کی طرف موزدیں۔ شاید یہ کوئی حرثت کی بات نہیں ہے کہ اس حوالے سے تکمیل کردہ اپنی نویت کی اولین جہادی تھیزم حرثت الجاہدین ہی وہ یعنی تھی ہے کشیری کی جنگ میں جھونکا گیا۔ صرف اسی پر تقاضت نہ کرتے ہوئے پاکستان نے تیز ہوتی ہوئی جہادی سرگرمیوں میں شمولیت کے لئے نئی تھیموں کی تخلیق کی حوصلہ افزائی جاری رکھی جسی کے قابلہ حملوں کا ارتکاب کرنے والے گروہ لٹکر طیبہ کی تکمیل ایسے ہی وقت پر عمل میں آئی، جس کے کئی برس بعد جنیں محمد کا قیام عمل میں آیا جو کہ حرثت الجاہدین کی جنگ لینے کے لئے تکمیل دی گئی تھی۔ بغاوت کی تحریک کے پہلے عشرے کے دوران جہادی گروہوں کے کشیری کے اندر بندوق سراہیت ہوتے جانے کے نتیجے میں بھارت کو بھی وادی کے اندر زیادہ سے زیادہ فوج داخل کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ بعض تھیموں کے مطابق یہ تعداد بڑا کہ آخر کار پانچ لاکھ تک ہائی گئی، یعنی امریکہ کی طرف سے دیت نام کے لئے تھیوس کی گئی فوج کی تعداد کے برابر۔ پاکستان نے سینی عمل پانچ برس بعد ۱۸۹۹ میں اس وقت دہرا لایا جب روی افواج کی

والپی کے بعد افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہو گی۔ پاکستان نے اس وقت کے اپنے پسندیدہ افغان دہڑے سے ناراضی کے بعد انجامی محرک افغانی نہیں، جنونیوں کی ایک ایسی نئی تھیم کی حمایت کا فیصلہ کیا جن کی اکثریت نے روی تھے کہ وہ میں پاکستانی مدرسون میں تعلیم حاصل کی تھی۔ نہیں تعلیم حاصل کرنے والے ان مدرسون کے یہ سابق طالب علم خود کو طالبان کہلانے لگے تھے۔ قبائلی علاقوں اور ان کے ساتھ بھی خبر بخوبی خواہ کے صوبے سے بھی بہت سے پاکستانی ان آصفوں میں شامل ہو گئے۔ جنوبی افغانستان پر غلبہ رکھنے والے چھوٹے چھوٹے جنگلوں کے مخالف پہلی ہوئی نفرت کے ماحول اور پاکستان کی خاطر خواہ حمایت اور تعاون کے نتیجے میں وہ جیز ان کی رفتار سے پیشرفت کرنے لگے۔ وہ برس کے اندر انہوں نے افغانستان کے دارالحکومت کابل کا انتظام سنjal لیا۔ اور چار برس کی مدت میں وہ افغانستان کے اسی نیصد علاقوں پر قبضہ ہو چکے تھے۔

آخری روی فوجی کی افغانستان سے رہا گی کے ایک عشرے بعد اپنی حکمت کے ثراث کا جائزہ لیتے ہوئے پاکستان بھاٹپور پر خوش نظر آ رہا تھا۔ وہ شکریہ میں بھارتی فوج کو بڑی کامیابی سے محسوس کر کے رکھ دینے کے بعد پر امید تھے کہ یہاں بھی ان کے ایجاد پر لانے والے جہادی اسی طرح غالب آ جائیں گے جس طرح وہ افغانستان میں رہن کو ہدست سے دوچار کر چکے تھے۔ اسی طرح افغانستان میں ہونے والی پیشرفت بھی ان کے حساب سے تسلی بخش تھی کیونکہ وہاں ان کے طالبان گماشہ بڑی بے رحمی سے پیشرفت کرتے نظر آ رہے تھے۔ تاہم فتح کا یہ لوتا ہی عارضی ثابت ہوا جتنا کہ یہ پرفیب تھا، کیونکہ خارجہ پالیسی کے مقاصد کی سمجھیں کے لئے، اتنا پسند نہیں تھیں میں کے استعمال کی پاکستانی حکمت عملی پہلے ہی واہگاہ ہوتی نظر آ رہی تھی۔ شکریہ میں لفڑی پر اور جیش محمد نے سویٹین اہداف پر روح فرمادشت گردھلے کرنے کے اپنے شوق کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ان کا اختتام 2 ستمبر 2001 میں نیویارک میں پالمیرٹ پر کے جانے والے حلبوں اور میں 2002 میں شکریہ میں خدمات انجام دینے والے فوجیوں کے الی خانہ کے قتل و مہارت جیسے واقعات کی صورت میں ہوا اور جن کے نتیجے میں پاکستان اور انڈیا جنگ کے وہاں پر تھیں گے۔ اس دوران افغانستان میں طالبان نے اسامہ بن لادن کو پناہ دینے کا فیصلہ کر لیا جس کی تھیم القاعدہ کے کارکنوں نے اگست 1998 میں شرقی افریقہ کے اندر امریکہ کے دو سفارت خانے بم کے

ساتھ اڑا دینے کے ساتھ ہی دو برس بعد امریکہ کے درمیان چہازوں کو تحفظ دینے والے تباہ کا (destroryer) چہاز کوں کو بھی تقریباً ڈونے گے تھے۔ پاکستان کی طرف سے یہ تباہ کیس کے ملا عمر امام بن لاون کو پاکستان کے حوالے کر دے بے کار رہا تھا ہو گیں۔

میں مشرقی افریقہ میں ہونے والے بھروسے کوں سے ایک روز قبائلی پاکستان پہنچا تھا اور تم برس بعد تاں ان یوں کے واقعے سے دو ماہ قبائل وہاں سے روانہ ہو گیا۔ ایک پیشہ ور فارم سروں آفیسر ہونے کے ناطے بھری تقریب اسلام آباد کے امریکی سفارت خانے میں سیاسی مشیر کی حیثیت سے کی گئی تھی کہ میں واشنگٹن کو پاکستان کے اندر ہونے والی سیاسی تبدیلیوں سے آگاہ کرتا رہوں۔ چونکہ اس وقت کامل میں امریکہ کا کوئی سفارت خانہ نہیں تھا، اس لئے افغانستان کے حالات و واقعات کا احاطہ کرنا بھی ہماری ذمہ داریوں میں شامل تھا۔ یہ پاکستان کی تاریخ کا ایک اجنبی نازک دور تھا۔ پر وزیر مشرف نے فوج کے ذریعے ایک جمہوری حکومت کا تختہ اٹ کر اقتدار پر قبضہ کر لیا تھا جبکہ کشمیر میں لاکن آف کنٹرول پر کارگل میں بھارتی سرحدی چوکیوں پر پاکستانی فوج کے لپٹے کی ہٹا پر منڈلار ہے تھے۔ یہ بہت اہم نو عیت کے ایسے واقعات تھے جن کی خبریں صفو اول کی زمینت بن رہی تھیں، تاہم اپنی تھیاتی کے تین برسوں کے دوران مجھے جو بہت گہری اور متواتر پریشانی لائیں ہوئی وہ بنیاد پرست فدایی طاقتوں کا عروج کی طرف گامزن ہونا تھا۔ مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ پاکستان ان شدت پسندوں کو اپنی خارجہ پالیسی کے اہداف کے حصول کے لئے افغانستان اور کشمیر میں بطور تھیار استعمال کر رہا تھا۔ اصل میں ان شدت پسندوں کو خود پاکستان کے اندر بھی بہت پریاں مل رہی تھیں۔ چونکہ میں پسند چہادی انہی مسجدوں اور مدرسوں سے بھرتی کئے جا رہے تھے جو تند پسند فرقہ و راذھنیوں کو بھی افرادی قوت فراہم کرنے کے ذمہ دار تھے، اس لئے پاکستان ان سب کو لاوارث چھوڑ دینے کی پالیسی پر گامزن نظر آ رہا تھا۔ ملک کے ان علاقوں میں جہاں ان کا اثر و نفع پہلے سے ہی متأمی آبادیوں تک پھیلانا شروع ہو چکا تھا، لفظ طالبان کریمین روز مردہ زہان کا حصہ ہیں گے۔ مجھے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ پاکستانی آگ سے محیل رہے ہیں۔ اور یہ آگ تاں یوں والے دن بھڑک کر ان کے چہروں کو گھلسانے والی تھی۔

تاں یوں کے واقعے نے جس طرح پاکستان کی قسمت کا رخ تبدیل کیا میں یہاں اس کے تباہ کی اثرات کا جائزہ لیتا ہوں۔ اپنے طالبان طیفوں اور حد سے زیادہ ناراض امریکہ میں

سے کسی ایک کے انتخاب پر مجبور ہو کر پاکستان نے موفرہ الذکر کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرنے کے بعد امریکی قیادت میں اتحادی افواج کو طالبان اور پاکستان میں ان کے مہمان اسماں بن لادن کو نکال پاہر بھختے کی کارروائی کے روشن خاموش تباشی کا کروارا دا کیا۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے بعد ازاں پاکستان کی طرف سے القاعدہ کے اہم عہدیداروں کی کھون لگانے میں مد کے ذریعے امریکہ کی حمایت حاصل کرنے کی کوششوں کا نتیجہ، افغانستان کی طرف سے شہابش گرا گئے جا کر اسماں بن لادن اور اس کے چیزوں کی دشمنی کی صورت میں برآمد ہوا۔ معاملات اس وقت اور بھی خراب ہو گئے جب بہت سے پاکستانی جہادیوں نے پاکستان کی طرف سے امریکہ کی حمایت کے مظاہر پر ناراضی ہو کر پانچ ماہنے کے پڑے میں ڈالتے ہوئے ریاست مخالف کارروائیاں شروع کر دیں۔ اور اس سے بھی زیادہ خرابی اس وقت پیدا ہوئی جب امریکہ کے دباؤ میں آکر عالم تبدیل میں پاکستان نے القاعدہ کے تھکنوں کو کھون لگانے اور خاتم کرنے کے لئے اپنی فوج کو دور از قبائلی علاقوں میں بھیج دیا۔ اس کارروائی کا نتیجہ، جو کہ 2004 کے آغاز میں شروع ہوئی تھی القاعدہ کو پناہ دینے والی مقامی غیرمعلوم کے ساتھ مسلح تھام کی صورت میں لکھا۔ ان غیرمعلوم نے جلدی تحد ہو کر ایک ایسے اکتوبری میل احتیار کرنی ہے پاکستانی طالبان کا نام دیا گیا اور انہوں نے ریاست کے خلاف خود اپنے طور پر جنگ شروع کر دی۔ تاہم پاکستان نے افغان طالبان کو خود اپنی اسی سر زمین پر ڈیرے ڈالے رہنے دیتا کہ محققیں کسی قسم کی سودے بازی میں آسانی رہے۔ خدشیہ تھا کہ انگلستان پر ان کے جانی دشمن بھارت کا غلبہ ہو جائے گا۔

ٹندو پسند پاکستانی طالبان کے حلبوں سے گھبرا کر پاکستانیوں نے باقی طاقتوں کے ساتھ جنگ بندی کے معاهدوں کا ایک سلسہ شروع کرتے ہوئے حالات کا رخ اپنے حق میں کرنے کی کوشش شروع کر دیں۔ تاہم یہ حکمت عملی دیرپا ثابت نہ ہوئی جس کی ایک وجہ 2007 کی گرمیوں میں لاں مسجد پر حکومت کی طرف سے کی جانے والی وہ چڑھائی تھی جس میں ایک سو سے زائد جانیں ضائع ہو گئیں اور جو پاکستان کے لئے اڑات کے حساب سے نائن الیون کی طرح ہی تھا۔ لاں مسجد کا شمار اسلام آباد کے مرکز میں واقع ایک ایسی مسجد اور مدرسے میں ہوتا تھا جہاں انہا پسند نظریات کی تعلیم دی جاتی تھی اور جس کے میں انہوں اخواہ اور خود حنفی حلبوں کی پھیلی ہوئی واروتوں کے ذمہ دار تھے۔ کئی ماہ کے کمپلیکس میں رہنے کے بعد لاں مسجد کی غارت پر جملے

کے پاکستانی فیصلے نے شدت پسند نہیں طبقات کو مشتمل کر کے رکھ دیا۔ پاکستانی طالبان نے پاکستانی رفاقتی اداروں پر دوبارہ مختلف شروع کر دیئے اور انہیں مجبور کرو یا کہ وہ نہیں اختیاء پسندوں کے نکلنے خالی کروانے کی کوششیں شتم کر دیں۔ فوج کی ناکامی کے ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ اپنی جدوجہد کے عمل کو مضمبوط ہاتے کے لئے مناسب افرادی وقت وقف کرنے کے لئے تیار نہ تھی اور دوسرا سے اسے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ لڑائی کی صورت میں اندر وون ملک سے خلافت کا خطہ بھی تھا۔ اور پھر وہ بھارتی سرحدوں سے اپنی فوجیں بٹانے پر بھی رضامند نہیں تھیں، پاکستانی طالبان آخراً پاکستان کے بہترین سیاحتی مقام سوات کی حیثیں وادی سمیت، جو کہ صوبہ خیبر میں اسلام آباد سے صرف سو میل کے فاصلے پر واقع ہے تقریباً تمام کے تمام قبائلی علاقوں کو اپنے زیر تسلط لانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے بھی بدتر صورتحال اس وقت پیدا ہو گئی جب پاکستانی طالبان اور ان کی مرینی دس رپرت اتفاق اور کے ارکان نے پاکستان کے شہری علاقوں کے اندر جاتی پھیلاؤ نے والی ایسی دہشت گرد کارروائیاں شروع کر دیں جن کی پیٹ میں، پاکستان کی سابقہ اور مستقبل کی امکانی وزیراعظم بنے نظر بخوبی آگئیں۔

میں نومبر 2008 میں بھی کے ان بدنام زمانہ مخلوں سے آغاز کر کے جو لٹکر طبیب کی جانب سے کئے گئے تھے جو کہ پاکستان کی وہ واحد جہادی تنظیم ہے جو ابھی تک ریاست کی خلاف نہیں ہوئی، اپنی کپانی کو زمانہ حال تک لے آتا ہوں، بھی مخلوں کے بعد پاکستان اور انڈیا کے درمیان اسکی ان کوششوں کو شدید چھکہ لگا جن کا آغاز پانچ برس پہلی ہوا تھا۔ اٹھیا نے الزام لگایا کہ ان مخلوں کے پس پر وہ پاکستان کا ہاتھ تھا جس کو اس لئے بھی تقویت ملتی نظر آرہی تھی کہ پاکستان نے بعد ازاں لٹکر طبیب کے مکانوں کو زیرِ حساب لانے سے انکار کر دیا تھا۔ تاہم پاکستان کے پاس اس امر کا یہ آسان جواز موجود تھا کہ اگر پاکستان کی صفائی اول کی دہشت گرد اس جہادی تنظیم کے خلاف کارروائی کی گئی تو وہ ریاست خلاف سرگرمیاں شروع کر دے گی۔ تاہم اس امر کا نیمذہ کر اصل حقیقت کیا ہے پاکستان کی طرف سے دہشت گرد مخلوں کی پشت پناہی کی دوسری مخلوں کی طرح ایسے ناقابل تردید ہوتوں کا تھا اسی ہے جو کہ دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ فیصلہ سازوں کے طرزِ عمل کے پس پر وہ جو اہل کا سراغ لگانے کے لئے اصل حرکات کا شور حاصل کیا جائے۔ بھی مخلوں کی اصل حقیقت سے قطع نظر، اس امر کا سراغ لگانا بہت مشکل

ہے کہ اس سے پاکستان کو یادگاری حاصل ہوئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ بھی حلول کے فوری عاقب کی صورت میں پاکستان کی مشکلات اس وقت اپنے عروج پر ہی گئیں جب دہلی عوامات میں موجود پاکستانی طالبان ایک اہم معابدہ سوتاڑ کرتے ہوئے اسلام آباد سے صرف 60 میل کی دوری پر واقع ضلع بونیر میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک ایسا فیصلہ کن حرم کا اقدام تھا جس نے پاکستانیوں کو بھرپور حرم کے جوابی اقدامات کے حق میں ہدن ڈالنے پر مجبود کردی۔ ملک کے اندر رائے عام کی اس تبدیلی کے پیش نظر فوج کی ایک بڑی تعداد کو جو کہ معمول کی فوج کا تیرا حصہ بھی مطلوب علاقوں یعنی پہلے سوات اور پھر قابلی علاقوں میں بیچ دیا گیا۔ یہ اگرچہ پاکستانی طالبان کی اہم تھیں میں مطلوب علاقوں کے بخیاوی مختارانوں سے لٹائے ہیں تو کامیابی حاصل ہو گئی مگر انہیں کمل طور پر فکست نہیں جا سکی۔ چنانچہ پاکستان کے شہری علاقوں میں دہشت گرد کارروائیوں کا سلسہ بخابی طالبان کی صورت میں چھوڑا ہوتے والی ان تین تھیں میں کذریعے چاری رہا جو عوامات اور قابلی علاقوں میں اپنی ہم نام تھیں سے قریبی رابطہ رکھتی تھیں۔ اسی طرح پاکستان امریکہ کو بھی مطمئن نہ کر کا جو مسلمان افغانستان میں حالانکے برہت ہوئے اثر دریخ سے کچھ زیادہ ہی بحث آتا جا رہا تھا۔ اگرچہ پاکستان نے قابلی علاقوں میں افغان طالبان کے ہداف کو شانہ ہانے کے لئے امریکی میزائل میں کی خلافت سے لڑ کو باطل ناخواستہ وورکہا گرفوج ان کے خلاف بذات خود کوئی کارروائی کرنے کے موقف پر اس ایڈ کے ماتحت مضبوطی سے قائم رہی کرایک وقت آئے گا جب امریکی فوجوں کے لاس خطے سے روانہ ہو جانے کے بعد وہ انہیں استعمال کرتے ہوئے اٹلیا کو افغانستان میں قدم جلانے سے باز رکھتے ہیں کامیاب ہو جائے گی۔

افغانستان کی اس صورتحال سے جہاں پاکستان، امریکہ اور بھارت کے مخالف مقادرات آپس میں گراٹے نظر آئے، یہ حقیقت واضح ہو کر سائنس آجائی ہے کہ یہ محل پاکستان اور پاکستان کی طرف سے مختلف متنیاب ترجیحات میں سے کسی ایک کے اختیاب کی کہانی نہیں ہے۔ یہ اٹلیا کی کہانی بھی ہے جس کے باقی رہنمائیم کے وقت کشمیر کو پاکستان سے چھیننے کی لہاظت سے اس حقیقت کے باوجود خود کو ہازر رکھنے کے کہ مسلم اکثریت کا وہ علاقہ ہے جس کے مخاب سے گھرے تاریخی رو ابطال ہیں۔ چنانچہ اس خطہ میں پر قبضے کے بعد اسے اپنے مسلمان ہمسائے کی دائی دشمنی مول لئی پڑی جس کے نتائج ایک مستقل اتصال، بے شمار جگنوں اور وقارنا فتو گاؤ نے والی مسلح جگنوں، کشمیر میں طویل عرصے سے جاری بغاوت، بھیجنی کی طرح کے دہشت گردی کے

خوفناک واقعات اور ایک ایسی ایٹھی بگ کے خطرے کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں جو کسی دن انہوں مکونوں کے بڑے شہروں کو ملیا ہیت کر کے رکھتی ہے۔ بھارت کے ساتھ پاکستان کی دشمنی اسلامی تبلیغ پرستوں کو ریاستی مفادات کے لئے استعمال کرنے کے پس پرہ ایک بیانی محکم کی حیثیت رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ آج بھی افغانستان کے حوالے سے پاکستانی پالیسی، خاص طور پر افغانستان میں امریکی فوجوں پر حلے کے لئے افغان طالبان کو اپنی سر زمین کے استعمال کی اجازت دینے پر رضامندی کے پس پرہ بھی وہاں پر بھارت کی واضح طور پر موجودگی کے حوالے سے پائے جانے والے خدشات ہیں۔ تاہم اس کے باوجود اظر یا اس ساری صورتحال کی ذمہداری قبول کرنے سے گریز اس ہے اور الٹا خود کو بلا شرکت غیرے مظلوم ہا کر پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے دشمن ملک کے ساتھ تازہ عادات کے حل کے حوالے سے کی جانے والی تمام ہیر و فنی کوششوں کو بھی اختیال آمیز انداز میں مسترد کر دیتا ہے باوجود اس حقیقت کے کہ افغانستان اور کشمیر میں اس کی پالیسیوں کی بدولت امریکہ کے اہم مفادات پر برداشت زد پڑتی ہے۔

یا امریکہ کی کہانی بھی ہے جس کے پاکستان کے ساتھ تعلقات بر سہارہ سے دور گی کی عکاسی کرتے چلے آرہے ہیں۔ امریکہ یہک وقت پاکستان کا دوست بھی ہے اور ایکزی ہاڑ دشمن بھی، جس طرح کہ خارجہ پالیسی مفاد کا تھا شاہو، چنانچہ پاکستانی اس صورتحال پر الجھن کے ساتھ ہی ماہی بھی محسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ نہیں پائیدار و سوتی اور دشمنی میں یقین رکھتے ہیں۔ انہیں ابھی طرح یاد ہے کہ کس طرح پاکستان کے ایٹھی پروگرام کی وجہ سے امریکہ نے افغانستان میں ان کے ساتھ عمل کر آئی روی فوجی کو بھی وہاں سے نکال باہر کرنے کے صرف انمارہ ماہ بعد ہی ان کے ملک پر پابندیاں عائد کر دی تھیں جیسے ہیے پاکستان کا اپنے خارجہ پالیسی اپہاف کے حصول کے لئے جہاریوں پر انحصار پڑھتا چلا گیا، امریکہ کی توجہ وہاں سے نہیں چلی گئی۔ امریکہ کو جب مشرقی افریقہ میں اپنے سفارت خانوں پر ہونے والے بھملوں کے وقت اس غلطت کا احساس ہوا تو اس کے سامنے بہت کم راستے رہ گئے تھے۔ حتیٰ کہ آج بھی افغان طالبان کے خلاف کارروائیوں میں اضافے کے حوالے سے امریکہ پاکستان پر زیادہ وہاؤ اس لئے نہیں والیں ملک کیونکہ افغانستان میں اپنی فوجوں کو رسید پہنچانے کے لئے وہ پاکستان کے زمینی راستوں کا محتاج ہے امریکہ کے پاس راستے اس لئے بھی کم ہیں کیونکہ وہ نہیں اٹھایا پر داؤ اٹھے کے لئے بھی کافی عرصے سے پہنچاہت

کا انہصار کرتا چلا آ رہا ہے۔ افغانستان میں امریکہ کے فوجوں کی ہلاکت کی کچھ حد تک ذمہ داری دہلی بھارت کی خاطر خواہ تعداد میں موجودگی پر بھی عائد ہوتی ہے، باوجود اس حقیقت کے کہ بھارت کا دہلی مساوئے اس کے اور کوئی مفارقہ نہیں ہے کہ وہ پاکستان کو اس کی مغربی سرحدوں سے دھکاتا رہے۔ اسماء بن لاون کی اس وقت ہلاکت بھی میں اس کتاب کو حصی حل دے رہا تھا، امریکہ اور اس کے واضح پاکستانی طیف کے درمیان تعلقات کی بڑھتی ہوئی تخلیق نویسیت کی مناسک صداقت کو عیاں کرتی نظر آتی ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ کی جنگی فورسز کی طرف سے پاکستانی حدوں کے اندر پاکستانی حکام کے علم یا رضاہندی کے بغیر کی جانے والی کارروائی کے باعث پاکستان کو جبی خاصی نرم امت یا شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک نہیتاً چھوٹا شہر ایڈیٹ آباد، جہاں اسماء بن لاون اپنے انجام سے دو چار ہوا تھا، اسلام آباد کے شمال میں جنکس تیس میل کے فاصلے پر ہونے کے علاوہ پاکستان ملٹری اکینڈی کا گزہ بھی ہے جو کہ دیس پا بخت کے مقابلے کا ادارہ ہے۔

یہ حقیقت کہ اسماء بن لاون پاکستان کے سیاسی دارالحکومت سے تھوڑی سی مسافت پر واقع ہے ایک ایسے شہر میں اپنے انجام کو پہنچا جو پاکستانی فوج کے ساتھ دباگی کے حوالے سے شہرت رکھتا ہے، کسی حد تک موزوں نیت کی حالت ہے۔ کیونکہ یہ آخر کار پاکستان اور اس کی طرف سے کئے گئے ایسے فیصلوں کی کہانی ہے جنہوں نے دنیا کو حوالے میں اور اخطراب کے اور کچھ نہیں دیا اور اس کے ساتھ ہی ملک کو جاہی کے خطرات کے دہانے لاکھڑا کر دیا ہے۔ آج کا پاکستان انہاں نہیں ہیں جنکوں کا گزہ ہے، جن میں سے کچھ کے خلاف کارروائی کی جا رہی ہے جبکہ مگر کے خلاف کوئی قدم اٹھانے میں پہنچاہت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے یا تو مغلیہ تاریخ کے خوف کے مظہر یا پھر اس امید کے باعث کہ شاید انہیں کسی اٹھی کے خلاف لڑی جانے والی یا کادھما جگہ میں استعمال کرنا پر جائے۔ اس کہانی کا اختتام کس طرح سے ہوگا؟ یہ سوال ہے جو میں نے آخری سے پہلے باب میں خداونپئے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ کیا پاکستان ان انہاں پر مدد اسلامی طاقتوں کی مراحت کرنے میں کامیاب ہو جائے گا جو اسے دباؤ میں رکھے ہوئے ہیں یا پھر ان کے آگے تھیاڑاں دے گا؟ میں اس سوال کے جواب کی کوشش میں افغانستان میں پیش آنے والے واقعات، بن لاون کی موت کے بعد بھی خلطے میں القاعدہ کی سلسلہ موجودگی، اور امریکہ کے ساتھ تعلقات جیسے ان عوامل کا جائزہ لوں گا جن کے پاکستان کے حالات پر گھرے اثرات رہنا ہو سکتے ہیں۔ میں اس سکھتے پر بھی غور کروں گا کہ آیا پاکستانی طالبان کا مکمل طور پر خاتمه ممکن ہے اور اگر نہیں تو کیا پاکستان کے

صوبے بخاب کے اندر موجود جہادی طاقتوں کے ساتھ پڑھتا ہو اتحاد پاکستانی ریاست کے دھونکو لاحق خطرات کی علامت ہے میں بھی کے طرح ایک اور ملے کے امکانات کا جائزہ بھی لوں گا اور یہ کہا یا اختر طیبہ کسی دن ریاست کی تلافت کی جانب بھی آسکتی ہے۔ چونکہ اس امر پر اصرار کرنا اندر ہات ہے کہ پاکستان جہادی قوتوں کے آگے تھیمار ڈالنے کا اور مل طریقے سے یہ بتانا کہ ایسا کس طرح ہو گا اور بات ہے اس نے میں ایک بھائی معمولی قسم کی امکانی صورت حال کا خاکہ کھینچنے کی کوشش کرتا ہوں۔

میں پاکستان کی اس دستان یا کہانی کا آغاز جہاد کے دور سے کرتا ہوں اور اس کا اختتام ان امکانات کے جائزے سے کروں گا جوان قوتوں کے بر سراقدار آنے کی صورت میں حقیقت میں پیش آسکتے ہیں۔ میرا معتقد اس امر کی اچھی طرح سے وضاحت کرتا ہے کہ یہاں کیا کچھ دا اور پر لگا ہوا ہے یا کسی طرح کے خطرات درپیش ہیں۔ پاکستان ایک ایشی اسلامی اتحاد رکھنے والی طاقت ہے۔ اگر جہادی اسلام آباد میں اقتدار پر بھڑک میں اسلئے کا ایک ایسا ذخیرہ آجائے گا جو اس وقت تقریباً ایک سو ایشی میز رائلوں (warheads) پر مشتمل ہے۔ حالیہ دنوں میں اس حوالے سے بھی اچھی خاصی بحث کی جاتی رہی ہے کہ یا اگر ایران بھی ایشی تھیمار ہنالے تو کیا اسے خطرناک انجام سے باز رکھا جاسکتا ہے۔ تاہم پاکستان میں جہادیوں کے حکومت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ بنیاد پر قوتوں کی اکثریت کے اس عقیدے کے پیش نظر کہ جہاد کے دوران شہادت انہیں سیدھی جنت میں لے جانے کی شامن ہے، کیا اس یقین کی کوئی محتول وجہ نظر آتی ہے کہ انہیں خطرناک انجام سے خبردار کر کے ایشی تھیمار چلانے سے روکا جائے گا؟ کیا امریکہ یا پھر بھارت یہ معلوم کرنے کا خطرہ مول لینے کے استھانات کا مظاہرہ کر سکیں گے یا پھر وہ اس حوالے سے پیش قدمی کرنے کی ضرورت محسوس کریں گے؟ اور اگر انہوں نے پہلے ہی حمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اس کے خود پاکستان پر کیا اثرات رہتے ہوں گے؟ کیا وہ اس طرح کے ملے کے بعد قائمہ سے کیا یا پھر کیا یہ پاکستانی ریاست کے تھاد کے منتقل انجام کے عمل کو تیز کرے گا؟ یہ بیس وہ چند سوالات ہیں کی کھوج میں پاکستان میں مستقبل کے تاریک ترین امکانات میں سے ایک کو زیر غور لا کر گاؤں گا۔ ہمیں امید کرنی چاہئے ایسا بھی نہیں ہو گا۔

## ایک غیر لقینی ریاست

پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں صورتحال بیش غیر لقینی رہتی ہے۔ ملک پر اس وقت جن لوگوں کا سیاسی اور فوجی اسلوچان تم ہے ان کے آزاد احصار نے پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں محض تماشائی کا کردار ادا کیا ہے۔ اس کی تحقیق کی اصل ذمہ دار شخصیات کا تعلق اس سرزین سے نہیں تھا جس پر اب پاکستان قائم ہے۔ مسلم لیگی رہنا اور قوم کے قائد مخدوم علی جناح بھی سے تعلق رکھنے والے ایک وکیل تھے جو رصریغ کے مسلمانوں کے لئے اس نے ایک علیحدہ ملک بنانا چاہتے تھے کیوں کہ انہیں خدشہ قحاک کہ مسلمان ایک ایسے تحدیہ ہندوستان میں دوسرا ہے وہ بچے کے شہری ہیں کر رہے جائیں گے جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہوگی۔ ان کا تصور ایک ایسی ریاست کا تھا جہاں نہ ہب فرد کا غنی معاملہ ہو گا بلکہ وہی تصور جس کی بنیاد پر اسرائیل کا قیام بھی ایک ایسے ملک کے طور پر عمل میں لایا گیا جہاں ہب ہو دی ہر طرح کے ظلم و جبر سے آزاد زندگی گزار سکیں۔ لیکن بیش اس طرح سے نہیں تھا۔ اپنی سیاسی سرگرمیوں کے آغاز کے وقت جناح گاندھی اور نہرو کی سیاسی جماعت کا گرس کے رکن تھے اور ان کے ساتھ ہندوستان کو برطانیہ سے آزاد کرنے کی جدوجہد میں شریک عمل رہے تھے تاہم بعد ازاں ایک آزاد ہندوستان کے ائمہ مسلمانوں کی حیثیت کے حوالے سے نظریاتی اختلاف پیدا ہو چانے کے نتیجے میں انہوں نے اپنے سابقہ ساتھیوں کو حقی طور پر الوداع کہہ کر مسلم لیگ میں شمولیگ انتخاب کر لی۔ جناح کا خیال تھا کہ مسلمان اپنی ایک علیحدہ شاخست رکھتے ہیں اور ان کے لئے انہوں نے ”قوم“ کی اصطلاح استعمال کی جس کی بنیاد پر وہ ہندو اکثریت کے برابر مقام رکھتے تھے جبکہ کاگرس کا اصرار تھا کہ آزاد ہندوستان ایک ایسی تحدید

ریاست ہو گئی جہاں کسی فرقے کو بھی مدھب کی بنیاد پر کوئی خصوصی حیثیت عطا نہیں کی جائے گی۔ یا ایک ایسا اختلاف تھا جس کے حل کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تھی اور 1840ء میں لاہور میں ہونے والے مسلم لیگ کے عظیم اتحان عوای جلے سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم نے ایک قدم اور آگے بڑھاتے ہوئے آزاد ہندوستان میں مخالف مسلمان کے علیحدہ شخص پر ہی زور نہیں دیا بلکہ فرقہ ورانہ بنیادوں پر ہندوستان کی تقسیم کی طرح کی تجویز بھی پیش کروی۔

دوسری جگہ عظیم کے اختتام تک بھی صورت حال برقرار رہی۔ اس وقت جگہ کے تینی میں ٹکشہ اور جاہ حال برطانیہ نے بر صغیر کی آزادی کے حوالے سے جیسوی سے پیش رفت شروع کر دی۔ چنانچہ اس حوالے سے بعد میں جس نہ کر ان عمل کا آغاز ہوا اس میں مسٹر جناح نے اپنی چالیں بڑی احتیاط سے چلیں لیں مورخوں کی دلیل کے مطابق جناح دراصل ایک علیحدہ مسلم ریاست کے حق میں بالکل فیصل تھے بلکہ ریاستوں کا ایک ایسا الحال (confederation) چاہتے تھے جس میں مسلمان اکثریت والے علاقوں پر مبنی اکائی کی تحریکی کرنے والے مسلمانوں کو ایسی طرح ہندو اکثریت والے علاقوں پر مبنی اکائی کے تعاہدوں کے مساوی حیثیت یا اختیارات حاصل ہوں گے۔ اس تصور کے مطابق ہنگاب اور بیگانہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی تھی۔ یہ دونوں علاقوں مسلمان اکثریت والے علاقوں میں سب سے زیادہ گنجان آباد اور سیاسی لحاظ سے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل تھے، اگرچہ ہر ایک صورت حال میں اکثریت کا فرق معمولی توجیہ کا تھا۔ جناب ان دونوں صوبوں کو مسلمان علاقے میں مخالف اس لئے بھی کہ دوسرے مسلم اکثریتی صوبوں کے برکس بیہاں ہندوؤں کی کوئی اچھی خاصی آبادی موجود تھی۔ مسلم اکائی کے اندر ہندوؤں کی موجودگی سے یہ یقین دہانی حاصل ہو جاتی تھی کہ ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی ان اقلیتی آبادیوں کے ساتھ جو ان صوبوں کے اندر رہ جانی تھیں کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ جناب کسی بھی الکی تجویز کے تحت خالف تھے جس کے مطابق ہنگاب اور بیگانہ کو جہاں ہندو اور مسلمان دونوں تقریباً تقریباً ابرار تعداد میں تھے، فرقہ ورانہ بنیادوں پر تقسیم کیا جاسکتا، کیونکہ ان کی دلیل کے مطابق ان کا نتیجہ ”ایک ایسی سُنّت شدہ اور ٹکشہ حاں“ مسلم اکائی کی صورت میں لکھے گا جس کا اپنا وجود ہی محفوظ ہو جائے گا۔

کا گھر لیں کو اس سے کسی طرح بھی اتفاق نہیں تھا۔ وہ ایک ایسی مسلم آبادی کو مساوی حیثیت دینے پر کسی طرح آمادہ نہیں تھی جو کل ہندو آبادی کا حصہ ایک چوتھائی تھی، اور اس کا اصرار تھا کہ ایک آزاد و خود مختار ہندوستان میں ایک ایسی مضبوط مرکزی حکومت ہوئی چاہئے جو تمام ہندوستانیوں کی بلا تفریق نمہج و عقیدہ نہادنگی کرنی ہو۔ تاہم اگر حالات کے دھاؤ کے تحت جب برطانوی حکومت نے ان پر ایک علیحدہ مسلم اکالی مسلط کرنے کا فیصلہ کر لیا تو انہوں نے ہنگاب اور بیگانہ کی تقسیم کا مطالبہ کر دیا۔ دونا موافق حکومت کے معاہدات کے درمیان انتخاب کی مجبوری کے تحت برطانیہ نے ورمیانی راستہ نکالنے کی کوشش کی۔ کا گھر لیں کو اس کی خواہش کے مطابق ایک تحدہ ہندوستان دینے کی بجائے انہوں نے ہندوستان کو فرقہ و رانہ بنیادوں پر تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا۔ جنائن کو ایک عدد مسلم اکالیں مل گئی مگر ایک مکمل آزاد ریاست کی صورت میں، نہ کہ الگ الگ اکالیں پر مشتمل وفاتی ہندوستان کے اندر ایک ایسی مساوی اکالی کی صورت میں جہاں انہیں سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے جذبات کی ترجیحی کا موقع مل جاتا۔ جنائن کے لئے اتنی ہی تکلیف وہ دوسرا حقیقت یہ تھی کہ برطانیہ نے کا گھر لیں کے پر زور مطالبے کے آگے جھکتے ہوئے ہنگاب اور بیگانہ کی تقسیم پر رضا مندی ظاہر کروی اور یوں جنائن کے پاس "صحیح شدہ اور شائعہ حال" ریاست کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا۔ یہ ریاست دو حصیم شدہ صوبوں کے پنج کھجھے حصوں اور غیر ممتاز عبور پر مسلم اکثریت کے حوالے میں دیگر صوبوں پر مشتمل تھی جو کہ سب کے سب برطانوی ہندوستان کی مغربی حدود کی سمت واقع تھے: سندھ، ٹھال، مغربی سرحدی صوبہ (اب پختیر پنجشیر نواحی) اور بلوچستان۔ اور یوں ایک نیا ملک اس حالات میں پاکستان کے طور پر وجود میں آگیا۔

اکثریت کی توقعات کے برکس جو کہ بعد ازاں احتفاظہ ثابت ہوئیں، تقسیم ایک خونپکاں واقعہ ثابت ہوئی۔ یہ خاص طور پر ہنگاب کے حوالے سے واضح حقیقت تھی جہاں پاکستانی مغرب میں رہنے والے ہندو اور سکھ بھاگ کر مشرق سمت چلے گئے جبکہ بھارتی مشرق میں رہنے والے مسلمان بھاگ کر مغرب کی طرف آگئے۔ راستے میں ہر ایک فرتے کے لوگوں کا سامنا فسادات کے ایسے ہزاروں انفرادی و اتفاقات کی صورت میں دوسرے فرقے کے لوگوں سے ہوتا رہا جن میں لاکھوں افراد کو اپنی جان سے با تھوڑے ہونے پڑے۔ برطانوی ہندوستان کی تقسیم کے نتیجے میں قائم ہونے والی پاکستانی ریاست ایسے نصف مغربی اور مشرقی حصوں پر مشتمل تھی جن کے

دریں ہزاروں میل پر صحیح ہندوستانی علاقہ آ جاتا تھا۔ جیسا کہ جناب کو علم ہونے کے ساتھ ساتھ شکایت بھی تھی یہ دنوں نصف حصے برطانوی ہندوستان کے انجامی و دردار علاقوں پر مشتمل ہونے کے علاوہ نہیں اپسماںدہ بھی تھے۔ جو علاقہ مغربی پاکستان ہاتھ اور بعداز اس شرقی پاکستان کے بھگ دشیں کی صورت میں الگ ہو جائے پر موجودہ پاکستان میں چکا ہے برطانوی ہندوستان کی حدود میں نہیں اور سے شامل ہوا تھا۔ ہجاب جو کرو حصول میں قسم ہونے کے باوجود مغربی پاکستان کے دل آنکھ انتیار کر گیا تھا اور اس کا سب سے گنجان آباد صوبہ بھی تھا، مغلیہ سلطنت کا ایک ناگزیر جزو تھا۔ اس کا دارالحکومت لاہور مغلیہ وور کی بعض عظیم اشان یادگاروں کا منظر پیش کرتا ہے۔ جب انخاروںیں صدی کے شروع میں مغلیہ سلطنت اپنے زوال کی طرف گامزن ہو رہی تھی تو ہجاب ذرا کتر قسم کے عکروں کے زیر تسلط آنا شروع ہو گیا اور آخر کار ایک الیک سکھ سلطنت کی مرکزی صورت اختیار کر گیا جو ائمسوںیں صدی کے آغاز میں تھکلیل پائی تھی۔ مغربی پاکستان کا حصہ بننے والے دوسرے علاقوں، یعنی سندھ، بلوچستان اور صوبہ سرحد (پختونخواہ) کا بھی بھی انجام ہوا، موخر الذکر کا بھی اچھا خاص حصہ عکسوں کے زیر انتظام آگیا تھا۔

اس خطے میں برطانیہ کے عمل دخل کا آغاز ائمسوںیں صدی کے وسط میں کی عشروں اور بعض صورتوں میں ایک صدی سے زائد عرصے کے بعد اس وقت ہوا جب کہ وہ بر صیر کے مرکزی یا وسطی علاقوں کو اپنے زیر انتظام لا چکے تھے۔ ان کے اس علاقے تک رسائی کا مقصد صرف اپنے ہزار فی کو سچ کرنا تھا بلکہ بعداز اس اس مخصوصے کے ایک حصے کے طور پر روس کے نہلے میں سرایت کر جانے کے خطرے کے لفاف انہیں روک کے طور پر بھی استعمال کرنا تھا جسے اب گریٹ یم کہا جاتا ہے۔ سندھ پر قبضہ 1843 میں عمل میں آیا۔ ہجاب اور بعداز اس صوبہ سرحد کیلانے والے علاقے کے بڑے بڑے حصے عکسوں سے 1849 میں بھین لئے گئے۔ بلوچستان کے اکثر علاقوں کو اس سے اگلے عشرے میں شامل کیا گیا۔ خطے میں برطانیہ کو ہمیشہ آسانی سے راست جسیں ملا۔ برطانیہ نے عکسوں سے دو خوبی جنگیں لیں۔ افغانستان کو فتح کرنے کی کوششیں بری طرح ناکام ہو گیں، اور کابل میں تھیات سارے کے سارے برطانوی فوجی دستے کے 1842 میں افغان دارالحکومت سے دلوڑ قسم کی پسپائی کے دوران پشتون قبائلی مجاہدین کے ہاتھوں ذلت آمیز طریقے سے صفائیاد کیئے میں آیا۔

برطانیہ کی ان علاقوں کو بینا وی طور پر روی تو سبق منصوبے کے خلاف ایک روک کے طور پر استعمال کرنے کی خواہیں دراصل ان کے طرز حکومت کی عکاس تھی۔ اگرچہ پورا علاقہ یعنی روی سرایت کے خطرے کے خلاف ایک عظیم فوجی چھاؤنی بن کر رہ گیا تھا، تاہم برطانیہ کے لئے قدم یہاں دوسرے علاقوں کی نسبت کم تھا یاں تھے۔ ہنگاب میں برطانیہ نے سلم زمیندار اشرافی کو جو کو خود کو سکھا شاہی دور کے اثرات سے بھی الگ تخلیک رکھنے میں کامیاب ہو گئی تھی، لازمی طور ان کے اپنے حال پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ میسوسیں صدی کے اوائل میں اس کے مغربی سرحدی علاقوں کو جہاں زیادہ تر پشتوں آباد تھے، افغانستان سے چھیننے کے اضافی علاقے سیست ممال مغربی سرحدی صوبے میں ضم کر دیا گیا، اور یوں روک والے علاقوں میں ایک اور تہہ یا پرت کا اضافہ ہو گیا۔ حتیٰ روک کے طور پر برطانیہ نے اپنے زیر انتظام علاقوں اور افغانستان کے علاقے کے درمیان صوبہ سرحد کے مغرب میں سرحدی قبائلی علاقے قائم کر دیے تھے جن کے سفر ان دونوں علاقوں کے درمیان اس سرحد کو تسلیم کرنے کے پابند تھے ہے بعد میں ڈوپور نڈلان کہا جانے لگا۔ اسی طرح بلوچیوں کو بھی خود اپنے سعادلات کا گمراہ رہنے دیا گیا، جبکہ صدی کے زیادہ حصے میں سندھ پر ایک استثناء کے طور پر، ہمارے بھائی کے ذریعے حکومت کی گئی۔

فوج کی بڑی تعداد میں موجود گی کے ساتھ ایک روک کا کام کرنے والا یہ زیادہ تر خود مقامی علاقہ جو کہ برطانوی راج کی انتہائی مغربی حدود پر واقع تھا، مرکزی علاقوں کے ان سیاسی پہنچاگوں سے بہت دور تھا جن کے نتیجے میں ایک وقت ایسا آیا جب ملک کی آزادی اور تحریک عمل میں آگئی۔ بھاول کے برکس جہاں جہاں کی مسلم لیگ کو اچھی طرح مقبولیت حاصل تھی، ان علاقوں میں جو بعد میں مغربی پاکستان بن گئے تھے، مقامی اشرافی کا تسلط تھا۔ ہنگاب اور سندھ میں مسلم لیگ قیادت و میکی زرگی، علاقوں کی ان ممتاز شخصیات کے پروردگاری تھی جو ”جا گیر دار“ کے طور پر معروف تھے۔ اس کی سیاست کے اٹھوار جو کہ طویل عرصے سے رائج مرتباً۔ لفظی رشتہ کی عکاسی کرتے تھے، شہری ماحول میں پروان چڑھنے والی مسلم لیگی قیادت کے لئے اچھی تھے جس کی توجہ کا واحد مرکز یہی مقصد تھا کہ مسلمانوں کے شہری اور سیاسی حقوق کو پروان چڑھایا جائے۔ ہنگاب میں مقامی یونیورسٹی پارٹی کی سرپرستی میں فعال جا گیر دار زمینداروں نے 1937ء میں برطانوی حکومت کی طرف سے تازہ تازہ نافذ کر دو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت کراچے گئے انتخابات میں

مسلم لیگ امیدواروں کو نجاست فاش دے دی۔ سندھ میں بھی سینی تائیگ سامنے آئے۔ مسلم لیگ قیادت کو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ جا گیر وارانہ سیاست کے اصول کیا ہوتے ہیں اور نہیں۔ بھی سمجھئے گی۔ تاہم دوسرا جنگ عظیم کے اختتام پر سرپر منڈلاتے ہوئے آزادی کے بازوں کے ساتھی انجمن نے ان پا اڑ مقامی شخصیات کے تعاون میں کامیابی حاصل کر لی جنہوں نے مسلم لیگ جنڈے تسلی 1946 کے صوبائی انتخابات میں اسی روایتی طرز کی جا گیر وارانہ سیاست کے ذریعے خالیہ کو ہبہ تاک لکھتے دے دی۔

تھی وجد میں آنے والی قوم پر اصل میں راج کرنے والوں کا تعلق ان علاقوں سے نہیں تھا۔ محمد علی جناح کراچی میں پیدا ہوئے تھے مگر ان کی تعلیم از آف کورٹ، لندن میں ہوئی تھی اور پیشہ وار انہوں نے ملک کی زیادہ تر قیادت اسی پس مظہر کی حالت تھی اور ان کا تعلق شامی اور مغربی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں مثلاً نی دہلی، بلکلت اور بھیتی سے تھا۔ اور سبی فطری طور پر ان کے سیاسی حلقوں میں انتخاب اور روت بک تھے۔ تاہم ان کے تعداد میں نہ تاکم سیاسی حمایتی ایسے تھے جنہوں نے ان کے ساتھئے ملک میں جانے کا فصل کر لیا تھا۔ زیادہ تر کے پاس غالباً اتنے وسائل ہی نہیں تھے کہ وہ اتنا طویل سفر کر سکتے یا پھر وہ اجنبی دین کی سر زمین پر جئے سرے سے زندگی بسر کرنے کا خطرہ مول لینے پر چادر نہیں تھے۔ برطانوی ہندوستان میں بنتے والے مسلمانوں کی پوری ایک تھائی تعداد جو کہ کوئی سازھے تین کروڑ بھی تھی وہیں روگی۔ مغرب کی طرف قتل مکانی کرنے والی ۸ کروڑ سے زائد کی اکثریت کو قسم کے وقت ہونے والے دو طرف خویی فسادات کے دوران مشرقی سے مغرب پنجاب کی طرف بہت محض سفر کرنا پڑتا ہے لوگ بہت تھوڑی تعداد میں تھے، تھی ریاست کی آبادی کا صرف ۳۰ فیصد، جنہوں نے برطانوی ہندوستان کے مرکزی شہری علاقوں سے بے قیام میں آنے والے ملک کی طرف ہجرت کی، اور ان میں سے اکثر نئے دار الحکومت کراچی میں سکونت اختیار کر لی۔

یہ مہاجرین، جیسا کہ انہیں بعد میں نام دیا گیا، شروع سے ہی ہبہ کے علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو ایک پہلو سے جو برتری حاصل تھی اور وہ بھی اچھی خاصی، وہ تھی کہ ان کی رسائی مسلم لیگ کے بالائی طبقوں اور یوں سول سوں تک تھی۔ جب تک محمد علی جناح سیاسی منظر پر چھائے رہے اس وقت تک ان کی تھوڑی تعداد اور مہاجر اذیتیت سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔

تاہم جناب آزادی کے وقت سے پہلے ہی تپ دن کی وجہ سے خرابی و محنت کا شکار چلے آ رہے تھے اور صربت کے منہ میں جانے سے قبل ہی نہم جاں ہو چکے تھے۔ قسم کے بیشکل ایک برس بعد ہی ان کی موت سے ایک ایسا خلاع پیدا ہو گیا تھے ان کی سیاسی وارثوں کے لئے جن میں سے کوئی ان کی قدر اور شخصیت سے دور کی مماثلت بھی نہیں رکھتا تھا، پر کرنا انتہائی مشکل ہو گیا تھا۔ تین برس کے بعد ان کے با اعتماد ناتاسب اور جانشینی ملکیت علی خان کے قتل کے نتیجے میں اقتدار کے سمجھاں پر نہیں تھیں امام قسم کی شخصیات بر ایمان ہو گیکیں۔ خود ہذا ظلم الدین، غلام محمد اور اسکندر مرزا جیسے نام ہماری نئی قوم کی بنیاد رکھنے جیسے کام کی مشکلات کے بوجھ کے ساتھ اسی ریاستی امور کے تحریبے کے لفڑان کی ہاپر، پچھلی بھی مسلم لیگی قیادت کا افسرشاہی کے کرتا درہ را لوگوں پر انحصار پر ہٹاتا چلا گیا۔ جن میں سے اکثر خود بھی مہاجر تھے، اور پاکستان آنے سے پہلے برطانوی نواز دادیاتی انتظامیہ کے تحت خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ پاکستان کی سر زمین پر چونکہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی کا بھی سیاسی حلقوں انتخاب موجود نہیں تھا اس لئے ان میں سے کسی کو بھی دوست کی خافت یا سیاست پر اپنائکے جانے سے کوئی حقیقی لمحہ بھی نہیں تھی۔

آئین کی تیاری و نفاذ کے لئے ایک عدد آئین ساز اسمبلی موجود تھی جس میں مغربی پاکستان کے اندر اکثریت انگریز گیرداروں کی تھی جو 1948ء کے صوبائی انتخابات کے دوران مسلم لیگی ہند کے لئے جن ہو گئے تھے۔ تاہم اس اسمبلی کو کوئی اہمیت نہ دی گئی اور 1951ء میں اسے برخاست کر دیا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ 1951ء سے پہلے کوئی آئین انگریزی ایسی نہیں بنایا گیا اور آزادی کے تقریباً ایک عشرے بعد یہ مخدوم ایک نئی تشكیل کر دیا اسی کے ذریعے پورا کیا گیا۔ اس سے قبل پارلیمنٹی نظام کے حامل ملک میں جس چیز پر تقریباً اتفاق رائے ہو چکا تھا وہ 1947ء میں قرارداد مقاصد کی منظوری تھی جو کہ نصف سے بھی کم صلحی تھی ہے۔ یہ صورت حال انتظامیہ میں اکثریت رکھنے والے مہاجر سیاستدانوں اور افسرشاہی کے کارندوں کے لئے موافق تھی کیونکہ اس طرح سے وہ ملک کو کم یا زیادہ اپنی مرضی سے چلانے کے قابل ہو گئے تھے۔ تاہم انہیں اس وقت اس امر کا احساس ہوا یا نہیں مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ حکومت کے اہم ترین عہدوں پر ان کا اختیار یا قبضہ ایک تیزی سے ٹاہر ہوتے ہوئے درجے کی طرح تھا کیونکہ اس کو منجانے لئے یا درست طریقے سے

چلانے کے لئے نتوان کے پاس کوئی ذاتی صلاحیت تھی اور نہ اسی سیاسی بندید۔ مجاہدوں کے مقدمہ میں پہلے ای کم تر رہے کی ایک الی طاقت ہن کرو جانا تھا جو گلی محلے کی لڑائیوں کا ذوق رکھنے والے سابقہ شدت پسند طباء کی قیادت میں کراچی تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ تاہم ان کے انجام کا سامان جھگڑا الوشم کے وہ جاگیر داریں بننے لگے تھے جو سب سے جعلیۃ دون ساز اسلامی میں مغربی پاکستان کی ساری نشتوں پر قابض تھے۔ سیاسی اقتدار تک عروج کے لئے انہیں پھر دیش کی صورت میں مشرقی ہازدہ کی علیحدگی کے بعد سندھی جاگیردارہ والقاراعلی بھٹو کے سیاسی عروج کے ساتھ ہی پرسا اقتدار آجائے کے وقت کا انتظار کرنا تھا۔ تاہم اس میں انہیں ایک عشرے سے زیادہ وقت لگا۔

جس طاقت نے مجاہدوں کی اقتدار پر گرفت ختم کرنے کے ساتھ ہی اصل مسلم ایک کے تھی زوال کے عمل کو تیزی عطا کی وہ پاکستانی فوج تھی۔ مجاہدوں کے بر عکس فوج زیادہ تر ایک مقامی جڑیں رکھنے والی طاقت تھی۔ شمال پنجاب میں راولپنڈی، ایک اور جہلم کی نام نہاد فوجی مکونوں سے تعلق رکھنے والے ہجائبی سپاہی بر طاقوی دور حکومت میں ہندوستانی فوج میں غالب حیثیت رکھتے تھے۔ تاہم قسم کے وقت جناب نے تھی تخلیل کردہ پاکستانی فوج میں بر طاقوی سختی افسران سے درخواست کی تھی کہ سختی عہدوں کو پور کرنے کے لئے وہ کچھ عرصہ فوج میں رہیں۔ فوج کے پہلے دوسرے بہان بر طاقوی تھے: تمرا سربراہ ایوب خان تھا، جو کہ پاکستان کا پہلا فوجی امر تھا۔ یہ ایوب ہی تھا جس کی تعلیم بر طاقوی طرز پر سینڈھ ہرست میں ہوئی تھی اور جو اپنے اردو گرموجوں سیاہندوؤں اور سرکاری عہدوں کے ہاتھی تازعات سے ٹکک آیا ہوا تھا جس نے مجاہزوں سے پیدا ہونے والے خلاف کو پور کرنے کی طرف چیز قدمی کی۔ تاہم اگر انہیا کے ساتھ کشمیر کے مسئلے پر جو کہ قسم کے وقت سے اسی چلا آرہا تھا، کوئی جھگڑا نہ ہوتا تو شاہد اسے ایسا کوئی موقع فراہم نہ ہوتا۔

جوں و کشمیر، جیسا کہ اس کا پورا نام ہے، ایک الی شامانہ ریاست تھی جس میں غالب اکثریت والی مسلمان آزادی پر ہندو مجاہدوں کی حکومت تھی۔ بر طاقوی حکومت کے زیر انتظام اسکی سینکڑوں ریاستیں تھیں، جن میں سے ہر ایک کو نام کی آزادی تو حاصل تھی مگر در اصل وہ پوری طرح حکومت بر طاقویہ کی فرمائیدار تھیں۔ آزادی کے وقت بر طاقوی حکومت نے خصوصی

حیثیت عطا کرنے کا ذرا سہ جاری رکھتے ہوئے ہر خود مختار شاہانہ ریاست کو اٹھایا یا پاکستان کے ساتھ اخلاق کرنے کا نام نہادھن دے دیا تھا۔ تقریباً ہر ایک مثال میں یہ حکمت عملی اس بیانی اصول کے لئے کسی طرح کے خطرے کا باعث ہیں تھی جس کے مطابق تقسیم کے وقت مسلمان اکثریت کے علاقے پاکستان کے پاس اور ہندو اکثریت کے علاقے بھارت کے پاس چلے جائے تھے۔ تاہم اس حوالے سے تمدن ایک ایسا مسئلہ تھی مگر ان پر مسلمانوں کی حکومت حیدر آباد اور جونا گڑھ میں اگرچہ ہندوؤں کی بھاری اکثریت تھی مگر ان پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ تیسری ریاست کشمیر تھی۔ جونا گڑھ کے مسلمان حکمران نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا مگر اسے اٹھیا کے دباؤ کے باعث فرار ہونا پڑا۔ اس کے حیدر آبادی ہم منصب نے ایک برس کی مہلت مانگ لی گمراں سے پہلے ہی ایک اٹھین مسئلے کے نتیجے میں اسے اٹھیا کے ساتھ اخلاق پر مجبور ہونا پڑا اور یوں یہ سب سے بڑی شاہانہ ریاست بھی اٹھیا کے قبضے میں آگئی۔ تاہم کشمیر کے واقعات نے ذرا مختلف رنگ اختیار کیا تھا۔

کشمیر کا راجہ ہری سنگھ ایک ہندو تھا۔ اس شاہانہ ریاست کا مسلم مرکز جو کہ کشمیر کی خوبصورت وادی کے میں وسط میں واقع تھا صرف ایک حدی تک ہندوؤں کی تحمل میں رہا تھا۔ ہری سنگھ کا ہم جودا گلاپ سنگھ جو کہ کشمیر کے میں جنوب میں واقع تھا بہت ہی کم ہندو اکثریت کی وادی جھوں کا حکمران تھا، برطانوی حکومت کو اس لگت کی ادا سنگھ پر رضا مند ہو گیا تھا جو انہوں نے کشمیر کی حکمرانی کے حصول میں برطانیہ کو دی جانے والی مدد کے پدالے میں سنگھ جنگ کے اضافات کی صورت میں کی تھی۔ یہ وادی اس زمانے میں ابھی تک سکونت کی اس سلسلت کا حصہ تھی ہے برطانیہ نے تازہ تازہ ٹکست دی تھی اور ایک ایسے مسلمان گورنر کے زیر انتظام تھی جس کی تقرری اور پر سے کی گئی تھی۔ پیسے کے لئے بے ہمیں برطانوی حکومت نے علاقے میں دس ہزار سپاہی روانہ کر کے گورنر کو ہاں سے چلا کیا اور تخت گلاپ سنگھ کے حوالے کر دیا۔

اس واقعہ کی بدولت، جو کہ گریٹ گیم کی تاریخ میں بظاہر ایک معمولی ساتھیانک نظر آتا ہے، ہری سنگھ کو تقسیم کا وقت قریب آنے پر اٹھایا یا پاکستان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ اس نے بڑی اختیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے تھی ظہور میں آنے والی پاکستانی حکومت سے ایک مہلت طلب معاملہ کی گفت و شنید شروع کر دی جس کے تحت کشمیر کے ٹکنہ ڈاک اور معاملات کے

لٹرام کی ذمہ داری پاکستانی حکومت پر ہو گی۔ اس طرح کے معاهدے عموماً الحاق سے قتل کے ابتدائی تیاریوں کے طور پر کئے جاتے تھے اور یوں پاکستان کو جو کہ مسلم اکثریت کے علاقے کشمیر کو دیے ہی اپنا حلقہ سمجھتا تھا، یقین ہو گیا کہ واقعات اس کے حق میں جاری ہے ہیں۔ تاہم اس موقع پر کچھ غیر متوقع حالات پیش آگئے۔ کشمیر کے علاقے پر پنجاب میں مسلمان اچاک ایک الگی بغاوت کے تحت اٹھ کر ہوئے جو مقامی حکام کی طرف سے عائد کرو دئے جنہوں کے علاوہ ایک طرح بے ساننی تحریک نظر آئی تھی۔ تج پاکستانی حکومت نے اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں بنا بنا لایا کھلیں مگر نہ چائے، کشمیر پر بذریعہ طاقت قبضہ جانا کے لئے جلد بازی میں صوبہ سرحد سے پہنچا دیا عارض طور پر تعینات پستون مغربی دستے اس شاہانہ ریاست کی طرف روان کر دیے۔ جیسے ہی ان غیر مسلم گورنمنٹ کی فوج نے کشمیر کے دار الحکومت سری نگر کی طرف پیش قدمی شروع کی، تو ایک حواس باختہ ہری سمجھنے فوراً اڑیا سے مدد طلب کر لی۔ انہوں نے اس شرط پر حادی بھر لی کہ ہری سمجھا اڑیا کے ساتھ الحاق کے معاهدے پر دھخدا کر دے اور اس کی طرف سے رضا مندی پاتے ہی بھارتی فوجیں سری نگر کے ہوا کی اڈے پر پہنچا شروع ہو گیں۔

بھارتی فوجوں نے پستونوں کے چھٹے کوئی صرف ناکام بنانے میں کامیابی حاصل کریں بلکہ اصل میں انہیں پیچھے دھکیلنا شروع کر دیا۔ جلدی پاکستان سے بھی باقاعدہ فوجوں نے وہاں پہنچا شروع کر دیا مگر وہ صورتحال کو صرف نفلت کی حد تک ہی لے جاسکے۔ دونی اور جیزی سے جھلی ہوئی فوجوں کے درمیان ایک برس سے زائد عرصہ تک لڑائی جاری رہنے کے بعد آخر کار دونوں فرقیں جنگ بندی پر رضا مند ہو گئے۔ تاہم اصل چیز یعنی کہ مسلم اکثریتی وادی کشمیر، بیدستور اڈیا کے قبضے میں رہی۔ پاکستان کو جنوب چوب مغرب میں کشمیر کے علاقے کے اندر پھوٹے سے گلے پر یعنی اکتفا کرنا پڑا جس کا نام اس نے آزاد جموں و کشمیر کو کھو دیا اور اس کے ساتھ ہی شمال میں قراقرم کے پیہاڑوں کے اندر ایک وسیع مگر کم آباد علاقہ بھی اس کے قبضے میں آگیا۔ تاہم یا مرطے ہونے کے ابھی دور دور تک بھی امکانات نظر نہیں آرہے تھے کہ کشمیر پر آخر کس کی حکمرانی ہو گی۔ پاکستان اور اٹلیا اس مسئلے کو اقوامِ متحده کے پاس لے جانے کے لئے تیار ہو گئے جس نے احتساب رائے کرانے کا فیصلہ دے دیا۔ اس پر عملدرآمد کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ مطالبہ تھا کہ پاکستان اپنے زیرِ انتظام آنے والے علاقوں سے فوجیں واپس بلائے۔ تاہم پاکستان نے اس خدشے کے

پیش نظر انکار کر دیا کہ اگر اس نے اپنی فوجیں والیں بلائیں تو ہندوستان اپنی فوج دا خل کر دے گا جو کہ بھارتیوں کے خیال میں ان کا حق تھا۔ چنانچہ نتیجہ یہ لکا کہ استحواب رائے آج تک نہ ہوا کا۔ اس شہابانہ ریاست پر دو ٹوں فرقہ اپنے اپنے دعووں پر ایکجی ملک برقرار رکھے آ رہے ہیں۔ بھارت کا موقف ہے کہ ہری سلسلہ کی طرف سے الحق کی دستاویز پر دستخط ہو چکے کے بعد سارے جموں و کشمیر پر اب اس کا حق بتاتے ہے۔ جب کہ پاکستان کا دعویٰ ہے کہ اب معاملہ اقوام صحدا کے پاس چلے جانے اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ بھارت نے ایک مرتبہ استحواب رائے پر اصولی رضا مندی ظاہر کر دی تھی اب اس حق کا کوئی جواز نہیں بتتا۔ تاہم پاکستان کے دعوے قانونی ترکتوں کو نظر انداز کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ قسم کے وقت اصولی طور پر یہ طے کر لیا گیا تھا کہ مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان کے پاس جائیں گے اس لئے کشمیر پر ان کا حق بتاتے ہے۔ وہ ہندو اکثریت پر مشتمل ریاستوں، حیدر آباد اور جونا گڑھ کا اس حقیقت کے باوجود کہ ان کے حکمران مسلمان تھے بھارت کے ساتھ ان کے الحق اور کشمیر کے حالے سے بھی حق پاکستان کو دینے سے انکار کی منافقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بہت سے پاکستانیوں کے نزدیک کشمیر پر اٹھیا کا تسلط، بالکل واضح اور حکم خلا طور پر زمین کے اس بکارے پر ناجائز قبضے کی طرح ہے اور وہ اس نا انصافی کو کبھی بھی دل سے تسلیم نہیں کر سکے۔ اس امر سے قطع نظر کہ کون غلط ہے اور کون صحیح، قانونی یا اخلاقی دلوں پہلوؤں سے، اصل حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر شروع سے ہی اٹھیا اور پاکستان کے تعلقات میں زبر گھولتا چلا آ رہا ہے۔ اس حقیقت کی بناء پر بھی تعلقات میں بہتری نہ آ سکی کہ اٹھیا نے قسم کے معابرے کی شرائط کے تحت پاکستان کے حصے میں آنے والے بعض ماڈی اور مالی اٹھاؤں کی منتقلی میں تاخیر اور بعض اوقات تو زانکار کر کے رکھ دیا۔ بہت سے پاکستانی اس نتیجے پر متفق نظر آتے ہیں کہ اٹھیا پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور انہیں تک ہے کہ اس نے ایک علیحدہ مسلمان ریاست کے دجوں کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ انہیں ہوشیار رہنے کی ضرورت کے ساتھ ہی ایک طاقتور فوج رکھنے پر مجبوری کا سامنا بھی ہے۔

اس کے بعد آگے جا کر ہم دیکھتے ہیں کہ پاکستان کے حصے میں آنے والے چند قابل وسائل کا اچھا خاص تابع فوج کو منتقل ہونا شروع ہو گیا۔ ایوب خان نے جو کہ پاکستان کا پہلا مقامی چیف آف آرمی شاف تھا، سیاسی اقتدار کے عروج پر مسٹر جناح اور لیافت علی خان کے

جانشیوں کے ساتھ جلدی اپنی جگہ بنانی شروع کر دی۔ مسٹر جناح اور تحریک پاکستان کے دور کے دوسرے رہنماؤں کی طرح ایوب خان بھی غیر مذہبی نظریات اور عزماً تم رکھتا تھا۔ اپنی سینڈھ ہرست کی تحریم اور اس نظریے کے باوجود کافوج کو سیاست سے دور رہنا چاہیے وہ اپنے سولہیں رفتائے کار کے مقام پر ستانہ اور متحفہ بانہ طرزِ عمل سے سخت ہلاں رہنے لگا تھا۔ اس کی یادداشتیں ان کی حرام خوری اور حسیر فروشی کے فسانوں سے بھری پڑی ہیں۔ اس کے تھفڑیں اضافہ اس وقت ہوا جب مغلنی اور مشرقی پاکستان کے پابھم دست و گربان سیاست دان اپنے تازہ تازہ منظور کردہ 1958 کے آئین کی شقتوں کے تحت قوی انتخابات کروانے کے کسی لمحے پر بھی متعلق ہوتے نظر ن آئے تھے اس نے یقیناً یہ بھی محسوس کر لیا ہوا کہ اگرچہ اس کے سولہیں رفتائے کار "وزیراعظم" اور "صدر" جیسے حاشر کن سیاسی خطابات لے پھرتے تھے مگر وہ سیاسی طور پر متقبول نہیں تھے۔ اور پھر اس کے علاوہ ساری فوج بھی اس کے ماتحت تھی۔ اکتوبر 1958ء میں اس نے صدر اسکندر مرزا کے ساتھ سازش کر کے جو کہ ایک سرکاری عبید یادار تھا کہ سیاست دان، مارشل لاء ناذ کرنے کا اعلان کر دیا۔ صرف تین ہفتوں کے بعد ایوب نے صدر اسکندر مرزا کو بر طرف کرتے ہوئے اقتدار پر خود قبضہ بھالیا۔ فوج اپ بلک کے سب سے پہلے عہدے پر بر اعتمان ہو چکی تھی اور اس کے بعد وہ اس سے کبھی بھی دوڑھکن گئی۔

ایوب نے ایک مغرب نواز اور کاروباری طبقے کے ایسے خبرخواہ رہنماء کے طور پر حکومت کی جو کہ ان مهاجرین کی طرح کافی حد تک غیر مذہبی خیالات رکھتا تھا جنہیں اس نے بعد ازاں ایک طرف دھکیل کے روک دیا تھا۔ اس کے غیر مذہبی رویے اس حد تک مضبوط تھے کہ ایک مرتبہ تو اس نے ریاست کے سرکاری نام سے لفظ اسلامی بھی خارج کر دیئے کی کوشش کی تھی۔ سیاست دانوں سے اس کی بیزاری کی عکاسی اس نے آئین سے ہوئی تھی جس کے ذریعے اس نے ایک ایسا سیاسی نظام تھکیل کرنے کی کوشش کی تھی جس کو اس نے بنیادی جمہوریوں کا نام دیا تھا جس میں براہ راست انتخابات صرف بہت ہی نچلے مقامی حکومت کے اداروں کی کسل پر ہوتے تھے۔ چالیس برس کے بعد جزیل پرویز مشرف جو بالکل ایسا ہی مذاق رکھتا تھا انہیں جو بھات کی بنا پر اسی طرح کے ادارے تھکیل کر رہا تھا۔ ایوب خان کو پاکستان کا کشمیر پر دھوکی بھی یاد رکھا اور اس نے پاکستان کو اٹلیا کے ساتھ ایک اور جنگ میں جھوک دیا تھا۔ سابقہ شاہنشاہ ریاست میں پہلی جنگ عظیم کے

اختلام کے وقت سے ہوتے والے اتفاقات کے نتیجے میں بھارتی حکومت کے خلاف نظرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے چکل جموں و کشمیر کے مسلمانوں کے مانے ہوئے لیڈر، شیخ عبداللہ نے بھارتی حکمرانوں کے ساتھ تعادن کا مظاہرہ کیا تھا۔ کشمیر کا شہر کھلانے والی یہ غصیت نہرو کے ساتھ اپنی دوستی کا درمیانی تھی اور کامگیری کے لئے دل میں زرم گوشہ رکھتی تھی اس کے زرعی اصلاحات کے پروگرام نے اسے اپنے مسلمان و مژروں میں بے پناہ مقبول کر دیا تھا اور اس نے بھارتی آئینہ کی وفتوں 37 کے تحت کشمیر کے لئے تقریباً مکمل 1953 حکم اسے یہ سب پکھے بہت کم محسوس ہونے لگا تھا۔ شاید خود اپنی ای قدر انہ صلاحیتوں سے ضرورت سے زیادہ مٹاڑ ہو کر اس نے مکمل آزادی کے لئے حمایت کے حصول کی کوششیں کرتے ہوئے یہ تجویز چیز کردی کہ کشمیر کو اقوام متحده کی قراردادوں کے مطابق انڈیا یا پاکستان سے الحال کرنے کا حق استعمال کرنے کی آزادی دینے کے ساتھ ہی یہ اختیار حاصل کرنے کی آزادی بھی دی جائے گی وہ دونوں سے علیحدہ ایک آزاد خود مختار ریاست بننے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔ حالات کو اس رخ پر جاتا تو کچھ کر بھارتی حکومت کو خطرے کا احساس ہوا تو اس کے بلند عزم رکھنے والے ماتحت ساتھیوں کے ذریعے اس کا تختہ الثواب دیا گیا اور بعد ازاں سے ریاستی وجود کے لئے خطرہ قرار دے کر پانچ سالہ سلسلہ کر دیا گیا۔

ایک اور عشرے تک معاملات یونی چلتے رہے 1963 کے اوخر میں کشمیر کی سب سے زیادہ مقدس یا حبک مذہبی یا دکار یعنی حضور پاکؐ کی ریشم مبارک کا ایک بال سری گلگری اس مسجد سے غائب پایا گیا جہاں یہ محفوظ کر کے رکھا گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں مسلمان بڑی تعداد میں منتقل ہو کر مہروں سے باہر لکھ آئے اور کشمیر کے علاوہ بھارت کے دیگر شہروں میں بھی ہندوؤں پر حملہ شروع ہو گئے۔ حواس باختہ بھارتی حکومت نے حالات کو ختم کرنے کے لئے شیخ عبداللہ کو جیل سے رہا کر دیا اور حتیٰ کہ ایوب خان سے مل کر بھراں کے خاتمے کے خواہی سے تباہی خیال کرنے کے لئے پاکستان کے اندر سفر کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ آخر کار مولے مبارک کشمیر میں واپس اپنے محفوظ مقام پر آگیا اور حالات واپس معمول پر آگئے جبکہ مدامت سے عاری عبداللہ بھارت لوٹنے تھیں دوبارہ جیل میں چلا گیا۔ تاہم اس واقعہ سے پاکستان نے جو تنائی اخذ کئے ان کا انجام جلدی ایک جگہ کی صورت میں سائنسے آیا۔ ایوب اور اس کے ساتھ فوجی 1962 میں ہجن کے ساتھ سرحدی چھڑپوں میں بھارت کی عمر تاک ٹکست سے حوصلہ مندا اور

1985 کے اوائل میں برلن آف پکج کے متاز صدر حدی علاقوں میں چھوٹی چھوٹی بھرپوریوں میں بھارتی فوجوں کو مات دیتے کی اپنی بھارت پر نازل دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے ایک تجویز سوچی کہ کشمیر میں غیر رسمی یا بے قاعدہ فوجیں بھیج کر وہاں کے مسلمانوں کو بغاوت پر اکسایا جائے تو جوان پاکستانی وزیر خارجہ ذوالقدر علی بھروس تجویز کے بڑے حامیوں میں سے ایک تھے۔ یہ کوئی نئی تجویز نہیں تھی۔ سابقہ عشرے کے دوران پاکستانی فوج نے کم شدت کی گوری لالا بخوبی کو بھارت میں کشمیر کے خلاف ایک مکمل بتحصار کے طور پر استعمال کرنے کے حوالے سے تحقیق و جائزے کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس کی تحریک انہیں دوسری بخوبی خاص طور پر الجیر یا، یو گوسلاڈی، شماںی کو ریا، اور جیسن میں ہونے والی بے شمار کامیاب بغاوتوں کے مطابع سے حاصل ہوئی تھی۔

ناہم یہ چال بُری طرح ناکام ہو گئی۔ بہت سے دراندرازوں کو راستے میں ہی وہریا گیا اور باقی جو ٹینچے میں کامیاب ہو گئے تھے وہ کسی بھی قسم کی سلم بغاوت کی آگ بھڑکانے میں ناکام و نامروز ہے۔ بعد ازاں پاکستان کی سرکاری فوج کی طرف سے کیا جانے والا باقاعدہ عمل بھی زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکا، اور جب بھارتی فوجوں نے جنوب کی طرف ہر یہ ٹینچ قدمی کرتے ہوئے پنجاب کے دارالحکومت لاہور کے قریب پاکستان پر حملہ کر دیا تو پاکستانی خواب خونگوش کے مزے لے رہے تھے۔ اس کا نتیجہ ایوب کی سیاسی نکست کی صورت میں برآمد ہوا۔ جسے امریکہ کی طرف سے اٹھکی بندش کے بعد جس کے باعث فوج کو فالتو پرزوں کی نکتہ کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا، ایک ڈلت آمیز جنگ بندی پر مجبور ہونا پڑا۔ 1985 کی جنگ اٹھیا اور پاکستان کے ماہین کشمیر پر بُری جانے والی دوسری جنگ تھی، اور یہ دوسرا موقع تھا جب پاکستان نے متاز صدر علاقے میں غیر رسمی یا بے قاعدہ فوجیں روانی کی تھیں جبکہ اس سے قبل ایسا ہے 1984 میں ہوا تھا جب غیر تربیت پاافت پشوتوں کو وادی میں دھکیل دیا گیا تھا۔ تاہم ہماری کہانی کے لئے اس کی خاص اہمیت اس حقیقت میں مضر ہے کہ ایسا چکلہ مرتبہ ہوا تھا کہ پاکستان نے کشمیر میں اس کی طرف سے لائزے والی غیر رسمی فوجوں کے لئے مجاہدین کی اصطلاح استعمال کی تھی۔

اس اصطلاح کا منسوب کیا جانا جس کا آغاز بھنو کے ساتھ ہی ہوا تھا، اس لئے بھی اہمیت رکھتا تھا کیونکہ یہ غذی مفہوم کی حالت تھی۔ اسلامی بول چال میں مجاہدین سے مراد یہے جنکو ہیں جو جہاد کے ذریعے اسلامی نظریات کا فروغ و اطلاق چاہتے ہیں۔ تاہم یہ تعریف 1985 کے

واقعات پر بالکل صادق نہیں آتی۔ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ کشمیر میں داخل ہونے والی غیر رسمی فوجیں یا در امداد انجام پندا اسلامی نظریات رکھنی تھیں یا بھر ان کو تحریک دینے والا نہ ہیں تصور ایوب تھی غیر معمولی شخصیت کے تصور سے زیادہ گہرا یا وسیع تھا۔ زیادہ ترمیمات و شواہد سے سبکی ثابت ہوتا ہے کہ در امداد وہ کشمیری تھے جو اصل جنگ بندی اائنس کی پاکستانی سمت رہے تھے اور نہ ہب کی نسبت اپنی مادر وطن کو دوبارہ متحد کرنے اور اپنے ساتھی شیخوں کو اپنے یا کے تسلط سے آزاد کرانے کے جذبے سے زیادہ سرشار تھے۔ ہو سکتا ہے کہ انہیں جاہدین کا خطاب دے کر پاکستانی حکام انہیں جہنم کے اسلامی مترادف کی شناخت دے رہے ہوں جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ حتیٰ کہ نہیں ابتدائی عرصے میں بھی جہادی محکمات کا لفڑاں اور تھیس کے پہلو سے دیکھا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایوب اور بھنو جیسے لوگ بھی جو کہ دریافتی معاملات کو نہ ہب سے الگ رکھے ہوئے تھے چہار کو تسلیم و ستائش کی لگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ اس طرح کا ناٹر پیدا کر کے یہ لوگ نہیں محکمات کی ہادی خود اپنے طور پر ہی جہاد کر رہے ہیں، ان کو کسی طور پر تسلیم بھی نہیں کیا جا رہا تھا۔

اگرچہ 1965 کی جنگ سے ایوب کو زبردست سیاسی و مچھلیگا، محسن نے دو الف تاریخی بھنو کی سیاست میں جوش اور اولوں پیدا کر دیا، جن کی دلیل یہ تھی کہ پاکستان کو ہر حال میں جنگ جاری رکھنی چاہیے تھی۔ اس سے اگلے برس انہوں نے وزیر خارجہ کے مددے سے انتعلیٰ دے دیا اور اس سے ایک برس بعد پاکستان پہنچ پارٹی کی بنیاد رکھ دی۔ 1965 کی جنگ سے جو اور بڑا تھان، ہوا وہ مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان پہلے سے ہی کثیر تھات میں مزید بگاز کا پیدا ہوا تھا۔ ان دونوں اکائیوں یا وحدتوں کے درمیان جو کہ ایک دوسری سے اندازی میں ملک کی چوڑائی کے قابل پڑھیں، کوئی قدر بھی مشترک نہیں تھی مساوئے اس کے کہ دونوں مسلمان اکثریت کے علاقے تھے۔ آزادی سے قبل کا بگال برطانوی راج کے بانی علاقوں میں سے ایک تھا اور اس کا اہم ترین شہر کلکتہ 1911 تک برطانوی حکمرانوں کا دار الحکومت بھی رہا تھا۔ جناح کو کلکتہ کی شدید تھنہ تھی اور اس کا اٹھارا تھوں نے ایک موقع پر یہ کہہ کر کیا تھا کہ کلکتہ کے بغیر پاکستان ایسے ہی ہو گا جیسے دل کے بغیر کوئی انسان۔ تاہم برطانیہ نے اسے نصف مغربی بگال سمیت اٹلیا کے حوالے کر دیا تھا اس امر کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ اس کا باقی حصہ جو کہ ڈھاکہ کے گرد پایا جاتا تھا، ایک ”پہمانہ و سبکی علاقے“ سے ذرا ہی بہتر ہو گا۔ چنانچہ سبکی رویتی تخلیق کردہ پاکستان ریاست میں بھی سرایت

کر گیا تھا جہاں سیاسی طاقت تجزی سے مغربی حصے کی طرف مرکوز ہو گئی۔ کچھ حد تک یا اٹھیا کے ان شانی اور مغربی علاقوں کی جہاں سے مجاہروں نے نقلِ مکانی کی تھی مغرب کے بالکل قریب واقع پنجاب اور سندھ کے تحصیل علاقوں کے ساتھ تھا تھی، ہم آہنگی کی عکاسی بھی تھی۔ اور اس صورتحال کی عکاسی آزادی کے بعد فوج اور رسول انتظامیہ کے پروان چڑھتے ہوئے شعبوں میں مغربی پاکستان کے علمے سے بھی ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ خالص پاکستانی تماظیر میں بھی مشرقی پاکستان کو پہمانہ علاقہ کہجھ چانا تھا۔

یہ صورتحال بگالیوں سے پوشیدہ تھیں تھی۔ وہ کراچی کی حکمران مہاجر اشرافیہ کی طرف سے بگانی کو اردو کی طرح سرکاری زبان کا درجہ دینے پر پلے ہی ناخوش تھے۔ چنانچہ 1952 میں ڈھاکہ میں ہڑتاں لوں اور پرتشد و مظاہروں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ بگالیوں کے مختارات کے ترجمان ایک تھی سیاسی جماعت 1950 میں موافق لیگ کے نام سے منظر عام پر آئی تھی جس نے مسلم لیگ کو تجزی سے گناہی کی سرحدوں کی طرف دھکیل دیا۔ تاہم یہ جماعت مشرقی پاکستان کی اقتصادی حالات سدھارتے میں ناکام رہی کیونکہ ایوب دور میں ہونے والی بے پناہ اقتصادی ترقی کے ثمرات سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔ 1965 میں انڈیا کے ساتھ کشمیر کے مسئلے پر ہونے والی جنگ کے دوران مشرقی پاکستان کو عملی طور پر بخیر کسی دفعے کے لیکا و تباہ چھوڑ دیا گیا تھا جو کہ ایک ایسی حقیقت تھی جس سے وہ لوگ اچھی طرح باخبر تھے۔ چنانچہ یہ ایک ایسا فیصلہ کن موزع نہایت ہوا جس نے بگالیوں کے اندر شدت سے یہ احساس پیدا کر دیا کہ انہیں اپنے معاملات خود چلانے پڑیں گے۔ ان خواہشات کا عملی اظہار ایک برس بعد اس وقت دیکھنے میں آیا جب موافق لیگ کے رہنمائیخ محبی الرحمن نے اپنا چونکا تی مشور پھیل کرتے ہوئے مشرقی پاکستان کی تکمیل خود مختاری کا مطالبہ کر دیا۔ یہ واقعیات پاکستانی ریاست کی الجھن کے حقیقی حل کا پیش خیمنہ ثابت ہوا۔

ہر طرف سے مصور، ایک بیمار اور دگرفتہ ایوب خان نے آخر کار 1968 میں استھانی دے دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا بیانی دی جسہر جوں کا گل بھی دھڑام سے بچے آگرا۔ اس کی جگہ لینے والے ایک غیر معروف جزل بیان بیجنی خان نے قومی سٹل کے پہلے عام انتخابات کا اعلان کر کے مشرقی پاکستان کی جلتی ہوئی آگ کو خندنا کرنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا۔ اس نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ تھی قومی اسمبلی میں نشتوں کی تفہیم آبادی کی بنیاد پر ہو گی۔ چنانچہ اس طرح بگالیوں کو اپنے

سامنے ایک بھرپور موقع و کھلائی دیا کیونکہ اس وقت مشرقی پاکستان کی آبادی مغربی پاکستان سے زیاد تھی۔ چونکہ نئی وجود میں آنے والی اسلامی کاپیٹیا اہم فریضہ ایوب کے مسٹر دکروہ آئینا کی جگہ نئے آئین کی تخلیل کرتا تھا، اس لئے بہت سی چیزوں کا انحصار نئانگ پر تھا۔ تاہم مشرقی پاکستان کی زیاد و نشتوں کے باوجود نئی خان اور انتخابات میں حصہ لینے والے مغربی پاکستان کے دوسرے سیاستدان جن میں ذوالفقار علی بھٹو پیش ہیٹھ تھے ایسے ملے جلے نئانگ کی توقع کر رہے تھے جن کا فائدہ دونوں حصوں میں سے کسی کو بھی نہیں ہو گا۔ مگر جب آخر گز 1970 کے آخر میں نئانگ سامنے آئے تو محیب الرحمن کی حواسی لیگ نے مشرقی پاکستان سے مساوی و نشتوں کے باقی ساری نشتبیں بیٹھ لیں اور یوں اسے نئی اسلامی میں مطلق اکثریت حاصل ہو گئی۔

چنانچہ مغربی پاکستان نے ہٹ وھری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نئانگ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ نئی نے بھنوکو شہر دیتے ہوئے نئی اسلامی کا اجلاس بلاں سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پہلے محیب اس امریکی یعنیں دہانی کروائے کہ وہ نئے آئین میں اپنے چونکات داخل نہیں کرے گا۔ محیب اس کے لئے تیار نہیں تھا اور بھیاں سے حالات مرید بھاڑ کی طرف ہل پڑے جن کا نتیجہ مشرقی پاکستان میں بغاوت اور فوج کی طرف سے باغیوں کو کھلکھل کر لئے ایک خون آشام دھاواے کی صورت میں تھا۔ چنانچہ اس صورتحال میں مشرقی پاکستان سے بہت سے باشندے سرحد پار کر کے اٹلیا فرار ہو گئے۔ مجاہدین کی بیلخار سے بوکھلا اٹھنے کے ساتھ ہی اپنے تکلیف وہ بھائے کو سبق سکھانے کا موقع دیکھتے ہوئے اٹلیا نے مداخلت کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اس صورتحال کے نتیجے میں ہونے والی جنگ میں جو کہ تھیم کے بعد دونوں ملکوں کے درمیان تیسرا جنگ تھی، اندریانے نئال میں محسوس ہو کر رہ جانے والی پاکستانی فوج کو کھلاست سے دو چار کرتے ہوئے ۹۰,۰۰۰ سے زائد پوری کی پوری مورچہ بند فوج کو تھیارڈا لئے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے شہر پر جلد ہازی میں کئے جانے والے اس حملے کو بھی ناکام بنا دیا جس کا مقصد بھارتی فوج کی توبہ مشرقی پاکستان سے ہٹانا تھا۔ ان واقعات کے نتیجے میں بندوں لیش کے نام سے ایک نئی قوم وجود میں آگئی۔ پاکستانی فوج کو اپنا وقار پہلی مرتبہ مجرور ہوتا نظر آیا اور نئی خان کو بطور فوجی سربراہ و صدر پاکستان انتخُلفی دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ چنانچہ ایک نئے کئے پہنچے ملک میں اس خلاء کو پر کرنے کے لئے سب سے نمایاں و متجہول رہشاو و لختار علی بھنوکو آگئا پڑا۔

بھنو جن کی چیز پارٹی نے مغربی پاکستان سے بھاری اکٹھت حاصل کی تھی، پاکستان میں سیاسی اقتدار کی بلندی پر بچپنے والا مقامی جا گیر دار اشرا فیہ کا پہلا نمائندہ تھا۔ وہ وزارت خارجہ میں وزارت کے ذریعے سرکاری ایجادوں میں داخل ہوا تھا اور تیزی سے ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا ذریعہ خارجہ بننے سے قبل کمی وزارتوں کی سربراہی کر چکا تھا۔ اس کا شہرت کی بلندیوں تک بچپنہ اپنے طبقے کی بھیثت بھوئی نمائندگی کے مزدوف تھا کیونکہ اس کے مزین ایوب خان کا اپنی حکومت کے لئے سیاسی جماعت کے حصول کی خاطر مغربی پاکستان کی مقامی شخصیات پر انحصار ہوتا تھا جو رہا تھا۔ کوشش مسلم لیگ میں بہت سے لوگوں نے شمولیت اختیار کر لی تھی جو کہ ایوب خان نے قریب المرگ مگر حاصل مسلم لیگ کی فوج نواز جائیں کے طور پر تیار کی تھی۔ بھنو اگرچہ جا گیر دار خاندان سے تھا مگر وہ اپنے دور کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ تھا۔ جہاں ایوب کار و باری طبقے کا نمائندہ تھا، وہاں بھنو سری دیبا کا سو شلسٹ نمائندہ تھا۔ جہاں ایوب امریکہ نواز تھا، وہاں بھنو جن نواز تھا اور اس نے پاکستان کو غیر جانبدار تحریک (NAM) میں شامل کر دیا تھا۔ ایک کرشمی مگر یہ رسم بھیت کا مالک وہ اتنا ہی تھا جنم آئی مراج رکھتا تھا جتنا کہ کسی فوجی امر کا ہوتا ہے۔ اس نے ایک بچے کھے کے پاکستان میں طاقت کے دیگر مرکز کو مدد و در ہر یا اپنے زیر انتیار کرنے کی شوری کوشش کی مگر اسے یہ دیکھ کر خست کوئت ہوئی کہ ان کے بغیر نظام حکومت چلانا آسان نہیں تھا۔ اس نے سول سرسوں کی ازسر تو حظیم کر کے، بہت سے افران اعلیٰ کو برخواست کرتے ہوئے اس کا جنم کم کر دیا مگر اسے جلدی احساس ہو گیا کہ وہ جن صفتی اور مالیاتی اداروں کو قومیانے پر ٹالا ہوا تھا ان کو چلانے کے لئے اسے افسرشاہی کی ضرورت تھی۔ اس نے اپنی بیرونی اعلیٰ فورس میاں کر پہنچی سے ہی بھلسے خود رہ فوج کا جنم مزید کرنے کی کوشش کی، مگر اسے جلدی یہ اندازہ ہو گیا کہ بلوچستان میں علیحدگی کی تحریک کو کچھ کے لئے فوج کی ضرورت تھی۔ یوں اس مداخلت کی بدولت فوج کے اعتماد اور طاقت روپوں میں اضافہ ہوا۔ 1972ء میں اس نے اٹھیا کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے ایک اتنی پروگرام کی بنیاد رکھنے کا تجھہ خیز فیصلہ کیا۔ اور اگرچہ اس کی سو شلسٹ مقبولیت اداروں کو قومیانے کے جنون نے اسے غریب اور محروم طبقات کی حمایت سے نوازتا ہم اس کی اپنی پالیسیوں کی بدولت پاکستانی میہشت کو ایسا ناقابل تلافی نقصان پہنچا کر وہ آج تک بحالی کی راہ پر گاہ مرن نہیں ہو سکی۔

1977ء میں ہونے والے قومی انتخابات میں جو کہ بھٹو کے بر سر اقتدار آنے کے چھ برس بعد ہوئے تھے، پہلی پارلی نے ناقابل یقین حد تک بھاری اکثریت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ دھاندی کے الزامات کی بوچھاڑ میں پورے ملک میں ایک تشدد سے ہر پورا تجسسی تحریک شروع ہو گئی جس میں سارے کے سارے سیاسی حلقہ میں شامل ہو گئے اور فوج کو قائل کیا گیا کہ اس کی مداخلت ناگزیر ہو گئی ہے۔ بھٹو کو اقتدار سے ہنا کریم میں ڈال دیا گیا اور بعد ازاں بڑی آسانی سے بریافت کردہ الزامات میں عائد کر کے اسے پہنچی پر لاکا دیا گیا۔ اس کے زوال میں اہم کروار جزل خیاء نے ادا کیا تھا جو کہ ایسا شکرانو گی تھا جسے بھٹو نے کبی سمجھر جنہوں کو نظر انداز کر کے فوج کا سر برداہ ہایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بھٹو نے اس کے خواہاں طرزِ عمل سے متاثر ہو کر اسے فوج کی سر برداہی خلایت کی تھی جو کہ بعد ازاں ایک بہلک لعلی تابت ہوئی۔ اگرچہ جزل خیاء پاکستان کو ایک لائف راستے پر لے گیا اگر بھٹو بھی اپنے بیچھے ایک قابل ذکر ورش پھوڑ گئے تھے۔ اگرچہ اس کی سو شلس پالیسیاں اپنے عہد کے تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں مگر وہ اپنے جائیدادوں سے ہی مظہر کے ساتھ اس طرف پہلے ہی بڑی ثابت قدمی سے گامن ہو چکا تھا۔ ہر طرف سے بڑی ہوئی خلافت میں گھر جانے کے بعد اس نے حمایت و تعاون کے لئے اپنے ساتھی جائیدادوں سے ہی رجوع کیا جنہوں نے تازہ تازہ قومیائے گئے بخکوں سے بہت سے قرضے حاصل کر رکھے تھے۔ تیسری دنیا کے دوسرے حمالک کی طرح قومیائی گئی صنعتوں کی پدالوں حکومت کے پاس اچھے خاصے وسائل جمع ہو گئے جو کہ سیاسی تعاون حاصل کرنے کا بہترین و ملیدہ ثابت ہوئے۔ یوں یہ حکومت عملی بعد ازاں پاکستانی سیاست کا ایک اہم جزو بن کر رہی ہے۔

تاہم بھٹو کا سب سے اہم ورثہ کوئی پالیسی یا پروگرام نہیں بلکہ خود اس کے اپنے ساتھی و اقتصادی طبقے کا عروج تھا۔ اس کے دور حکومت میں نہ صرف چیخاب اور سندھ کے روایتی جائیداد اور طبقے کی طاقت میں اضافہ دیکھا گیا بلکہ اس کے ساتھی ایک ایسا نیا مالدار شہری صفتی طبقہ بھی اچھر کرایا جس کے اندر سے نکلنے والی قیادت اسی روایتی جائیداد کا راستہ سیاست کی ہجود کا رہن گئی۔ خود اس کی اپنی سیاسی جماعت نے اس کی بینی بے نظر بھٹو کی قیادت میں اس کے وقایتوں کیم کے سو شلزم کو مسترد کر دیا اور پاکستانی سیاست میں لاہور کے صفت کار روز از شریف کی جماعت کے ساتھ جس نے کہ مسلم لیگ کا نام غصب کر لیا تھا، مرکزی مقام حاصل کر لیا۔ تاہم یہ مسلم لیگ جناح

والی مسلم لیگ نہیں تھی۔ وہ لیگ اور پاکستان جس پر اس کا راجح تھا اب کہیں نہیں پائے جاتے تھے۔  
نیا پاکستان جو مظہر عام پر آرہا تھا بر صفتی کے مسلمانوں کا وہ عظیم الشان وطن نہیں تھا جس کا جناح نے  
خواب دیکھا تھا بلکہ سچے معنوں میں اس کی تبدیل شدہ نسل جس پر ان دو سیاسی گروہوں کا بندھ تھا جو  
پہلے سے ہی اپنے وطن میں جزویں کیڑے پکھے تھے۔

ان میں سے ایک تو ان دولت مندوں میں داروں اور ان کے صفتی اہم منصوبوں پر مشتمل  
سویلین سیاسی جماعت تھی جو ایک ایسی مخصوص طرز کی سیاست کرنے لگی جس کا براہ راست  
ماخذ ان کا چاکرہ دار انسان تھا۔ دوسرا اگر وہ یعنی فونج، جس کی قیادت کافی حد تک ایک کمتر و مسائل  
کے الک طبقے سے ابھری تھی، اس تصوراتی صورت حال کے خلاف جس کو وہ مشتمل بھارتی خطرہ کہتی  
ہے قوم کے مخالفین کے طور پر اپنے خود ساختہ عظیم یا مقدس مقاصد کی ہی روی میں صرف رہتے  
ہوئے اپنے سے برتر سویلین سیاستدانوں کو لگام ڈال کر رکھتے تھی۔ عزم میں پر جوش محرقت  
مشابہہ سے ہجوم یہ دو گروہ پاکستان کو جہاد کے دریں لے جاتے ہیں۔

## جاگیر دار اور فوج

پاکستان میں جاگیر دار اور شفافت پر اپنی تحقیق کے دیباچے میں سماںی ماہر بشریات سلیمان یون ملک آصف نام کے ایک دیہاتی زمیندار کا قصہ بیان کرتا ہے۔ یہ دیباچے سندھ کے کنارے پر پنجاب کے طبع ایک کا ایک روشن دن ہے۔ ایک دن جب کہ اس کے پاس کوئی اور مصروفیت نہیں ہوتی وہ مقامی دیہاتیوں کے لئے متنافی قائم صحیح سریزے لگائی جانے والی پنجابیوں میں سے ایک پیچایت لگانے کا فصلہ کرتا ہے۔ اس مخصوص صحیح اسے دو آدمی ملئے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک تو بڑا حاضر ہے جو آصف کے باپ کے لئے اس وقت سے زمین کاشت کرتا آ رہا ہے جب ملک ایک لاکا ہوتا تھا اور اب وہ آصف کے پیچا کی زمینیں کاشت کرتا ہے۔ وہ ملک آصف کے پاس ایک ایسا چیزیدہ فارم پر کروانے کے لئے آیا ہے جو اس کے پیٹے کا شاخناہی کا روزہ ہوانے کے لئے ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جو بہاری ہم اور اس کا پیٹا اپنے طور پر شاید اس لئے نہیں کر سکتے کیونکہ وہ دونوں ان پڑھتے ہیں۔ بہاری ہم ملک آصف کے پاس اس لئے آیا ہے کیونکہ اس کا موجودہ مالک ملک آصف کا پیچا اس سے تاریخ ہے کہ اس نے اس کی کچھ زمینیوں پر کام کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اب سزا کے طور پر اس کی مدد نہیں کر رہا تھا۔ بہاری ہم کو امید ہے کہ ملک آصف اس کا کام کر دے گا کیونکہ وہ اس کے باپ کے لئے بہت عرصہ تک دقاواری سے خدمات انجام دیتا رہا تھا۔

دوسرے آدمی ایک بھائی زمیندار ہے جس کا نام ظہیر خان ہے۔ اس کے پیچے نہ ہوہاں سے دور کچھ فاصلے پر دوسرے طبع میں رہتا ہے اسے کہا ہے کہ وہ اس کے گاؤں کے ایک ٹوپی کو

مزاروت کا کام ڈھونڈتے میں مددوے۔ ظہیر خان اپنے پچھا کی مدد کرنے کے لئے اس آدمی کی خدمات خود اپنے طور پر اس لئے حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے پاس کاشت کے لئے کوئی قاتو زمین نہیں ہے۔ مگر اسے پڑھ چلا ہے کہ ملک آصف کا پیمانی ایک لرزہ میں کاشت کرنے کے لئے ایک عدو مزارع دو کارہے۔ اس نے اس کی مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کو ایک فائدہ پہنچانے کا فیصلہ بھی۔ یعنی مدد کی ایک ایک بیش کش جس کے مطابق وہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے پچھا کے خانہ اپنی احسان کا بدلہ اتنا نے کے قابل ہو جائے گا۔ اسے اس امر کا کوئی اندازہ نہیں ہے کہ آیا اس کے پہنچانے جس آدمی کی سفارش کی ہے اسے اس کام میں مہارت بھی حاصل ہے کہ نہیں۔ اگر وہ اپنے کام میں اچھا لگل آیا تو ملک آصف اس سے خوش ہو جائے گا۔ اور اگر اسے کام میں تجھی مہارت نہ بھی ہوئی تو زیادہ فرق نہیں پڑے گا کیونکہ ملک آصف کو ایک آدمی کی سخت ضرورت ہے اور اکثر مزاروں اپنے کام میں اتنے اہر نہیں ہوتے۔

ملک آصف بباریم کی مدد کرنے پر آمادہ دکھائی دیتا ہے باوجود اس حقیقت کے کہ اس کا پچھا اس بات پر اس سے ناراض بھی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ اس کے خاندان کے ساتھ طویل عرصہ تک تعلقات رکھنے کے باعث اپنے دل میں اس کے لئے دقاواری کے خاص جذبات رکھتا ہے۔ وہ ظہیر خان کے سفارش کردہ آدمی کو بھی رکھ لیتا ہے کیونکہ وہ اپنی طرح سمجھتا ہے کہ وہ سکتا ہے اس آدمی کو کام ن آتا ہو مگر اسے کسی کارکن کی شدید ضرورت ہے جو اس کی قاتو زمینوں پر کام کر سکے اس لئے وہ اپنے ہمسایہ میندا کو خوش کرنے کا موقع شائع نہیں کرتا ہے۔

یون حقوقی زندگی کے اس مختصر والحق کو اس حقیقت کی وضاحت کے لئے بیان کرتا ہے کہ پاکستان کی جا گیر دار اولاد ثقافت کی تہہ میں باہمی احسانات پر مبنی رشتہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔ پاکستانی جا گیر دار اولاد ثقافت میں رہنے والے افراد ایک دوسرے پر احسانات کے ایسے سلسلوں میں مشکل رہتے ہیں جن کی بالکل واضح نویعت کا تعین ان مختلف کروڑا روں سے ہوتا ہے جو ہم گھومنی سماں میں ڈھانچے کے اندر رہ کر خلاپر کرتے ہیں۔ اگرچہ ملک آصف ہماری درجے میں باہم رجیم سے برتر ہے مگر اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ احسان کے رشتے میں بندھا ہوا ہے۔ اس کے برکش ظہیر خان مرجے میں اس کے برابر ہے مگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ ثابت تعاون پر آمادہ نظر آتا ہے یعنی فائدہ حاصل کرنے اور فائدہ پہنچانے پر۔ ملک آصف کو فائدہ

پہنچاتے کی کوشش کرتے ہوئے ظہیر خان نے تصرف اپنے ہمسائے کو یہ جواز فراہم کر دیا ہے کہ وہ بحدیش اس احسان کا بدلہ اتار دے بلکہ اس نے اپنے پیچا کے لئے جو فرض محسوسی کیا تھا وہ بھی پورا آر دیا جو کہ اب اس کا احسان مند ہونے کی طرح پر جوابی طور پر اس کی مدد کرنے پر بھی تیار رہے گا۔ یہ فائدہ پہنچانے اور احسان مند ہونے کی روایت پاکستان کے جاگیردار اور معاشرے کا ایک اہم عصر ہے۔

ملک آصف، اپنے ساتھی زمینداروں کی طرح، باہمی تعلقات اور احسانات کے ایک مقامی سلسلے کی بالائی کڑیوں سے مسلک ہے، اس کی مزارتیں یا اپنے دار اس امر کے پابند ہیں کہ اس کی زمین کی کاشت کے حقوق کے بدله اسے اپنی قصل میں سے کچھ حصہ دیتے رہیں۔ اسی طرح جوابی طور پر وہ بھی اس امر کا پابند ہے کہ انہیں کھانا اور اسکی درسری ضروریات زندگی بھی فراہم کرتا رہے جو کہ وہ خود اپنے طور پر پوری نہیں کر سکتے اور اس کے علاوہ بھی کھارکوں اور مشکل آجائے تو اس میں بھی ان کی مدد کرے۔ اگرچہ زمیندار اور اس کے مزار بخوبی کے درمیان مریض۔ طفل کا یہ رشتہ جاگیردار پاکستانی معاشرے کا ایک ضروری جزو ہے مگر کسی طرح سے بھی واحد جزو نہیں ہے۔ ہر زمیندار خاندانی تعلقات کے ایک وسیع تر سلسلے بھی مسلک ہے۔ وہ ان بیٹوں کا ہاپ بھی ہے جو اس کے لئے اطاعت اور فقار اوری کے چند بات رکھتے ہیں۔ خود اپنی ہی نسل یا برادر کے رشتہوں کے اندر وہ چھوٹے، بڑے بھائیوں اور شہزاداروں پر مشتمل ایک تباہی سلسلہ مراتب سے بھی جزا ہوا ہے۔ اور وہ خود اپنے والد، پیچاؤں، رامسوؤں، داداں نانا اور نایا وغیرہ کی عنایتوں کا بھی طلبگار رہتا ہے جو سب کے سے پدران کتبے کے اس سے بھی وسیع تر ایک ایسے سلسلے سے مسلک ہیں جسے پاکستان میں برادری کہا جاتا ہے۔ برادری کے لوگ ایک درسرے کے ساتھ باہمی تعلقات اور احسانات کے خواہ اپنے منفرد سلسلوں کے ذریعے جڑے ہوئے ہیں جن میں باہمی تعاون و حمایت اور یسا اوقات خلاف و مسابقت کے اندازیا قرینے شامل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ملک آصف اور ظہیر خان کی مثال سے ظاہر ہوتا ہے، اس طرح کے مربوط سلسلے کیتیں اور خاندان سے آگے جا کر ہمایہ زمینداروں اور گاؤں کے اندر برادری کی اہم تخفیفات تک جا ملتے ہیں۔ یہ باہمی پیوسٹ یا مربوط سلسلہ میں کر پاکستان کی ویہی زندگی کے بنیادی ڈھانچے کی تکمیل کرتے ہیں۔ طاقت پرستی رشتے اس ڈھانچے کے بنیادی عناصر میں شمار ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایک

زمیندار اپنے مزاریں کے ساتھ احسان کے رشتے میں بندھا ہوتا ہے مگر وہ ان سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے اور ان کو اپنے تابع فرمان رکھتا ہے۔ طاقت اور سماجی رتبے کی ایک منفرد (Nuceer) خاندان اور دینی مکونوں میں ایک برادری کے اندر بھی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ باپ اور بیٹھا موال زیادہ بااثر ہوتے ہیں اور مجنوں و بھائیوں ابھیوں سے زیادہ اختیارات رکھتے ہیں۔ اکثر اوقات برادری کا ایک بزرگ فرد کتبے یا قبیلے کا سربراہ تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض زمیندار اپنے ہمسایہ زمینداروں سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں اور اپنے علاقوں میں زیاد سماجی اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔ ایک زمیندار کی طاقت اور سماجی درجے کا انحصار صرف اس امر پر نہیں ہوتا کہ اسے اپنے باپ سے کتنی زمین درٹے میں ملی ہے بلکہ ان زمینوں کو غصب ہونے سے پچائے رکھنے کی صلاحیت اور ان میں مزید اضافہ کرنے کی استطاعت پر بھی ہوتا ہے۔ اzel سے یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ سب سے زیادہ کامیاب زمینداروں کا مرتبہ اور اثر و رسوخ اپنے مقامی علاقوں کی تعداد سے بہت آگے بیک پہیلا ہوتا ہے۔

چنانچہ یہ تصور کرنا اتنا مشکل نہیں ہے کہ اس طرح کی روایات انتہائی سیاست کے تقاضوں سے کس طرح مطابقت پیدا کر لیتی ہوں گی۔ ایک برادری مقامی انتخابات میں بھی اپنی ذات اقیلیت کے لوگوں کی حمایت کرے گی اور ہمسایہ برادریوں کے ساتھ گھن جوڑ کر کے ہرے یا نے پر ٹھنڈی سڑک کے انتخابات میں بھی اپنی پسند کے امیدوار کو جوتا نے کی کوشش کرے گی۔ ملک آصف اور ٹیکر خان نہ صرف ایک دوسرے کے کام آنے والے شناسا لوگ ہیں بلکہ سیاسی حلیف بھی ہیں۔ علاقائی اور قومی سلسلہ پر سیاسی اتحاد برادریوں کے اس سے بھی وسیع رایے مربوط مسلموں کی نمائندگی کرتے ہیں جو سیاسی جماعتوں کی تکمیل کی صورت میں اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ ایک لحاظ سے سخت عملی مہموم میں سیاسی جماعتوں کی تکمیل بھی سے اور پر کی طرف نہیں ہوتی بلکہ اور پر سے بیچھے ہوتی ہے، جس طرح ذوالقدر علی بھٹکیا نواز شریف ایسے علاقائی اور مقامی دھڑوں کے سربراہوں تک رسائی رکھتے تھے جو کہ خود اپنے اپنے علاقائی اور مقامی مسلموں کی اور پری کڑیوں سے ملک ہیں۔ یہ کوئی نئی روایت نہیں ہے۔ جیسا کہ باپ نمبر 1 میں ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ میں 1937ء میں اونے والے علاقائی انتخابات میں جاگیر واروں نے مسلم لیگ کو ذلت ناک گھست سے دو چار کیا تھا۔ انہوں نے یونیورسٹ پارٹی کے چندے تینے انتخاب لڑا تھا اور اپنے چکرائے

ہوئے چالنیں کو مات دینے کے لئے برادری اور وسرے ملک اتحادوں کو استعمال کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

یہ بالکل وہی جاگیردارانہ اتحاد تھے جنہوں نے بعد ازاں یونیٹس پارٹی کو چھوڑ کر کئی برس بعد اس وقت مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی تھی جب انہیں یہ واضح ہو گیا تھا کہ برطانوی ہندوستان کی تقسیم کے نتیجے میں بر صیر کے مسلمانوں کا ایک نیا ملک ظہور میں آنے والا ہے۔

1948 کے علاقائی انتخابات میں مسلم لیگی جہذے کے نتیجے انتخاب لاتے ہوئے انہوں نے زبردست فتح حاصل کر لی تھی اور آزادی کے بعد بھی انی آئین ساز اسمبلی کے مفری پاکستانی ارکان کی عظیم اکثریت انہی لوگوں پر مشتمل تھی۔ اگرچہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد کے پہلے دو عشروں کے دوران یہ سیاسی طور پر مغلوب رہے، پہلے مجاہر طبقے کے اثر سے اور بعد میں فوج کی طاقت کے نتیجے، تاہم آخر کار مشرقی پاکستان کی بگلدیش کی صورت میں علیحدگی کے بعد ذوالفتخار علی ہٹھوں کے بر سر اقتدار آنے کے ساتھ ہی یہ بدقاب ایک بار پھر عروج پر پہنچ گیا اگرچہ ہٹھوں کو بعد ازاں ایک اور فوجی آمر کے ذریعے اقتدار سے باہر پھیک دیا گیا، مگر اس وقت تک ایک جاگیردار سیاسی طبقہ فوجی حکمرانی کے مقابل کے طور پر اپنے قدم جھاپٹا تھا۔ بے نظر ہٹھوں اور اس کے سب سے اہم حرف نواز شریف نے جزل ضیاء کی ہوت کے بعد جس طرز سیاست کو فروغ دیا ہے جاگیردارانہ نوعیت کی تھی اور حتیٰ کہ فوج بھی خود کو ناگزیر طور پر اس طرف کھینچتی ہوئی محسوس کر رہی تھی۔

پاکستان کی بڑی بڑی سیاسی جماعتیں کو بہترین طور پر صریحانہ اپلا کی کڑیوں پر مشتمل ایک ایسا سلسلہ سمجھا جا سکتا ہے جن کا سیاسی مقصود عہدے حاصل کرنا ہوتا ہے جن کو پھر اپنے طفیل صاحبوں میں تقسیم کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ذوالفتخار علی ہٹھوں کی وفات کے بعد سیاست کے میدان میں دو سیاسی جماعتیں چھاگی ہیں۔ اس کی قائم کردہ ہٹپلز پارٹی ان میں سے ایک ہے جس کی سربراہی ڈیمبر 2007 میں قتل ہو جانے سے قبل بے نظر ہٹھوں کے پاس تھی، وسری جماعت نواز شریف کی پاکستان مسلم لیگ ہے۔ نواز شریف کو اس وقت شہرت ملنی شروع ہوئی جب جزل ضیاء نے اسے ہنجاب کے سب سے بڑے انتظامی منصب یعنی وزارت اعلیٰ سے نواز دیا تھا۔ ان دونوں سیاسی جماعتیں کی بنیاد میں دراصل کچھ حد تک قدر مشترک پائی جاتی ہے اور وہ یہ کہ دونوں کو فوجی آمرتوں کی سولیجن سرپرستی میں پرداں چڑھایا گیا تھا۔ ہٹھوں کی طرف سے ہٹپلز پارٹی

کی بنیاد اس وقت رکھی گئی جب اس نے ایوب کو خبر باد کہہ دیا تھا، جبکہ نواز شریف بے پی ایم ایل فوج کی آشیز بارے بنائی تھی اگرچہ بعد ازاں فوج کے ہر نیلوں نے ایک بغاوت کے ذریعے اس کا تحذیل اٹ دیا تھا۔

اوپر بیان کے گئے واقعہ کے مرکزی گروار ملک آصف کی طرح نواز شریف اور آصف زرداری جو کہ اپنی بیوی بے ظہیر کی وفات کے بعد پارٹی لیڈر ہیں، باہمی توقعات اور احتمالات کے ایک وسیع مریبوط سلسے کی پالائی کڑیوں سے مسلک ہیں۔ ان کے نیچے وہ طاقتور مریجی طبقات آ جاتے ہیں جن کا ایک اپنا اثر و رسوخ ہے اور جنہوں نے ان سیاسی رہنماؤں کی اس لئے حمایت کی ہے تاکہ وہ انہیں اس کے بد لے فوائد سے نوازیں یہ مرد اور بعض اوقات عورتیں ایسے علاقائی سلسلہ ہائے ارتباٹ کی سر پرستی کرتے ہیں جس کی اپنی کڑیاں نیچے برادری اور زمیندار اور اس کے مزاریں کے تعلقات باہمی تھک جاتی ہیں۔ تاہم پاکستان کی سیاسی جماعتیں اس وقت یا پاہی میں بھی خالص دینکی شفافت کی پیداوار نہیں رہیں۔ جاگیردار طرز سیاست طویل عرصے سے شہروں اور قصبوں میں سراہیت کر رہی ہے اور حالیہ عشروں میں شہرت کے عروج پر جانے والے دولت مدد سیاستدانوں نے کاروبار کے جاگیردارانہ طوار پوری طرح اپنالئے ہیں۔ اس کی ایک نمایاں مثال خود نواز شریف ہے جیسے اپنے باپ کی طرف سے نیکنگل کے کارخانوں اور لوہے کی بھیوں پر مشتمل ایک بہت بڑی صنعتی سلطنت عطا ہوئی تھی۔ بھی مثال چوہدری شجاعت کی ہے جس نے فوجی سربراہ بجزل پر وزیر مشرف کی طرف سے 1999ء میں نواز حکومت کا تحذیل اٹ دیجے جانے کے بعد مسلم لیگ کے اپنے نیکل کر وہ وہزرے کی قیادت سنجال رکھی ہے۔ ان کے مریبوط سلسے کی کڑیاں نیچے شہروں میں واقع کارخانوں اور دوکانوں سے لے کر دیپات کے کھیتوں اور کھلکھلیاں نوں تک جاتی ہیں۔

اتھابی سیاست فطری طور پر مسابقت کی حائل ہے جاگیرداری سیاسی نظام میں جو اس وقت پاکستان میں فروغ پاچکا ہے، سیاسی جماعتیں اور ان کے انفرادی امیدوار سیاسی عہدوں سے حاصل ہونے والے فوائد میں دوسروں کو بہتر طور پر شریک کرنے کے وعدوں کے ذریعے نہ ک خالص مقابلے کے ذریعے حمایت و امداد حاصل کرتے ہیں، اور حتیٰ کہ انجامی پنجابی سٹھ پر بھی اگر اس کا مطلب کسی مزارع کی مدد کرنے یا کسی کارخانے کے ملازم کے مقررہ تاریخ غزر جانے کے

بعد اجنب الارامکل کے مل کی اوسی گھیجے کاموں سے ذرا زیادہ اہم کام کروادیا گئی کیوں نہ ہو۔ اپنے گاؤں کے ملک آصف کی طرح، بہت سے سیاستدان باقاعدہ ہوائی اجلاس منعقد کرتے ہیں جہاں ان کے حلتوں کے لئے لوگ اپنے سائل کے حل کے لئے آکتے ہیں۔ قومی اور صوبائی حقوق کے بہت سے امیدوار ایک یا ایک سے زائد مریب یا مسلسلوں کی معاہدات پر اتحاد کر سکتے ہیں جن کے لئے پاکستانی ووٹ بیک کی اصطلاح استعمال کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہ دوستی طور پر ایک مخصوص سیاسی جماعت کے گرد گھونٹتے ہیں، اس انداز میں کہ ان جماعت کا کوئی بھی امیدوار اس جماعت کو ووٹ بیک کی تہذیب پر اتحاد کر سکتا ہے۔ چونکہ پاکستان میں جاگیردار اور طرز کی سیاست خاندانی بادشاہی کے اصولوں کے مطابق چلنے کا راجحان رکھتی ہے، اس لئے بہت سی اہم جماعتیں روایتی طور پر ایک مخصوص خاندان کے ساتھ وابستہ ہونے کے ساتھ ہی اس کے غلبے ملے کام کرتی ہیں۔ پہلے پارٹی پر بھروسہ خاندان کا غلبہ ہے۔ یہ بے نظیر بھنوں کے قل کے وقت اس کی ذاتی خصیت کے سر میں اس قدر گرفتار تھی کہ بعض بھرین کو لوگ رہا تھا کہ شاید پارٹی اس تھسان سے جائز نہیں ہو سکے گی۔ تاہم بے نظیر کے ردودِ آصف زرداری اور ان کے نئیں سالہ بیٹے بالوں کو، جو کہ اس وقت برطانیہ میں زیر تعلیم تھا، پارٹی کی مشترکہ کمان سونپ کر اسے زوال پذیر ہونے بچا لیا گیا۔ زرداری کو اتنے بڑے عہدے پر اس حقیقت کے باوجود فائز کر دیا گیا کہ اسے ان حریفانہ بد عنوانیوں کی بناء پر بھیش تھیک کا نشانہ بیایا جاتا تھا جن کی بناء پر حوماں نے اسے مستثیث پرست کا خطاب دے دیا گیا تھا۔

اس طرح پی ایم ایل کے نواز شریف و وزیر پر بھی (جو کہ پی ایم ایل۔ ان برائے نواز کے طور پر معروف تھا) مکمل طور نواز شریف اور اس کے چھوٹے بھائی شہزاد شریف کا غلبہ ہے۔ یہ وہڑا اس وقت زوال پذیر ہو گیا جب ان دونوں کو مشرف بغاوت کے بعد سعودی عرب جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ تاہم 200 میں وطن وابھی کی اجازت ملے کے بعد اس کی بحالی کے عمل میں تیزی آگئی۔ جبکہ وہ جلاوطن تھے تو اس وقت ان کی جماعت کی قیادت عارضی طور پر ایک اور وزیر (معروف بہانی ایم ایل تیک برائے قائد اعظم) کے ہاتھوں عدم احتجام کا ہنگامہ ہو گئی جس میں چودھری شجاعت کی قیادت میں جماعت کے ممتاز زہناشیل تھے جنہوں نے بغاوت کے بعد بنی والی تی حکومت کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ تاہم خود چودھری وزیر کی محبولیت میں اس

وقت کی آگئی جب شریف برادران کی والی ہی پر مشرف کی اپنی ساکھ کے مٹاڑ ہونے کے ساتھ ہی اس کے بہت سے حواری اپنے مریاں روایا کے مسلسلوں کے ساتھ دوبار تو اوز شریف کے ساتھ مل گئے۔ اگرچہ تمام بڑی جماعتوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک اپنا غیر حوالہ حلقہ حمایت موجود ہے تاہم چوبہری وہڑے نے پاکستانی سیاست میں چالبازیوں کے کروار کو عیان کر کے رکھ دیا ہے۔ سیاسی روایا درکھنے والے وہڑے اور انفرادی سیاست دان بڑے کائیاں پن سے اپنے مقادیت کو سامنے رکھ کر اکثر ویزٹر اپنی وفاداریاں بدلتے رہتے ہیں۔

مریاں روایوں اور ذاتی مقادیت پر ہمی سیاست میں یہ سب کچھ کرنا اس لئے آسان ہوتا ہے کیونکہ بخیادی طور پر فصلہ نظر یاتی بخیادوں پر نہیں بلکہ تجھ نظر تم کے ذاتی مقادیت کو سامنے رکھ کر کیا جاتا ہے۔ اگرچہ جاگیر و ارادہ معاشرے میں وفاداری ایک واضح عرض ہوتی ہے، مگر سیاسی رہنماء اور انفرادی سیاست دان آخر کار صرف انتخاب چھینتے اور کسی حد تک ریاستی وسائل تک رسائی چھیتے مقاصد سے تحریک پاتے ہیں۔ ایک جماعت چھوڑ کر دوسری جماعت میں شمولیت یعنی تیزی سے وفاداریاں تبدیل کرنے کا سلسلہ اس حد تک شدت اختیار کر گیا تھا کہ اپنے درسرے دور حکومت میں تو اوز شریف نے وزیر اعظم کے طور پر اپنی پارلیمنٹی اکٹھیت کو استعمال کرتے ہوئے صوبائی اور قومی اکٹھی کے ارکان کے وفاداریاں تبدیل کرنے کے عمل کو آئندی ترمیم کے ذریعے غیرہ غولی قرار دے دیا تھا۔ کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بڑی جماعتوں کے درمیان کوئی نظر یاتی اخلاقیاتی نہیں پائے جاتے۔ پی پی پیا اپنے سو شلس نظریات کی صرف نام نہادی و گویدار ہے، اگرچہ عملی طور پر اس کا مطلب صرف یہ ہتا ہے کہ سماقی اور نہدی میں معاملات کے حوالے سے ذرا زیادہ روشن خیالی کا مظاہرہ کیا جائے۔ پی ایم ایل تو اوز اور چوبہری وہڑے کے ارکان سماقی اور نہدی روایوں میں ذرا قدامت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور جب تک کہ تو اوز شریف نے اس رویے کی نہ مدت تھیں کر دی اس وقت تک وہ فوج کی کمی قریبی حمایت اور اس سے تعلق کا مظاہرہ کرتے رہے۔

پاکستان کی سیاست پدناہی کی حد تک بے رحم مقابلہ بازی کی عکس ہے جس میں کہ بڑی سیاسی جماعتوں سیاسی سر پرستی یا تعاون کے حصول کے مقابلے کے دران ایک دوسرے کو کوکھلا کرنے کی کوششوں میں مصروف رہتی ہیں۔ امداد اسے باہر رہ جانے والی جماعتوں اور

سب کچھ ہوتی ہیں مگر ایک وفادار یا پر خلوص حزب مخالف نہیں ہوتی، چاہے ان کی ترکیب کتنی ہی کیوں نہ ہو، وہ اپنے مریاں جذبوں کی تکمیل کے لئے پانچ برس انتظام کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتی اور یوں اسی طرح کے طرزِ عمل کا مظاہرہ کرنی ہے۔ دوسری طرف بر اقتدار جماعتیں بھی نگست خورد و خافض کو امن اور جمین سے نہیں بخشنے دیتیں۔ کچھ برسوں سے اپنے خافضین پر بدعوانی کے احتمامات عائد کرنا ایک پسندیدہ حرمت ہے۔ دوسری مرتبہ وزیرِعظم بننے پر پواز شریف کی طرف سے قائم کیا جائے والا اختساب یورو تو اس حوالے سے خاصہ بدنام تھا۔ ایک بزرگ مسلم لیگی سیاستدان نے اس زمانے میں اعزاز کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اس کی سوچ کے مطابق پاکستان کا اولین سیاسی مسئلہ بر اقتدار جماعتوں کی طرف سے اس طرزِ عمل کا مظاہرہ کرنے کی الجیت کا فتح ان تھا کہ ایک دن وہ خود بھی حزب مخالف میں آسکتی ہے۔

پاکستانی سیاست کی سماںہانہ اور اکثر ادوات معاندانہ نوعیت کے باوجود تمام سیاست وان جس ایک سکتے پر متفق ہوتے نظر آتے ہیں وہ اپنے سماںی اور احتصاری طبقے کی ہاتھ کے قھاقوں کی تکمیل کی ضرورت کو مقدم رکھتا ہے۔ اس کی سب سے واضح عکاسی ان کی طرف سے اکٹم بیکس کی ادائیگی کے لئے بالتفہیق جماعتی وفاداری، مجتہدہ مراجعت کی شکل میں ہوتی ہے۔ اسی طرح وزیر امدادی پر بیکس کے نفاذ کی کسی بھی کوشش کی جاگیردار طبقے نے ہری ٹاہت قدمی سے خالفت کی ہے۔ باوجود اس حقیقت کے کہ زراعت کے شعبے سے حاصل ہونے والی آمدی کا خام ملکی پیداوار میں تناسب 22 فی صد ہے، اس شعبے سے صرف ایک فی صد محصولات حاصل ہوتے ہیں۔ مجھے ایک مرتبہ اس موضوع پر ایک دولت مند بخانی خاتون زمیندار سے جو کہ ایک سیاستدان اور ساہنہ وزیر بھی تباولہ خیال کا موقع ملا۔ اس نے اکھمار خیال کیا اس پر اور اس کی ساتھ وزیری زمیندار گورتوں پر ان کی زمینوں پر کام کرنے والے مزارعوں کو بنیادی ضروریات فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اور چونکہ انہیں اتنے سارے لوگوں کا خیال رکھنا ہوتا تھا اس لئے وہ کسی قسم کا نیکس دینے کی استطاعت نہیں رکھتی تھیں۔ اس کی دلیل کسی حد تک تو بالکل درست تھی۔ جیسا کہ پہلے یہ نکونیاں کیا گیا ہے کہ خواراک اور وزیری ضروریات زندگی کی فراہمی اور ضرورت کے وقت ادا کرنا واقعی بہت اہم قسم کے احتمات باہمی میں ٹھار ہوتے ہیں جو کہ پاکستانی زمینداروں اور جاگیرداروں کی روایات کا حصہ ہیں۔

تاہم اس نظریے کی تہہ میں کافر ما دل مگر اکن نظر آتی ہے۔ بڑی بڑی جاگیریں رکھنے والے زمیندار جو پاکستان کی سیاست میں اہم مقام رکھتے ہیں، محض اپنا وہ بروبر قرار رکھنے کی جدوجہد نہیں کر رہے خواہ معاشری صورتحال کتنی ہی تازک کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے مزاریں کو ضروریات زندگی تو فراہم کرتے ہوں مگر وہ انہیں یا ان کے بھوں کو تعلیم جیسی فیصلہ کن سماجی خدمات نہ کر سائی فراہم نہیں کرتے۔ وہ سری جگہوں کی طرح پاکستان میں بھی یہ ریاست کی ذمہ داری بھی جاتی ہے۔ مگر ریاست نے بھی بھی ذمہ دارانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ جیسا کہ ہم نے اس باب کے تروع میں دیکھا ہے بایار حسیم اور اس کا بیٹا وہ توں ہی ان پڑھتے ہیں۔ بھی وجہ ہے کہ بڑھنے رحیم کو محل میں ملک آصف کی مدد کی ضرورت جیش آئی تھی۔ بدعتی سے بایار حسیم اور اس کے بیٹے کی مثال کوئی اسکی انوکھی بھی نہیں خاص طور پر بھی معاشرے کے پس مظاہریں۔ پاکستان میں خواندگی کی شرح صرف ۵۶ فیصد ہے جو کہ اس لئے بھی کوئی جیران کن امر نہیں ہے کیونکہ تعلیم پر خام قوی پیداوار کا صرف ۲۶ فیصد خرچ کیا جاتا ہے جو کہ خلطے کی جس کے اندر نیپاں اور بندوقیں بھی آجاتے ہیں، پست ترین شرح ہے۔ اس صورتحال کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ جاگیردار جگہ اداجیں کرتے جس کے نتیجے میں ریاست کے پاس اتنے وسائل اسکے نہیں ہو پائے کہ وہ جو عام کی تعلیم پر خرچ کر سکے۔ تاہم یہ محض جاگیرداروں کی فرائض سے غفلت نہیں ہے۔ پاکستانی صنعتکاروں نے جگہ کی مزاحمت کے لئے بھی وہی جاگیردارانہ طرزِ عمل اپنایا ہے جس طرح انہوں نے جاگیر دارانہ سیاست کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ پویز مشرف نے اقتدار پر قبضے کے ایک برس بعد یہ شکایت کی تھی کہ صرف ایک یصد پاکستانی ایسے ہیں جنہوں نے کوئی ایکم جگہ ادا کیا ہے۔ اب تازہ ترین تخمینوں کے مطابق یہ شرح ۲۶ فیصد ہو گئی ہے۔ حتیٰ کہ امر کی وی رخا جنہیں تبلیغی کائنات ۲۰۰۸ کے خزاں میں پاکستان کے دورے کے دوران یہ محسوس کرنے پر بھروسہ ہو گئی تھیں کہ خام پیداوار میں جگہوں کا تابع دنیا میں سب سے کم ہے۔

یہ محض دلچسپ خاکی نہیں ہیں؛ ان کے نتائج بہت اہم مضرات کے حال ہیں۔ پاکستان میں تعلیم کی ہر سطح پر پست شرح سرمایہ کاری عالمی، میعشت میں اس کی ناقص کارکردگی کی ایک اہم وجہ ہے۔ افغانیں نہروں کی طرف سے قائم کئے گئے بینالاوجی کے ان پائچے اداروں کا بھی پاکستان میں کوئی م مقابلہ نہیں تھا جس سے نکلنے والے اگر بھجوں نے ملک کو انفارمیشن بینالاوجی

کے میدان میں آگے آگے پہنچا دیا۔ پاکستان میں 40 فیصد افرادی قوت زراعت کے شعبے میں یعنی صرف عمل پلی آرہی ہے اور اس کی برا آمدات کا زیادہ تر انحصار کم تر معیار کی ان یونیٹاں میں ہے جو عامی منڈی میں مقابلے کی زیادہ استعداد نہیں رکھتی ہیں۔ بیہاں اس طرح مصنوعات پر ہے جو عامی منڈی میں مقابلے کی زیادہ استعداد نہیں رکھتی ہیں۔ بیہاں اس طرح کے معافی انتساب کے دور دور تک کوئی آثار نظر نہیں آرہے جس نے جو بی کوریا کو ایک نسل آگے دھکیل دیا تھا یا پھر جنین اور اپنی کو بھی ترقی کی را پر گامزن کے ہوئے ہے۔ مجھے ایک پروگرگ پاکستانی سفارتاکار سے کہی ہے کہ برس قابل کی جانے والی گلگتوں بھی بھی اچھی طرح یاد ہے۔ وہ اپنی کو اس حوالے سے تقدیم کا نشان بنا رہا تھا کہ اس کی معیشت دوسری ہے، لیکن ایک تو اہم تری کا میاں اور اعلیٰ معیار کی یونیٹاں لوگی پر منیٰ معیشت جو کہ انکش بولنے والے طبقے کی ضروریات کے مطابق تھی اور دوسرا کم سرمایہ کاری والے منسوبوں پر منیٰ وہ معیشت تھی۔ تاہم اپنی موجودہ معیشت کی ختنہ حالی کے باوجود ۵ برس قابل پاکستان کی فن کس آمدی سے بہت زیادہ تھی۔ تعلم کے شعبے میں کم سرمایہ کاری کے باعث نہ صرف یہ کہ پاکستانی معیشت مظلوخ ہو کرہے گئی ہے بلکہ اس کے نتیجے میں دینی مدارس کے فروغ کی بھی برآہ راست حوصلہ فراہمی ہوئی ہے۔

تاہم حقیقت میں یہ نہیں ہے کہ جاگیرداریا سمت داں خود غرض ہیں۔ وہ اپنے مریبانہ نوعیت کے حامل روایطاً کو پروان چڑھانے کے خود غرضانہ مقصد اور اپنے قلیل مدّتی مذاہات کے زیادہ سے زیادہ حصوں پر اس قدر توجہ مرکوز کئے رکھتے ہیں کہ طویل المیعاد اقتصادی مسائل کا حل یا ابداف کا حصول انہیں بہت مشکل یا ناممکن نظر آتا ہے۔ جب کوئی سیاسی جماعت یا سیاسی جماعتوں کا کوئی اتحاد انتخابات میں فتح حاصل کر لیتا ہے تو اس کی قیادت کے سامنے جو سب سے زیادہ توجہ طلب مسئلہ ہوتا ہے وہ تیکی نظام کی اصلاح نہیں ہوتا بلکہ سیاسی عبده سے حاصل ہونے والے فوائد کی اپنے طفیلیوں میں بندراہ است ہوتا ہے۔ وزراء کی قیادت یا سیاسی جماعتوں کی بالی یا سرپرست شخصیات کی نظر میں اپنے مرتبے یا حیثیت کے مطابق حکومتی عہدوں اور مراحتات کے حصول جیسے مقصد پر گئی ہوتی ہیں اور کاینہ کی اہم ترین وزارتوں ان کی اولین ترجیح ہوتی ہے۔ یہ مرحلہ پنجمی کے سرکاری عہدوں تک کی بندراہ است کے بعد اپنے تھی انجام کو اس وقت پہنچتا ہے جب اقرباء پروری کے اصول کے تحت دستیاب تمام اسامیاں پر ہو جاتی ہیں۔ (آصف زرداری کی کاینہ میں ایک مرتبہ وزراء کی تعداد ۶۰ تک پہنچ گئی تھی)۔ سرکاری لوگ پھر اثر و رسوخ اور

وسائل بک رسائی کو خود اپنے اور اپنے مریاں روا بنا کے ملٹے سے مسلک حماقتوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

لیکن اس ساری صورتحال کو ابھی طرح واضح کرنے کے لئے دو شیئیں دعا ہے۔ ایک مثال تو کسی اوسط سطح کے عہدے پر فائز سرکاری ملازم کی ہے جو اپنی تعیناتی اپنے آبائی ضلع کے قریب کسی مقام پر کروانا چاہتا ہے۔ اس کے بھائی اور چچا وغیرہ موثریاں اسی روایات کتے ہیں اور وہ ان سے مدد کی درخواست کرتا ہے۔ وہ اس کی درخواست لپی ایم ایل کے اس رکن اسملی تک پہنچانے پر رضامند ہو جاتے ہیں جو پیغام میں ان کے ضلع کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ ان کی درخواست منظور کر دے اپنے سے ہی تیار ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگ اس مریاں روا بنا کے ملٹے کی اہم کریوں کی طرح ہیں اور انہوں نے اس کی حالي اختیابی مہم میں بھی اہم کروارہ کیا تھا۔ اس کی مجبوری صرف یہ ہے کہ اسے اس معاملے میں برادر راست کوئی اختیار حاصل نہیں ہے کیونکہ سول ملازمتوں میں چار لوں کا اختیار و فاقہ حکومت کے پس ہوتا ہے۔ تاہم اس کو چوہدری شجاعت کے مریاں روا بنا کے ملٹوں میں ایک اہم کڑی کی حیثیت حاصل ہے جو کہ اس وقت نواز شریف کی حکومت میں وزیر داخلہ ہے۔ قوی سطح کے قائد سے قریبی رتبہ کی بناء پر وہ اس سرکاری ملازم کا چاروں اس کے آبائی ضلع میں کروانے پر کامیاب ہو جاتا ہے اگرچہ اس مقدمہ کے لئے ایک اور انتہائی قابل اور باصلاحیت سرکاری ملازم کو وہاں سے کسی اور جگہ تھیات کرنا پڑتا ہے۔

دوسری مثال ایک ایسے کامیاب کاروباری شخص کی ہے جو پیدا تو پا کستان میں ہوا مگر اس وقت امریکہ میں اقامت کا اجازت نامہ رکھتا ہے اور جو کسی بھی دورے پر پا کستان وہاں آ رہا ہے۔ بہت سے اور پاکستانیوں کی طرح جو یہ ملک چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور وہاں خوب پیشہ کمارہ ہے ہیں، وہ اپنے ساتھ بہت سے سوت کیس لارہا ہے جن میں سے ہر ایک اس کے دوستوں اور رشتہ داروں کے لئے یقینی تحائف سے بھرا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک امکانی مستفید جو کہ اس کے لارکیں کاشنا سا ہے اس امر کو یقینی ہانے کے لئے سرگردان ہے کہ اس کے کاروباری دوست کو پا کستانی کشم خام کے ہاتھوں کسی قسم کی لوٹ مار کا سامنا نہ کرنا پڑے جو کہ رشتہ کے طور پر بہت سے تحائف کو ضبط کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے مقامی رکن صوبائی اسملی سے رابطہ کرتا ہے جو کہ شادی کے بعد اس کے رشتہ داروں میں شامل ہو چکا ہے اور اس سے مدد کی درخواست کرتا ہے۔ یہ رکن اسملی

مریانہ روایا کے ایک ایسے سلطے سے مسلک ہے جس کی سرپرستی کا بینہ کے ایک وفاتی وزیر کے پاس ہے جو کہ اپنے ذاتی معادن یعنی پی۔ اے کو اس کاروباری شخصیت کے استقبال کے لئے ہوائے اڈے روانہ کر دیتا ہے۔ ہوائی اڈے پر اپنے وزیر کے اڈر سوچ کو استعمال میں لاتے ہوئے کشم حکام سے سارا سامان آرام سے نکلا لینے کے بعد یہ پی۔ اے اس کاروباری شخصیت کو اپنی سعیت میں جہاز سے براؤ راست وی آئی پی لاوٹ پہنچا دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس کا پاسپورٹ لیتا ہے، اس پر مختلف حکام کی ہمراں لگو اور چند منون کے بعد اس کاروباری شخصیت کے بغیر کھلے ہوئے سامان کے ساتھ واپس لوٹ آتا ہے اور پھر اس خوشی سے پھولے نہ ملتے ہوئے مہماں کو پارکنگ میں کھڑی اس کی گاڑی تجھ پہنچا کر ہی رخصت لیتا ہے۔

اس طرح کارو بی پاکستان کی سیاسی روایات کا کس طرح جزو لازم ہن چکا ہے اس کا اندازہ آپ میرے ذاتی تجوہ بے سے لگا سکتے ہیں۔ میں اسلام آباد کے امریکی سفارت خانے میں ایک سیاسی مشیر کے طور پر اپنی تعیناتی کے نئی برک بعد واپس واٹکش جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ بڑی بڑی سیاسی بھاعینیں امریکہ کے رخصت ہو جانے والے اعلیٰ سطح کے سفارت کاروں کے لئے اکثر و پیشتر ادویٰ تقریبات کا اہتمام کرتی رہتی ہیں اور اسی طرح کی ایک تقریب کا اہتمام چودھری شجاعت نے اپنی اسلام آباد والی رہائش پر میرے لئے بھی کیا تھا۔ یہ پرویز مشرف کی جانب سے نواز شریف کی حکومت کی برطرفی کے واقعہ کے تقریباً دو برس بعد کی بات تھی جب چودھری شجاعت نے ایم ایل قاف کا قائد بن جانے کے ساتھ ہی پرویز مشرف کے بہت قریب تھا، وہرے معنوں میں پاکستان کی اس وقت کی سب سے باری سیاسی شخصیت۔ میں نے اسے بالتوں بالتوں میں یہ بیان کیا کہ میں اور میرے اہل خانہ امریکہ جانے سے قبل کچھ دن کے لئے ہاگ کا گنگ میں قیام کریں گے۔ اگرچہ مجھے شب ہے کہ چودھری شجاعت مجھے اپنے مریانہ روایا کے سلطے کی کوئی کمزی سمجھ رہا تھا مگر اس نے فوراً جواب دیا ہاگ کا گنگ میں اس کے چدایک اچھے پاکستانی روایا ہیں جو مجھے ہوائی اڈے پر آ کر ملیں گے، جہاں سامان بخفاہت اٹھا کر رکھیں گے اور ہمیں مطلوبہ ہوئی تک پہنچا آئیں گے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ ہی بلاے نرم القاظ میں معدودت کرئے ہوئے بتایا کہ چونکہ میں نے اس حوالے سے پہلے ہی انتظامات کر دیے ہیں اس لئے میں اسے زحمت دنیا ضروری نہیں سمجھتا۔ استقبل لئے کے بعد میں نے پاکستانی پونہنگل

اسٹنٹ سے کہا کہ دشجاعت سے مل کر اسے پرکشہ دوبارہ وضاحت سے سمجھا دے۔ اس نے رضا مندی تو خالہ بر کر دی مگر ساتھ ہی ذرا بچپ جیوت کے ساتھ تھا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کی بات درست لگی میں اور میرے اہل خانہ انگریز میں کی رکی کار دایوں کے بعد جیسے ہی باہر نکلے تو تم خوش پوشاک پاکستانی ہوا کی اڑاے پر ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنا تعارف کر دیا، ہمیں اپنے جلوہ میں آرام دے انتظار کا ہمک لے گئے اور بڑی نری مگر اصرار کے ساتھ ہمارے سامان کا پوچھا اور کافی منت گزرنے کے بعد ہمارے سامان کے ساتھ واپس آئے اور ہمیں پارکنگ تک چھوڑ کر آئے۔

اگرچہ پاکستان سیاست دان سرپرستی یا گماشہ گیری کے کام میں تو بہت مہارت رکھتے ہیں مگر ایک سورج ٹرم کی انتظامی صلاحیتوں سے عاری نظر آتے ہیں۔ چونکہ ان کی توجہ کا مرکز یا محور اپنے مریانہ روابط کا استحکام ہوتا ہے اس نے وہ قومی اہمیت کے معاملات میں بہت کم دعویٰ لیتے ہیں۔ عمومی فلاج کے حوالے سے ہائی جانے والی پالیسیاں زیادہ تر ذاتی مقبولیت حاصل کرنے کے لئے نظر سے ہائی جاتی ہیں، مثلاً حکومت کی طرف سے درآمدی اجتناس مشمول فدائی اجتناس، پیروں وغیرہ پر زرعی کی فراہمی یا پھر نواز شریف کی نام نہاد ہیں جیسی ایکسپریس جس کے ذریعے کم لاغت کے چھوٹے قرضے ایسے لوگوں کو فراہم کئے جائے جو انہیں واپس ادا کرنے سے بھی قصر تھے۔ سیاست دان اس طرح کے مخصوصے اس نے پیش کرتے ہیں کیونکہ یہ صرف واضح طور پر جوام کو نظر آرہے ہوتے ہیں بلکہ ان کے فوری سیاسی فوائد بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اہم نوعیت کے قومی مسائل کے حوالے سے باضابطہ ٹرم کے طویل المیاد میں صرف خیریہ جاگیر دار اور مقادمات کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں، جیسا کہ احمد نکس کی مثال سے ہابت ہوتا ہے جبکہ اسی طویل مدت پر محیط ہوتے ہیں کہ ان کے اندر سیاست دانوں کو فوری طور پر کوئی کشش نظر نہیں آتی کیونکہ ان کا اصل مقصد قبیل مدت کی سیاسی سرپرستی فراہم کرنا ہوتا ہے۔

یہ کچھ کے لئے کاس طرح کی پالیسیوں کا انجام کیا ہوتا ہے ذرا ان پر تھوڑا اساز وہ ذرا تاپڑے گا۔ ان کے نتیجے میں ملک ایک طرح سے تینم خانہ بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ قومیں جن کی میشیں عالمی منڈی میں ناقص استفادہ کا مظاہرہ کرتی ہیں اور اس کے باوجود درآمدی تھیں اور دوسری ضروری اجتناس پر انحصار کرتی ہیں، اور جن کی حکومتیں ہتنا وصول کرتی ہیں اس سے زیادہ

خرچ کر دیتی ہیں اور بری طرح نوٹ پھوٹ کر رہ جاتی ہیں۔ پاکستانی حکومتوں کو بار بار آئیں اسم الیف اور دوسرے اداروں سے قرض دینے کی مجبوری چیز آجاتی ہے۔ اس نے یہ کام اتنی مرتبہ کیا ہے کہ اور اسے طویل عرصے سے کرتی چلی آرہی ہے کہاب ملک کے وفاقی بجٹ کا تیسرا حصہ ہیں الاقوامی قرضوں کی ادائیگی میں چلا جاتا ہے جو کہ بجٹ کی دوسری بڑی ترجیح کے، جو کہ ظاہر ہے کہ قومی وفاق کے مصروف ہیں، دو گنا سے بھی زیادہ ہے۔ افسوسناک حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستانی حکومتیں عوامی تعلیم اور دیگر سماجی خدمات کے لئے بہت کم وسائل مختص کرنے کے باوجود بجٹ کا خسارہ پورا کرنے میں کسی طرح بھی کامیاب نظر نہیں آتیں۔

بجائے اس کے کہ خود فرضی اور بھک نظری پرمنی ان روپوں کو تبدیل کریں جن کے نتیجے میں حالات اس افسوسناک سلسلہ بھیچ کچے ہیں پاکستانی حکومتیں اتنا آئیں اسم الیف اور دوسرے میں الاقوامی قرض و اداروں کو چھس دینے کے فن میں طاقت ہو چکی ہیں۔ بحران کو قائم طور پر نالئے کے لئے اُنہیں جو رقم درکار ہوتی ہے اس کے حصول کے لئے وہ اکثر اوقات سخت شرائط تسلیم کرنے پر بھی آمادہ ہو جاتی ہیں۔ ان شرائط میں رہائی طور پر زرعی آمدی پر تکمیل کرنے اور بیانی اجتماعی اچانس یا ضروریات پر دی جانے والی اعتمادوں یا زرطلافی کے خاتمے کے مطالبات شامل ہوتے ہیں۔ ہم اکثر اوقات قرضے کی اپنی قسط موصول ہوئے ہی وہ ان محاذوں سے مخفف ہو کر دوبارہ اپنی پرائی ڈگر پر آ جاتی ہیں۔ لبذا وہ اہداف کو پورا کرنے کی کوئی جھوک کوشیں کریں اور اس کی بجائے زیادہ آسان شرائط کے لئے ذرا کرات کرتی ہیں جس پر اکثر آئی ایم الیف لفڑیا رضا مند ہو جاتا ہے۔ ان اہمکنڈوں کی بدولت پر درپے آئے والی حکومتوں کو قرضوں کی عدم ادائیگی کی صورت میں متوقع دیوالیہ پن سے بچتے کے لئے ضروری وسائل بغیر کوئی سمجھیدہ اصلاحی پروگرام نافذ کئے لئے رہے ہیں۔ پاکستانی اس طرح کے طرزِ عمل کے باوجود فراری راہ پانے میں اس لئے ناکام ہو جاتے ہیں کیونکہ آئی ایم الیف اور قرض دینے والے دوسرے ادارے پاکستان کے مالیاتی دیوالیہ پن کے خطرناک نتائج سے منزدہ نہ کے لئے تیار نہیں ہیں۔ پاکستانی حکومت نہ صرف اس سے اچھی طرح باخبر ہے بلکہ وہ اس پر اخصار بھی کرتی ہے۔

چنانچہ سمجھیدہ نوعیت کے مسائل سے صرف نظر کرنا یا ان کے وقت حل لکھ لئے کار رجحان پاکستان میں جاگیردار انسیاست کی نمایاں خصوصیت ہیں چکا ہے۔ یہ تکمیل سیاسی سرپرستی کی بیانیوں پر

چلنے والے سیاسی نظام کے اندر ایک فطری بد عہدی کے ماحول کا منہج ہے؛ اس کو پاکستان کی سول بین حکومتوں کے مسلسل عدم استحکام کی ہنا پر بھی تقویت حاصل ہوئی ہے 1988ء میں جزل خیام کی وفات کے بعد انتخابی سیاست کی بھائی دفت سے کسی بھی سول بین حکومت کو اپنی مدت پوری کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس حقیقت کے پیش نظریاست و ان اپنی سیاسی سرپرستی کے روایا کو حکم نہانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نکل جانے دیتے۔ یہ انہار یا طریقہ عمل اب آزمودہ بن چکا ہے۔ ایک نی حکومت منتخب ہوتی ہے اور ان بے پناہ توہقات کے ساتھ اقتدار سنبھالتی ہے کہ اس مرتبہ صورتحال مختلف ہو گی۔ مگر ہر قسم حکومت اپنے پیشوں کی طرح جا گیردار اور طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوری توجہ اپنے مریانہ روایا کی تسلیم یا استحکام پر ہی مرکوز کر کے رکھ دیتی ہے۔ میہدث بہتر ہونے میں ناکام رہتی ہے اور ایک عدد اور معافی بحران ناگزیر ہو جاتا ہے۔ حکومت کی متحولیت میں تجزی سے کمی واقع ہونے لگتی ہے تاہم یہ ایک مریانہ نظام کے مضرات سے احتی محج آئی ہوئی ہوتی ہے کہ اپنے طور طریقوں میں تبدیلی کے حوالے سے سوچنے پر مجبر ہو جاتی ہے۔ اس کے مریانہ روایا کے نظام کا شیرازہ تکرنا لگتا ہے۔ حزبِ خالف اس کے خون کی پیاسی ہو جاتی ہے۔ واضح طور پر نظر آنے والی نا ایلیٹ پر صحافت بحران و مششدر رہ جاتی ہے، اور عام پاکستانی ہزار اس کا لئے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ اس ساری صورتحال کا نتیجہ ایک عدد اور فوجی مداخلت کی راہ ہموار کرنے کی صورت میں لگتا ہے۔

پہلے ناٹر میں فوج اور جا گیر اور سیاست والوں میں بظاہر کوئی قد رشتہ ک نظر نہیں آتی۔ اس کے چند ایک افسروں کا تعلق جا گیردار یا دولت مند گھرانوں سے ہوتا ہے، اگرچہ بعض ان میں شادی کر لیتے ہیں۔ ان کی اکثریت کا تعلق شہری متوسط طبقے سے ہوتا ہے جن کے لئے فوج بلند ساتھی مرتبے اور معافی خوشحالی کی شامن ہوتی ہے۔ پرہیز مشرف ایک متوسط درجے کے سرکاری افسروں کا بینا تھا جس طرح کر ضیاء الحق تھا۔ بہت سے افسروں کے باپ بھی فوجی افسر ہوتے ہیں، جیسے کہ اشناق پر وزیر کیانی جو کہ مشرف کے بعد فوج کا سربراہ ہنا تھا۔ ٹھکے درجے کے فوجیوں یا جوانوں کا تعلق زیادہ دیہاتوں سے ہوتا ہے۔ ان کی اکثریت شہلِ بخار کے طبقے، یعنی انک، راولپنڈی اور جلمن کی اس نام نہاد نکون سے آتی ہے جوں سے فوج کو بڑی تعداد تک کئی پیشوں سے سپاہی فراہم کئے جاتے رہے ہیں، پہلے برطانوی راج کے تحت اور اب حکومت پاکستان کو۔ اس

فوجی تکون سے فوج کو غیر متناسب تعداد میں افسر فراہم کئے جاتے رہے ہیں، مگر اب حالیہ برسوں میں فوج نے بڑی محنت سے بھرتی کا دارہ و سعی کرنے میں کچھ کامیابی حاصل کر لی ہے تاکہ فوج کے گنجائی طور پر ایک قومی ادارہ ہونے کا تاثر قائم کیا جاسکے۔

ایک جاگیردار سیاسی طبقے کے برکس جو کہ اپنے مریانہ روابط کی تکمیل، واسطکام جیسے مدد و مقصود پر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہے، فوج کی توجہ کا مرکز واضح طور پر قوم کی عمومی فلاں و بہبود ہے۔ یہ خود اپنی نظر میں اور پاکستانی عوام کی نظر میں بھی قومی خود مختاری کے دفاع اور جمہوریت کے استحکام کی حقیقی صافی ہے۔ اس کے جوان اور افسر اپنے مفروضہ پیشہ و رانہ طرزِ عمل پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ فوج خود اپنے طور پر اور بہت سے پاکستانیوں کی نظر میں بھی ملک کا حقیقی معنوں میں واحد پیشہ و رانہ ادارہ بھی جاتی ہے۔ ایک سابقہ اعلیٰ فوجی افسر نے اس کی پیشہ و رانہ صلاحیت کو میرے سامنے واضح کرنے کے لئے اس امر پر زور دیا کہ فوج کی قیادت کے خلاف اندر والی طور پر کی جانے والی ہر بغاوت کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، جبکہ فوج کی قیادت کی طرف سے سولینین حکومت کے خلاف کی جانے والی ہر بغاوت کا سماں بھی رہی ہے۔ اگرچہ ایک مغلی ملک کے اس ہاشمی کے لئے یہ امر حیرت کا باعث ہو سکتا ہے جس کے نزدیک فوج کا سولینین نظم و نس کے تحت ہونا ایک معمول کی بات ہوتی ہے کہ فوجیوں کی بے دلی سے تعریف کی جائے، تاہم تیرسی دنیا کے کسی ایسے ملک میں جہاں جمہوریت نے ابھی تک جزوی نہیں پکڑیں، اس بات میں کچھ وزن موجود ہے۔

فوج کے افراد کی کچیپ معیار پر منتخب کئے گئے مخصوص قسم کے فوجیوں پر مشتمل ہوتی ہے اور اس کے اندر واٹل ہونا آسان نہیں ہوتا۔ حموئے کے کسی بھی برس میں 15000 امیدواروں میں صرف چھوٹا فراہمی ایسے ہوتے ہیں جو سخت قسم کے انتخابی مرافق میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ میرے جانے والے اعلیٰ فوجی افراد میں سے اکثر ڈین مرد تھے جو کہ اپنے جاگیردار فراہم منصب سیاستدانوں کے مقابلے میں زیادہ شاکنہ اور سوجہ بوجھ رکھنے والے تھے۔ تاہم وہ اپنیا کے خلاف ایک مخصوص قسم کے ایسے عدم اعتماد اور تجزیہ کا اظہار بھی کرتے تھے جو انہیں ایک منفرد اور نمایاں مقام عطا کرتا ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ اٹلیا نے کشیر پر غاصبان قبضہ کیا ہوا ہے۔ اٹلیا نے پاکستانی ریاست کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ اگر ہم اپنے دفاع سے ذرا بھی غافل ہو جائیں تو اٹلیا

ہمیں اقصان پہنچانے سے گرین ٹکس کرے گا۔ اس طرح کاروی نوجوان فوجی افسروں کی شخصیت کا حصہ چکا ہے اور پورے کے پورے ادارے کے اندر مسلسل سرات کرچکا ہے۔

بہت سے پاکستانیوں، خاص طور پر صحافی طبقے اور آزاد خیال دانشوروں کا یقین ہے کہ یہ انڈیا مخالف رائج صرف اور صرف ذاتی مفاد کی بنیاد پر الا پا جاتا ہے کیونکہ اس طرح فوج کے ادارے کی معاشرے میں ایک خصوصی اور متاز حیثیت برقرار رکھنے کی خواست حاصل ہو جاتی ہے۔

تاہم میرے زدیک اس طرح کی وضاحت ایک طرح سے یادیت پہنچی ہے۔ فوج میں میری قریعی شہزادی ایک ایسے ریڈرز لیٹھیٹ جزل سے تھی جو اسلام آباد میں ایک معروف فکری ادارے (Think Tank) کا سربراہ تھا۔ وہ ایک ایسا نرم لفظ، سوچ و بچار کرنے والا اور کتابوں کا شیدائی آدمی تھا جو کہ اس طرح کے فوجی عہدے پر فائز ہو جانے والی شخصیات کے مقابلے میں اچھائی شاکستہ انداز اطوار رکھنے والا انسان تھا۔ ہم کشمیر کے بارے میں ٹھکنکو کر رہے تھے اس نے مجھے تایا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس حقیقی پر چکنچکا ہے کہ انڈیا کشمیر سے بھی دستبردار نہیں ہو گا اور پاکستانیوں کو اس حقیقت سے سمجھو د کرنا ہو گا۔ مگر جب میں نے موضوع بدلتے ہوئے یہ سوال کیا کہ اگر کشمیر کے مسئلے پر ایک اور جنگ ہو گئی اور انڈیا اپنے اسلحے کے زور پر پاکستان کے دفاعی حصار کو توڑنے میں کامیاب ہو کر ملک کے گلے گلے ہو جانے کے خطرے کا باعث ہن جاتا ہے تو ایسی صورت کیا ہو گا تو اس کے جواب نے مجھے درودہ حیرت میں ڈال دیا۔ اس نے مجھ پر ایک لٹر آمیز لگاؤ دالی جبکہ آواز میں جذبات کی وجہ سے ایک لرزش تھی۔ اس نے کہا کہ ایسی صورت حال میں پاکستان کے پاس سوائے ایسی تھیار استعمال کرنے کے اور کوئی چارہ نہ ہو گا۔

پاکستانی فوج کے افسروں کی آواز بعض اوقات اس وقت بھی جذبات سے لرز کر رہے

جائی ہے جب ان جاگیر دار سدانوں کا موضوع زیر بحث آجائے جن سے وہ ہمارت کی حد تک نفرت کرتے ہیں۔ نظر بھی آتا ہے کہ فوجی افسروں کے روپے میں ایوب خان کے زمانے سے کوئی خاص تہذیب نہیں آئی۔ تاہم اس حوالے سے وہ علمی حلقوں، سول سوسائٹی اور ذرائع ابلاغ سے وابستہ ان شخصیات سے کسی طرح بھی مختلف نظریں آتے جو سب کے سب اسی طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور یہ خیال کرنا بھی قرین انصاف نہیں ہو گا کہ پاکستانی فوج جمہوریت کو ہمارت کی لگائے ریختی اور ذرا ذرا سے بہانے سولین حکومت کا تجوہ اتنے پر تیار ہتی ہے 2009 کی خزاں

میں پروز مشرف کے پیش رو آری چیف جنرل جہاگیر کرامت کا نواز شریف کے ساتھ اس تقریر کے حوالے سے تازع کھڑا ہو گیا جس میں حکومت پر شدید سُنگ باری کرتے ہوئے ایک عدو قوی سلامی کوشل کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا جس کے تحت فوج کو کاپینہ میں رکی نما خندگی دی جانی تھی۔ اس وقت اتحادی نفعی اور اس کے ساتھ ہی ایک آمرانہ طرز حکومت کی ہنا پر نواز شریف کی مقبولیت کا گراف تجزی سے پیچے آ رہا تھا۔ ہر طرف فوجی بغاوت کی افواہیں گردش کر رہی تھیں۔

چنانچہ اس صورتحال کے پیش نظر میں اپنے پڑھا کر لختینٹ جنرل سے ملنے چلا گیا جو کہ جہاگیر کرامت سے گہری شناسائی رکھتا تھا۔ تا کہ اس کے خیالات معلوم کر سکوں۔ میراں نمازہ تھا کہ وہ کسی حد تک ان افواہوں کو درست قرار دے دے گا مگر اس کے جواب نے مجھے ایک بار پھر درطہ تحریت میں ڈال دیا۔ اس نے کہا کہ اسے سو فیصد یقین ہے کہ یہ بغاوت نہیں ہو گی۔ جب میں نے اس یقین کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ آری چیف جمہوریت پر یقین رکھتا ہے۔ اس سے اگلے روز جہاگیر کرامت نے اتفاقی دے دیا۔

پاکستانی فوج میں اسلام کے کردار کو بھی بعض اوقات غلط نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

بہت سے افریقی مسلمان ہیں جبکہ بعض ہدایت پسند نظریات کے حامی ہیں، اور اکثر اوقات اس کے سیاسی مضررات سامنے آ جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اگلے باب میں دیکھیں گے، یہ صورتحال جنرل فیاء کے دور میں انتہائی بدنام زمانہ رخ اختیار کر گئی تھی۔ 1995ء میں عبادی نام کے ایک سمجھ جنرل نے جو کہ انتہاء پسند اسلامی نظریات کیلئے زمگوں کو شرکتا تھا، آرمی ہیئی کوارٹر میں بغاوت کی کوشش کی مگر اسے بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ان واقعات میں سے ایک تھا جن کی طرف وہ فوج افسرا شارہ کر رہا تھا جس کامیں نے اور پہلے حوالہ دیا ہے، جب اس نے یہ تباہی کا پاکستانی فوج کے اندر سے آج تک کوئی بغاوت کامیاب نہیں ہوتی۔ تاہم اس واقعہ کے رد عمل کے طور پر فوج میں افسروں کے مذہبی عقائد کی چھان بین کے ساتھ ہی ہدایت پسند نظریات رکھنے والوں کو ایسے عہدوں پر تھیات کرنا شروع کر دیا گیا جہاں ترقی کے کوئی امکانات نہیں ہوتے تھے۔ البتہ عام طور پر مذہب نے پاکستانی فوج کی ترقیات کے تعین کے حوالے سے متوجہ گئی کوئی اہم کروارہ ادا کیا ہے اور شاید ایسا ہوتا ہے۔ افسروں کی اہم کارکروگی کی تشخیص بیوشاں کی پیشہ وران اور جنگی صلاحیتوں کی بنیاد پر کی جاتی ہے نہ کہ ان کے مذہبی عقائد کی بناء پر۔ فوج کے اعلیٰ افسروں کے حلقوں میں غیر

معمولی طور پر پارساظرا نے والے فوجی جن کی شاشت اکٹھان کی واڑھیوں سے کی جاتی ہے۔ اور انہی ساتھی افسروں کی جانب سے ”داڑھے“ کا خطاب ہی دیا جاتا ہے یا ایک واضح اقلیت کی طرح ہیں۔

اسلام آباد میں اپنی تھینٹی کے عرصے کے دوران مہری ملاقات بھیشل وار کالج میں جو کئے تقریباً اعلیٰ افسروں کی تربیت کا ایک ممتاز فوجی ادارہ ہے، ہائی چادلے کے طور پر آنے والے طالب علم سے ہوئی۔ میں نے اس کے ذمے یہ کام لگایا کہ وہ اپنے پاکستانی رفقاء میں واڑھی والوں کی تعداد گستاخ۔ اس باوقار حلقی شبھے میں ۵۰ عدد بستین اور اسپاٹی ڈین و ان شارجنیلوں میں صرف چار کی واڑھی تھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایسے افسر اعلیٰ عہدوں تک بہت کم پہنچتے ہیں۔ 1998 میں نواز شریف حکومت کے خلاف بغاوت میں حصہ لینے والے دو اعلیٰ افسر یعنی محمود احمد اور محمد عزیز خان میرنہ طور پر مذہبی ہدایت پسند تصور کے جاتے تھے مگر ان میں سے صرف ایک کی واڑھی تھی۔ جس آری چیف، پرنسپر مشرف کے الہام پر وہ یہ کارروائی کر رہے تھے، وہ اس کے بر عکس، فوجی حلتوں میں ایک نہایاں سماجی دمہ بھی روشن خیال شخصیت بھی جاتی تھی، یعنی ایک اور ایوب نہ کہ خیاء۔ پاکستانی فوج میں مظالم اور پیشہ و رانہ صلاحیتوں کے حامل افسروں کا خون ہدایت پسند نہیں افسروں کے پانی سے زیادہ گاڑھا ہے۔

یقیناً، پاکستانی فوج ایک مطبوع پیشہ و رانہ ساکھ کے حوالے سے فوجی اداروں میں بھیشل ہی کوئی منفرد مقام رکھتی ہے۔ جو پیغمبر اسے انفرادیت، جسی کہ غیر معمولی حیثیت، عطا کرتی ہے وہ خود اپنے معیار کے حوالے سے اس کی حد سے زیاد وخت کوٹی اور انظم و خبط کا اطلاق ہے۔ صحنی وزرعی اداروں کا اس کا ایک اپنا وسیع و ہر یعنی سلسلہ ہے جس کا اہم مقصود ریاست اور فوجیوں کی فلاح و بہبود کو تھی ہاتا ہے۔ فوج کے ملکی فوجی فاؤنڈیشن اور آرمی و ملٹیفائر ٹرست کا شارمنک کے سب سے بڑے کیش القاصد کار و پاری اداروں میں ہوتا ہے۔ فوجی فاؤنڈیشن کے زیر گرانی کھاد، سیمنٹ اور دیہ ہاتے والے ادارے کام کر رہے؛ ان کے علاوہ کچھ ادارے قدرتی گیس کے کتوں کھونے اور جل کے خائز کے انظام میں مصروف ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ادارہ سرمایہ کار بیکاری اور حصہ کی خرید و فروخت کا کام بھی کرتا ہے۔ جبکہ آرمی و ملٹیفائر ٹرست بھی اپنے ”ملکری“ تجارتی نشان کے ساتھ اسی طرح کی کار و پاری سرگرمیوں میں مصروف ہے۔ اس کے زیر انظام

چینی کے کارخانے چلائے جاتے ہیں، ریاضت چانوں کو بطور سلسلے محافظہ کیا جاتا ہے، اور سیر و سیاحت کے لئے یہی کا پڑا درپاٹک فراہم کرنے کا کام کیا جاتا ہے۔ عسکری لیز مگک کمپنی پاکستان کی سب سے بڑی اجراء کمپنی ہے۔ اس کے علاوہ فوج کے پاس بڑے بڑے زندگانی تجھے بھی ہیں، زیادہ تر زرعی زمینوں کی صورت میں۔ اگرچہ ریاضت اعلیٰ افراپنے جاگیردار بھائیوں کی نسبت بہت کم شان و شوکت کی زندگی گزارتے ہیں مگر یہ تجربے کے مطابق وہ اپنی پیشوں کی سلسلے سے بہت بہتر معیار کی زندگی گزارتے ہیں۔

صنعت و زراعت کے شعبوں میں اس قدر سرمایہ کاری، جس کا مقصد خاص طور پر اپنے ملازمین کی فلاح بہبود ہے، مریا اش روا باطحہ کی بہت سے خصوصیات کی عکاس ہے اگرچہ بہت ہی زیادہ مظہم انداز میں۔ اس امر پر زیادہ حیرت اس لئے ہے کہ فوج بھی اسی سماجی ماحدوں کی بیداوار ہے جس نے پاکستان میں جاگیردار اسی نظام کو فروغ دیا۔ چنانچہ اس طرح یا اس واضح ہو جاتا ہے کہ اقتدار میں آنے کے بعد فوج بھی اپنے سولہیں ہم منصبوں کی طرح حکومت کیوں کرتی ہے۔ جب پرویز مشرف نے نواز شریف کا تختہ اللہ تو جاگیردار اس طور پر یقون سے نجٹ آئے ہوئے عموم کو بہت زیادہ توقع تھی کہ فوج ان اصلاحات کو نافذ کرنا شروع کر دے گی جو کہ سیاست دان نافذ کرنے سے انکاری تھے۔ شروع شروع میں مشرف بڑے خوبصورت وجوہ کے کرہاتا ہے مگر انجام کا در بہت مایوس کن تھا۔ ہم اس کے دور کا ایک ثابت پہلو آزادی صحافت کے فروغ کے علاوہ نواز شریف کی نسبت اور وہی کے مابین محاذا آرائی میں کی کرنا بھی تھا۔ ہم اگرچہ اس نے شروع میں جاگیرداروں کی طرف سے انکم نیکس کی مزاحمت کے عمل کی شدید نہادت کی، مگر اس حوالے سے کسی قسم کے بھینہ کوشش نہیں کی۔ وہ جاگیرداروں کی خود میں مست رہنے کی عادت اور قومی وسائل کی بے دریخ لوت مار پر تو بہت شدید تھیکی کرتا تھا مگر ایوب کے بنیادی جمہوریوں کے پرانے گھسے پہ منصبوں کو اپنے ہی انداز میں بڑی بے دلی سے نافذ کر کے اس صورتحال کا کوئی واضح تذکرے نہیں تھا کام رہا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جب صورتحال فیصلہ کن ہو جاتی ہے تو فوج کا مفاد بھی اسی میں ہوتا ہے کہ حالات کو جوں کا تلوں رہنے دیا جائے۔ یہ صرف کسی بھی اور جاگیردار کی طرح اپنے زرعی اور صفتی اتنا ٹوں کے تحفظ کی خواہیں مند ہوتی ہے، بلکہ اسے یہ خطرہ بھی ہوتا ہے کہ کسی قسم کی

جنیادی تبدیلی کی کوششوں کے دوران ملک سیاسی انتشار کی پیٹ میں بھی آسلا ہے۔ پاکستان جیسے ملک میں جہاں جاگیر دارانہ تعلقات معاشرے میں اس قدر مغلum ہو چکے ہیں یہ ایک بہت عظیم الشان اور غالباً خوبی حتم کا معرکہ ہاتھ ہو گا۔ فوج کا قدم امت پسندانہ طرزِ عمل اور اس کے ساتھ ہی نظم و ضبط کا قفسہ آئینی طور پر اس طرح کی سرگرمی کے منافی ظفر آتا ہے۔ جنیادی تبدیلی کا خطرہ، مول لینے سے فوج کی چوکسی اور استعداد کمزور ہو جائے گی اور ملک کو مفروضہ بھارتی خطرے سے بچانے کا فوج کا مفروضہ مرکزی کرا رہی خطرے کی نذر ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ ضیاء نے بھی، جو کہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے کی جانے والی کوششوں کے حوالے سے اس اصول سے سب زیادہ اخراج کرتا ظفر آتا تھا، ملک کے جنیادی جاگیر دارانہ ڈھانچے کو تبدیل کرنے کی کوئی حقیقی کوشش نہیں کی تھی۔ چنانچہ فوجی حکومتیں ضروری طور پر اس طرح کی کارروائی نہیں ہونے دیتیں۔ حتیٰ کہ جب فوج اقتدار میں ہوتی ہے تو پھر بھی اس کا رجحان اپنے بڑے کار دباری اداروں کے تحفظ کے ذاتی مقادیر توجہ دینے کی طرف ہوتا ہے اور مجیدہ مسائل کے حص کو تاخیر کا شکار کر دیا جاتا ہے۔

ایوب اور ضیاء کی طرح مشرف کو بھی آخر کار ایک سولہ میں حکومت کو واپس لے آنے کی ضرورت کا احساس ہوا اور اس حوالے سے اس نے اپنے پیشروں سے بھی زیادہ تجویزی کام مظاہرہ کیا۔ اقتدار میں آنے کے ایک برس کے اندر اندر فوج نی ایم ایل کے ان بڑے بڑے رہنماؤں کو جن کے نواز شریف کے تعلقات اس کے آمرانہ طرزِ حکومت کی بناء پر فوجی بغاوت سے پہلے بھی مجرم چکتے، تاکل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ نواز شریف کو چھوڑ کر خود اپنی فوج نواز حتم کی جماعت نالیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اس کے نتیجے میں چوبہ دری شجاعت کی قیادت پہنچی پی ایم ایل ت و جو دیں آگئی۔ مشرف کو ایسا کرنے کی ضرورت اس لئے چیز آئی کیونکہ فوج ایک بہت بڑے نظم و ضبط سے تھت اپنے فرائض انجام دے رہی ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ ماڈی طاقت پر اجارہ داری رکھتی ہے اور جب بھی چاہے اقتدار پر قبضہ کر سکتی ہے۔ تاہم یہ جمہوری حکومت کو حاصل آئنی جواز سے محروم ہوتی ہے۔ سمجھ دیجہے کہ ہر فوجی سر برادر جو اقتدار میں آتا ہے اسے خواہ مسودہ نمائش کے لئے اسی کیوں نہ ہو، ایک عدراً ایکی جواز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ یہ حکم سیاسی علوم کے نظریے کی پیروی کا مسئلہ نہیں ہے۔ فوجی افسراندر سے اس عقیدے کے تاکل ہوتے ہیں کہ جمہوریت

امریت پر فوجیت رکھتی ہے۔ میرے رابطے میں رہنے والے بہت سے اعلیٰ فوجی افسروں نے مجھے بتایا کہ وہ اس حقیقت سے نظریں نہیں چڑھاتے کہ پاکستان میں جمہوری نظام کی ناکامی ان کے ملک پر کاملے دھبے کی طرح ہے اگرچہ اس حوالے سے وہ خود کوئی ذمہ داری قبول کرنے کے زیادہ قابل نظر نہیں آتے تھے۔

یہ صورت حال ایوب اور خیاء کے زانے کے بعد روفے میں ایک عظیم تبدیلی کی عکاسی کرتی ہے اور اس امر کی بھی وضاحت کرتی نظر آتی ہے کہ پس مظاہر میں رہ کر دباوڑا لئے کی پالیسک فوج کے لئے حکومتی امور میں شرکت یا مداخلت کے خود کار نظام کی صورت کیوں اختیار کر گئی ہے۔ یہ خیاء کی صوت کے بعد سولہ میں اقتدار کی طرف واپسی کے دوران واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا۔ پاکستان کے آئینا میں آنحضرتی ترمیم نے جو کہ خیاء کے دور صدارت میں 1985ء میں نافذ کی گئی تھی، پارلیمنٹ تحلیل کرنے کا اختیار وزیرِ اعظم کی بجائے صدر کو دے دیا۔ خیاء کے جائشیں نہیں بے اختیار قائم کے برائے نام سربراہی تھے، اور خیاء اور مشرف کے درمیانی عشرے میں فوج ان کے ماتھیل کر تین حکومتوں کو شمول دو بے نظیر حکومتوں اور ایک اواز شریف حکومت بر طرف کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہ کارروائیاں محض کسی کے ذاتی چنہات کی تسلیم کے لئے نہیں کی گئی تھیں بلکہ حکومت کی طرف سے اسکی خوفناک خلطیوں کے بعد کی تھیں جن کا تجربہ سیاسی و اقتصادی، جوان اور حکومت کی مقبولیت میں بے پناہ کی کی صورت میں تکال۔ ہر ایک صورت میں تجربہ فوجی اقتدار کی صورت میں نہیں بلکہ نئے قوی انتخابات کی صورت میں برآمد ہوا جس سب میں فوج بیویشہ حزب مخالف کی جماعتیں کو ہوتی تھیں کیونکہ بر طرف کردہ حکومت کی مقبولیت زوال پر یہ بھی ہوتی تھی۔

ان بے در پے مداخلتوں کے باعث یہ عقیدہ کافی حد تک پاکستانیوں اور پاکستان پر نگاہ رکھنے والے بھروسیں میں بھی سراہیت کر گیا کہ فوج کے پاس رکی اقتدار ہو یا نہ ہو مگر اصل طاقت اسی کے پاس ہے کیونکہ سب کچھ اس کے ایما پر ہو رہا ہے۔ تاہم اگر حقیقت ہی ہوتی تو پھر اس امر کا انتام مکان نظر نہیں آتا کہ فوج کو حکومتوں کے خلاف اتنی زیادہ کارروائیاں کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی جائی کہ اس نے 1990ء کی دہائی میں کی تھیں۔ حقیقت تو یہی تھی ہے کہ ان حکومتوں کی کارکردگی پر عوام میں پھیلنے والی بایوی کا فوج کو بھی پوری طرح احساس تھا۔ اور اسی طرح اگر فوج کو واقعی سلامتی کو نہیں جیسے ادارے کی تخلیق کا مطالبہ کرنے کی ضرورت چیز نہ آتی اور تو اواز شریف اسے

عجدے سے بر طرف کر دینے کے حوالے سے سوچنے کے قابل ہی نہ ہوتا۔

ناہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فوج سولین حکومتوں پر کسی طراز انداز نہیں ہوتی۔

نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ قوی دفاع اور سلامتی کے امور کے حوالے سے اس کا اثر بہت ہی زیادہ ہے اور اگر کوئی سولین حکومت اس کی مرخصی کے غلاف کوئی کام کرتی ہے تو یہ اپنی تاپسندیدگی کا اٹھاد کئے ہنا نہیں رہتی۔ اس کی ایک بہترین مثال 1999 کے شروع میں لاہور میں ہونے والی وہ

سر برداری ملاقات ہے جس میں نواز شریف نے اُس بھاری و چاندی کو دعوت دی تھی تاکہ وہ طرف تعلقات میں بہتری لائی جاسکے۔ فوج اس سے خوش نہیں تھی اور اس ملاقات کا بایکاٹ کر کے اس نے اس کا اختہار بھی کر دیا تھا۔ کافی ماہ بعد وہ انڈیا کے ساتھ اس وقت جنگ کی ای حالت میں بھی گئی تھی جب کشمیر کے متاز علاقوں میں لائن آف کنڑوں کے ساتھ کارگل کے علاقوں میں سرو یوں کے دران خالی چھوڑ دی جانے والی بھارتی سرحدی چوکوں پر قبضہ کر لیا گیا تھا اور جس پر انڈیا نے شدید اشتھان کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس وقت یہ ناٹرعام تھا کہ فوج نے یہ سب کچھ لاہور سربرائی ملاقات کے نتیجے میں تعلقات میں بہتری کے عمل کو سیو جاؤ کرنے کے لیے کیا تھا۔ اور پھر امریکی دہاؤ اور وسیع پیلانے پر جوابی بھارتی کارروائیوں کے نتیجے میں کارگل سے پاکستانی فوجوں کے انخلاء کے بعد شروع ہونے والے ہائی الram تراشیوں کے سلسلے کے دران پر ویز مشرف جو کہ اس وقت یا آری چیف بانتحا اور نواز شریف دونوں نے ذراائع ابلاغ کو استھان کرتے ہوئے اس واقعیت کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالتے ہوئے شدید تنقید شروع کر دی جو ایک خلاط سے فوجی نیکست اور عمومی تعلقات میں بہتری کے عمل کی بہت بڑی ناکامی تھی۔ یہ تھا وہ پس منظر جو کئی ماہ بعد پر ویز مشرف کی طرف سے کی جانے والی بغاوت کو اجاگر کر دیا تھا۔

اگرچہ اس بغاوت سے پہلے کے عشرے کی ایک نیاں خصوصیت ایک دوسرے کے بعد آئے اور بر طرف ہو جانے والی نا امکن سولین حکومتیں تھیں مگر اس عرصے میں جو سیاسی نظام ابھر کر سامنے آیا وہ نہ صرف پلک دار تھا بلکہ نبینا مسلمان بھی تھا۔ فوج نے آنھویں ترمیم کو غیر معمولی دہاؤ کو کم کرنے والے ایک ایسے ٹھانٹی آئیلری (safety valve) کے طور پر استھان کیا جس کے ذریعے سیاسی نظام کا غبارہ پھٹ جانے سے قبیل ہو کا کو اخراج کا راستہ مل جاتا اور اس امریکی یقین دہانی بھی حاصل ہو جاتی کہ ہر ہر یہ سیاسی جماعت کو باری باری اپنے مریانہ روایت کی تسلیم کا موقع مل

جائے۔ جب نواز شریف نے 1999ء میں آٹھویں ترمیم کی مشوخی کے ذریعے اس طریقے میں کوئی ناکارہ بنا کر رکھ دیا تو اس طرح سے دباؤ کم کرنے والے خود کار آئے کو ہنادیا گیا اور یوں فوج کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اس ناالل اور مسلسل آمرانہ طرزِ عمل اختیار کرتی ہوئی حکومت کو یا تو برداشت کرے یا پھر اس کے خلاف کارروائی کا کوئی اور طریقہ تلاش کرے۔ آزمائش کا ولحی کا رگل واقعے کے کئی ما بعد اکتوبر 1999ء میں اس وقت آیا جب نواز شریف نے مشرف کو اس کے عہدے سے سبکدوش کرنے کی کوشش کی ہے وہ اپنے لئے ایک ناقابل برداشت خطرہ تصور کرنے لگا تھا۔ ایک برس کے اندر اندر دوسرے آری چیف کی قتل از وقت برطانی جمیں سمجھیدہ صورت حال کے نظر فوج کو فیصلہ کرنا پڑا کہ یا تو اسے کوئی کارروائی کرنے پڑے گی یا پھر اوارے کی خود مختاری کھو دینے کا خطرہ مول لینا ہو گا۔ کیا فوج نواز شریف کے خلاف آخر کار ہر حال میں کارروائی کرنے پر مجبور ہو گئی ہو گی؟ میرا اہم از وہ یہ ہے کہ غالباً ایسا ہی ہو گا، اس لئے نہیں کہ اسے اختار کالائی تھا بلکہ اس نے کوئی بھائی بھشوک طرح اس بات پر قلچا تھا کہ پاکستان میں طاقت کے قائم مرکز کو اپنی ذات کے اندر ہی سرخکزار کر کر دے اور فوج کو یہ محفوظ رکھیں تھا۔

فوج کی طرح سے کسی تم کے خطرے سے بے نیاز مشرف اپنے سولین پیش روؤں سے زیادہ عرصہ حکومت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مگر آخر کار اسے اپنی حکومت کی کارکردگی کے حوالے سے لوگوں کی براحتی ہوئی اس ناخوشی کے باعث اختدار سے ہاتھ دھونے پڑے جس کا سب سے اہم مأخذ اس کا نائن ایلوں کے بعد امریکہ سے کیا جانے والا فوجی اتحاد اور اس کے رد عمل میں پاکستان کے اندر ہونے والے دہشت گرد اغوات تھے۔ تاہم اس کے زوال کی سب سے اہم وجہ ایک ملکی سیاسی تازع تھا، خاص طور پر پریم کورٹ کے چیف جسٹس انفار محمد چوہدری کی برطانی جس کی طرف سے خطرہ تھا کہ وہ اسے دوسری مرتبہ عہدہ صدارت کے لئے انتخاب لئے کے حوالے سے ناالل قرار دے دے گا۔ تاہم خطرے کا قابل از وقت تدارک کرنے کی اس کوشش کا نتیجہ دیکھوں کی طرف سے شدید رد عمل کی صورت میں لکھا جن کے جلسے جلوسوں کے درائیں ایلانغ میں بہت نایاب طور پر اجاگر کئے جانے کے ساتھ ہی خوام کی طرف سے بھی کافی پذیرائی ملی۔ اس وقت حزبِ مختلف کی دو ہی جماعتیں، پی پی پی اور مسلم لیگ (ن) نے بھی وکلا کی تحریک کی بھرپور حیات کر دی اور یوں فوج اور اس کے ساتھ ہی مشرف کی مقبولیت میں تیزی سے آئے

وائے زوال کو دیکھتے ہوئے اس کے فوج کے ساتھیوں نے اسے اقتدار سے دستبردار ہونے کا مشورہ دے دیا۔

وکلا تحریک پاکستان میں سول سو سالی کے تحریک و فعال ہونے کی اوپر علامت تھی۔ اس کے ظہور میں آنے کے باعث آزاد خیال و اشوروں کو یہ امید پیدا ہو گئی کہ اب اقتدار پر جاگیرداروں اور جرنیلوں کی گرفت بندوق کمزور ہوتی چلی جائے گی۔ تاہم احتجاج کرتے ہوئے وکلاء کی کامیابی کا راز دراصل شرف کی روز بروز گرتی ہوئی مقبولیت میں مضر تھا۔ تجھے یقیناً مختلف ہوتا اگر بھی ڈرامہ چدربس قتل شرف کے عروج کے زمانے میں ہو جاتا۔ جب شرف ایک مرتبہ مظہر عام سے غائب ہو گیا تو احتجاج کرتی ہوئی وکلاء برادری بھی اپنی سیاست کے تاریک بالوں میں گم ہو کر رہ گئی۔ اس کی اقتدار سے برخواہی کے بعد جاگیردار سو ملین حکومت کی کمل و اپنی کی راہ بحال ہو گئی اور اس کے ساتھی فوج نے بھی بڑے باعزت اور بخاطر انداز میں خود کو فاصلے پر کر لیا۔ پی پی اور مسلم لیگ ن سیاست کے خاردار میں طویل عرصے تک صعبہ تین اخاتے رہنے کے بعد آخر کار ملک کی مقبول ترین سیاسی جماعتوں کے طور پر سیاست کا افق پر ایک بار پھر یہیں پہنچنے لگیں جیسے شرف کا کبھی کوئی وجود نہ رہا ہو۔ پہلے کی طرح ان کی توجہ کا مرکز پھر سے اپنے مریضانہ والیکٹ کا انتظام اور پاکستان کو دریشیں سمجھیہ مسائل کے حل کو ہر منمن حد تک اتواء میں ڈالے رکھنے کی پالیسی تھا۔ چنانچہ اس کا تجہیہ ایک ایسی حکومت کی صورت میں سامنے آیا جس کا انجام اتنا ہی واضح تھا جیسی کہ اس کی اطہیت۔ سیاسی جماعتیں، اور ان کے رہنمای بھی آتے جاتے رہیں گے، فوج بھی آتی جاتی رہے گی مگر پاکستان کا طرز حکومت نہ بدلا ہے نہ بدلا لے گا۔

تاہم اس حقیقت کے باوجود کہ جاگیردار اس سیاست ایک بہت ہی بڑے نظم و نسق کی ذمہ دار ہے، کسی کو بھی نظام میں حقیقی طور پر بنیادی تبدیلی لانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ وکلا تحریک کا بنیادی مقصد بھی محل اپنے شبے کے مخاذات کا تحفظ تھا اس کے محاشرے میں کوئی جمیع تبدیلی لانا۔ اقتدار پر طبقہ امراء کی اجازہ دار کو لکارنے جیسی آزمائشوں میں پورا اثری ہیں، پاکستان اس طرح کی تبدیلی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ یہاں کوئی لینن یا فیڈل یا ماڈل نہیں پایا جاتا۔ پاکستانی حومہ مسائل کی فراہمی کا روناروائے رہچے ہیں مگر وہ امراء کی حکومت کا تجھیہ الٹ کر اس پر خود قابض ہو جانے کے لئے کسی قسم کا انقلاب لانے کی سمجھیہ اور مظہم کو کشش نہیں کرتے۔

جیسے ہی انتخابات کا دن قریب آتا ہے وہ جاگیرداروں کی کسی ایک جماعت کی حمایت میں اپنا حق رائے دہی استعمال کرنے کے لئے گروہوں سے نکل کر پوچھ اشیشوں کی طرف چل پڑے ہیں۔ اور جب فوج کسی حکومت کا تحریک اٹ کر آ جاتی ہے یا کوئی نئی سولہیں حکومت منتخب ہو کر آ جاتی ہے تو ان کی امیدیں پھر سے جاگ افحتی ہیں۔ اور جب انہوں نئم کی حکومت سماں کے حل میں ناکام ہو کر وہ جاتی ہیں تو وہ بھی اپنے کندھے اچکا کر دے جاتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ کرتے ہیں اور مشکلات کا سامنا بھی کرتے ہیں کیونکہ پاکستان کا سیاسی نظام بھی ان جاگیرداروں والیات کی عکاسی کرتا ہے جن کی وہ صدیوں سے جزوی کرتے چلے آ رہے ہیں۔

اگر حالات کو جوں کا توں رہنے دیا گیا اور انہیں تبدیل کرنے کی کوئی سمجھدہ کوشش نہ کی گئی تو پھر میں ممکن ہے کہ پابند نظام ای طرح گھستار ہے۔ مگر پاکستان اس عیاشی کا زیادہ عرصہ نک متحمل نہیں ہو سکتا۔ نظام کو لاحق خطرات اب سامنے آچکے ہیں اور یہ بہت سمجھدہ خطرات ہیں۔ پالشویک اور مادو کے برعکس جو کہ روں اور بھیں کی اشرافیہ حکومتوں کے خلاف بہرپا کئے گئے تھے، پاکستان میں ان خطرات کی پروردش پہلے ہی اس سیاسی نظام کی گود میں کی جاتی رہی ہے جس کی قیادت کو اب یہ جڑ سے ہی اکھاڑ دینا چاہتے ہیں۔ یہ خطرہ اجنبیہ پسند اسلامی نظریات کی صورت میں منڈلا رہا ہے۔ پاکستان کو شمال مغرب میں واقع اپنے قبائلی علاقوں کے اندر ایک اپنے اندر وہی دشمن یعنی پاکستانی طالبان سے لاحق ہے جس کی اس نے کسی زمانے میں پشت پناہی کی تھی اور جس کے انغان ساتھیوں کی وہ بھی تک حمایت جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ دشمن جو کہ القاعدہ کے ساتھ الحاق کئے ہوئے ہے اور جسے پنجابی جہادیوں اور ان فرقہ واران تھیموں کی حمایت و تعاون بھی حاصل رہا ہے جن میں سے ہر ایک کو کسی زمانے میں ریاست نے بھی اپنے تعاون یا التفات سے نواز اتھا، پاکستان کے شمال مغرب میں ایک دسیع دریض علاقے پر اپنا تسلیق اتمم کرنے کے ساتھ ہی ملک کے شہری علاقوں میں ایک موثر وہشت گرد ہم بھی چلا رہا ہے۔

زخمیوں پر نک چڑکنے کے لئے بیکر طیبہ ناہی ایک جہادی علمی نے جسے ریاست نے پر وان چڑھایا اور جس کے ساتھ وہ ابھی تک وقاری کرنی آ رہی ہے، بھارت کے خلاف جنی سطح پر انتقامی کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے جس کے نتیجے میں پاکستان ایک سے زیادہ مرتبہ غیر مطلوبہ نئم کی جگہ کے دہانے تک پہنچ گیا تھا۔ شدت پسند نظریات کی آماجگاہ مسجدوں اور

ہر سوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ جو کہ بہت ہی تکلیفوں کے لئے زیری کا کام کرتی ہیں، جنوبی پنجاب میں سراں گلی بیٹ کچیے علاقوں میں بڑھتی ہوئی مذہبی شدت پسندی کامنہ یوتا ہمبوٹ ہیں۔ یہ علاقے طویل عرصے سے فرقہ درانہ فسادات کی پیشیت میں آئے ہوئے ہیں۔ ان جاگیر دار سیاستدانوں اور فوجی افسروں کے غیر فطری اتحاد پر میں حکومتوں کے زیر سایہ، جن میں سے ہر ایک پر خواپنے ہی مقادرات کے حصول کا جنون طاری ہوتا ہے اور جو ملک کو درپیش مجیدہ مسائل سے صرف نظر کرنے کی طرف مائل رہتے ہیں، پاکستان نہ ہبھی انتہاء پسندی کے زور پر ورزدھتے ہوئے خطرے سے منٹنے کی کسی بھی صلاحیت سے محروم نظر آتا ہے۔ ملکی علم و نش کے ذمداد لوگوں نے خود اس نظرناک ولد میں کسی طرح وحشالیا؟ چونکہ انہیں جس نوعیت کی شدت پسندی کا سامنا ہے اس کی جزویں نہ ہبھی عقیدے میں پیوست ہیں، اس لئے اب ہم پاکستانی معاشرے اور سیاست میں نہ ہب کے کردار کا قریبی جائزہ لیتے ہیں۔

## مذہب، خیاں اور افغانستان میں روں مخالف جہاد

اگر فرقہ دراثت فسادات، خود کش محلوں سرکاری نئے کے دل دھاڑ دینے والے واقعات اور لاہور میں واقع اپنے رفاتر سے کام کرنے والی تحریم و تکریم کی طرف سے بھی میں خوفناک رہشت گرد محلوں کی خبروں پر مبنی اخباری شرشنیوں پر اسی اکتنا کیا جائے تو یہی تاثر لے گا کہ پاکستان مذہبی جنونیوں کی قوم ہے۔

تاہم سچائی کبھی بھی جھپٹی نہیں رہ سکتی۔ پاکستانی سیاست کی طرح، پاکستانی مذہبی روایات پر بھی جاگیر داران ثقافت کے گھرے اثرات پائے جاتے ہیں۔ سیاسی طبقے کی بہت سی شخصیات کی طرح، اکثر پاکستانی ایک ایسے اسلام کی ہبہ وی کرتے ہیں جو جو نبی ایشیاء کی ایک اپنی منفرد طرز کی صوفیانہ روایات سے مشابہت رکھتا ہے اور جس میں مقدس استیوں کی، جنہیں ہبہ کہا جاتا ہے، تحریم و تکریم کی جاتی ہے۔ کسی صدیوں سے معروف چلنے آئے والے ہبہوں کو صوفیاء کا لقب دے دیا جاتا ہے۔ ان کے مزارات جو پورے پاکستان کے اندر بھرے نظر آتے ہیں، نہ صرف زیارت اور عمارت کے مرکز میں بلکہ وہاں سالانہ عرس کی تقریبات بھی ہوتی ہیں جو ان کی اموات اور ابدی زندگی کے سفر کی یاد میں منعقد کی جاتی ہیں۔ ان تقریبات کو محلوں محلوں کے ماحول اور دیگر دلکش تفسیج پر گراموں کی پدولت جن میں نہ صرف پاکستانی طرز کے تفسیجی جھوٹے بلکہ جنہیں مختلف کے ملبوسات پہن کر دیانت و اور قص کرنے والوں کے مظاہرے بھی ہوتے ہیں، بہت شہرت اور مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ یقیناً اسامہ بن لادن یا خالد ابن لیزر ملا عمر کا اسلام نہیں ہے۔ یہ ایک خوبصورت منظر کا حال ایسا نہ ہب ہے جو رواہاری اور اس کا درس

و نہ تھا ہے۔

پاکستانی ہی بھی زیادہ تر جاگیر داروں کا طرز زندگی اپنائے ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثر کے پاس خود اپنی زندگی میں بھی سیاست میں بھی قدم جما چکے ہیں۔ پاکستان کی جاگیر دارانہ ثقافت میں ان کی سرگرمیوں کو اس مرتبی۔ مطلی رشتہ کا مقابلہ یا مہماں سمجھا جاسکتا ہے جو پاکستان کے سکولر معاشرے کو باہم تحدیر کئے ہوئے ہے۔ مزارتیں اپنی بنیادی ضروریات کی محکمل اور مشکل کے وقت مدد کے حصول کے لئے زمینداروں پر اعتماد کرتے ہیں، جبکہ سیاستدان انتخابات میں کامیابی کے لئے اپنے مریض اور ابلا پر اعتماد کرتے ہیں۔ تاہم مرتبی اور مطلی دونوں اللہ سے رابطے کے لئے بھی کو ایک دیلے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ دو فریقوں کے درمیان ٹھاٹی کا وہ کردار ہے جو جنوبی ایشیائی خصوصیت کے حامل صوفیانہ اسلام کو ان دوسری اعتناف سے منفر رہاتا ہے جن کے مطابق خدا اور بندے کے درمیان اعلیٰ برادرست ہوتا ہے۔

لہذا کوئی اجنبیے کی بات نہیں ہے کہ یہ صوفیانہ طرز کا اسلام ایک ایسی ثقافت کی پیداوار ہے جس کی بنیاد پاہمی احسانات پر رکھی گئی ہے۔ مذہبی عقائد کھنڈے والے اپنے ہیروں کو ہاںکل اسی طرح محبت اور عقیدت سے نوازتے ہیں جس طرح مزارع اپنے زمیندار کے لئے فصلیں اگاتا ہے۔ دونوں یہ سب کچھ اس موقع پر کرتے ہیں کہ انکل جوابی طور پر مدد اور سرپرستی سے نوازا جائے گا۔ ایک کو دینی امور میں اور دوسرے کو دینی امور میں۔ جاگیر دار یہاں توں میں مذہبی عقیدت مدد اور فصلیں اگانے والا اکثر اوقات ایک ہی شخصیت ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ محل مزاریں نہیں ہوتے جو جو یہ سے یہ موقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کے انجام پر اللہ سے رابطہ کرے گا بلکہ وہ زمیندار بھی جن کے لئے وہ کام کرتے ہیں۔ تقریباً یہی کچھ دیکھی معاشرے کے تمام باشندوں کے لئے کہا جا سکتا ہے۔ جس طرح کہ جاگیر دارانہ سیاست میں ہوتا ہے، صوفیانہ اسلام کی یہ کل جعل دیہا توں سے نقل مکانی اشیازی خصوصیت کے طور پر کافی عرصے سے اپنا مقام کو حاصل ہے۔ جیسا کہ دیہا توں سے نقل مکانی کر کے اکثر لوگ شہروں اور قصبوں میں جا بیسے ہیں، لہذا وہ اپنے مذہبی عقائد بھی اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ ایک ہر نے اسلام آباد کے مرکزی علاقے میں میری رہائش سے تھوڑے ہی فاصلے پر اپنا گھر بنایا ہوا تھا۔ وہ جب کبھی اپنے ذیرے پر ہوتا توہاں دن میں اس کے مریضوں کا تکمیلہ کا ہوتا اور رات کو پورا گھر وہاں پر نصب سفید بیوں کے جگہ میں جلدی کا نظر آتا۔

اس طرز کے اسلام کی پیروی کرنے والوں کو عموماً بریلوی کہا جاتا ہے۔ یہ نام شاہی ہندوستان کے شہر بریلی سے منسوب ہے، جہاں 1881 کے لگ بھگ مغلیے کے رواجی دینگی مذہب کے تحفظ و تکمیل کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ جنوبی ایشیا میں مقبولیت حاصل کرنے والے اس مخصوص طرز کے اسلام کی ایک خصوصیت ہو کہ خاص طور پر قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ہندو مت کی بہت سی رسومات، مثلاً موسمی وغیرہ سرایت کر گئے ہیں اور اس کی ایک تکلیف قوائی ہے جو کہ عقیدت کے طور پر مزاروں پر کی جاتی ہے اور جو اسلام کے کسی اور فرقے میں موجود نہیں ہیں۔ ان رسومات کا اپنانے کا مقصد بر صیر میں آنے والے مسلمان مبلغین کے نزدیک یہ تھا کہ عملیت پسندی سے کام لیتے ہوئے ہندوؤں کی بعض رسومات کو اپنی تعلیمات میں شامل کر لیا جائے تاکہ اسلام میں کچھ ایسی کشش پیدا ہو جائے کہ زیادہ سے زیاد لوگ اس کی طرف راغب ہو سکیں۔ اسلام کی اس نمایاں اور غیر قدامت پسند تکلیف کو سمجھتے ہوئے یا مریا عاث جہر نہیں ہے کہ اس کا بہت شدید روڈھل ہوا۔ اس کا انکھار دیوبندی فرقے کی تکلیف کی صورت میں سامنے آیا جس کا نام شاہی ہندوستان کے شہر دیوبند سے اخذ کیا گیا تھا جہاں اس نام کا پہلا مدرسہ قائم کیا گیا تھا۔ اگرچہ دیوبندی صوفیا کو مسلسل عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے آ رہے ہیں مگر ان کا مقصد یہ تھا کہ جنوبی ایشیاء کے صوفی اسلام کو ان و راندار روایات یا بدعتوں سے پاک صاف کر دیا جائے اور اسلام کو واپس وہ کھو دیا ہو امام عطا کر دیا جائے جس کی بنیاد اس کے اصل آخذ یعنی قرآن اور حدیث میں تھی۔ اس کا نتیجہ ایک ایسے نظریم کے اسلام کی صورت میں برآمد ہوا جس میں بنیادی تعلیمات کی طرف رجوع کرنے کے ساتھ ہی نہ صرف جنوبی ایشیاء کے صوفی اسلام کو بلکہ دوسرے فرقوں پر مشتمل شیعہ اسلام کو بھی شدید تحفید کا نثارہ بنا یا گیا کیونکہ شیعہ اسلام بھی ان کے نزدیک خداوند عقیدے کا حال تھا۔ اس نظریے کے مبلغین نے اپنے عقیدے کا پورے بر طابوی ہندوستان میں پر چار شروع کر دیا ہے خاص طور پر صوبہ سرحد کے پتوں میں بہت مقبولیت تیلی جن کا اپنا قبائلی شاheed یعنی پتوں ولی اس بنیاد پر ستانہ قدم کے نظریے کے لئے رخیز زمین ٹابت ہوا۔ تاہم وہاں بھی یہ صوفیانہ روایات کو جزو سے اکھاڑنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

آج دیوبندی نظریات نہ صرف پتوں کے اندر گھری جزیں پکڑ چکے ہیں، بلکہ اس کے علاوہ پورے پاکستان میں خاص طور پر پنجاب کے شہری خلپے متوسط طبقے سیست بے شمار مساجد

اور مارس کے قیام کے ذریعے، خصوصاً جنوبی پنجاب کی سرائیکی پٹی کے اندر، لوگوں کی بڑی تعداد میں براہ راست کرچکے ہیں، اگرچہ زیادہ تر دیوبندی تشدد کی طرف اس قدر مائل نہیں رہے جتنا کہ مغرب میں ان کے جیساں بیانار پرست ہم منصب تاہم پاکستان میں قائم کردہ ماسوائے ایک کے تھام سرچاہی نظریہ میں دیوبندی فرقے سے تعلق رکھتی ہیں اور یہی صورتحال افغان طالبان کی ہے۔ جہاں بریلوی چیزوں اور جینے وہ کے اصول پر مبنی عقیدے کے حامل ہیں۔ ان کی تبلیغی جماعت کے ارکان پوری دنیا میں سفر کر کے مختلف مکون کی مقامی مسلمان آبادی میں اپنے کمزور دیوبندی نظریات کا پروپریا کرتے ہیں۔ دیوبندی اپنے مخصوص اسلامی نظریات کی تعلیم کے فروغ کے حوالے سے بھی خاص تحریک ہیں۔ پاکستان کے لفڑ سے زائد مرد سے دیوبندی فرقے کے زیرِ انتظام ہیں۔ یہ تیزی سے پھیلتا ہوا نہ ہب ہے۔

اس کے علاوہ پاکستان میں کسی بھی جنم کا دوسرا واحد تنی فرقہ اہل حدیث ہے جس کے پیروکاروں میں بہت کم ہیں۔ دیوبندی فرقے کی طرح یہ بھی بیانار پرست قسم کے اسلامی نظریات کا پیروکار ہے جو کہ سعودی عرب کے دہلی فرقے سے ممائش رکھتا ہے، وہ فرقہ جس کے پیروکاروں میں اسامہ بن لادن اور سعودی عرب کا شاہی خاندان شامل ہیں۔ اہل حدیث اور دیوبندیوں کے بیانار پرست نظریات میں زیادہ اختلافات قرآن اور حدیث کی تحریکات میں فرق کے حوالے سے ہیں جو کہ اہل حدیث کی مثال اور بھی زیادہ لفظی نوعیت کے ہیں۔ اہل حدیث کو سب سے زیادہ شہرت اسلئے ملی ہے کہ یہ پاکستان کے ایک جہاہی گروپ لشکر طیبہ کو جنم دینے والا ہے۔ فرقہ ہے جو دیوبندی نہیں ہے۔

اس وقت تین سی فرقے ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے تکلیف دہ حدیک خلاف ہیں۔

بریلوی اور دیوبندی فرقے کے درمیان خاصت ایک سو بر سے زیادہ پرالی ہے۔ اگرچہ دیوبندی اسکول جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے نمایاں طرز کے صوفیانہ اسلام کے بعد میں قائم کیا گیا تھا، تاہم یہ اصل میں بریلوی مدرسے کے قیام سے ایک عشرہ سے بھی زائد عرصہ پہلے قائم ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بریلویوں کی جانب سے اپنا درس قائم کرنے کی ایک اہم وجہ رسمیت کے روایتی نہ ہب کوئے وجود میں آنے والے دیوبندی نظریات کی بیفارسے بچانا تھا۔ تاہم پاکستان میں بیاناری فرقہ و راشتھیم دیوبندی۔ بریلوی تھیم ہیں ہے بلکہ سنتی۔ شیعہ تھیم ہے جو کہ اسلامی دنیا

میں ہائے جانے والے ایک اجتماعی تقصیٰ یا اختلاف کی عکاسی کرتی ہے۔ کسی کو بھی یعنی طور پر معلوم نہیں ہے کہ پاکستان میں شیعہ آبادی کا تناسب کیا ہے کیونکہ آبادی کا سروے کرنے والوں کو یہ سوال پوچھنے کی اجازت نہیں ہے۔ خام انمازوں کے مطابق یہ تناسب 15% 25% فیصد ہے۔ بریلویوں کی طرح پاکستانی شیعہ بھی اس سرز میں میں اپنی جزیں پھیلا چکے ہیں اور ان کی اپنی صوفی روایات ہیں۔ بڑے بڑے جاگیرداروں میں بھی شیعہ اجنبی خاصی ثابتگاری رکھتے ہیں اور اقتدار ایوانوں تک ان کو آسانی سے رسائی حاصل ہوگئی ہے۔ محض علی جناح اور ذوالقدر ہی بیرون ونوں شیعہ تھے۔ چنانچہ اس پس مظلومین یہ حقیقت سمجھنے میں دوستی ہے کہ جناح کے تصور میں پاکستان ایک نظریاتی ریاست کی نسبت صرف جنوبی ایشیائی مسلمانوں کا وطن ہی کیوں تھا؟ حتیٰ کہ آج بھی پلی پلی پی اور وہنوں مسلم لیگوں (ان اورق) میں شیعہ سیاستدانوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ یہ ان کے بریلوی رفقاء کا رکنی رواہاری کا منہ بولا ہوتا ہے جن کی سیاست تو حکماز آرائی کی سیاست ہو سکتی ہے مگر تبدیل نہیں۔ پاکستان میں دو بڑی مذہبی سیاسی جماعتیں پائی جاتی ہیں۔ جمعیت علمائے اسلام جو کہ یہ یہاں کے منفر و مخفف کے ساتھ مشہور ہے، صوبہ سرحد اور شمالی بلوجھستان میں اڑو رسوخ رکھنے والی ایک علاقائی جماعت ہے۔ اس کے ارکان دیوبندی تحریرات رکھنے والے پشتون نسل کے لوگ ہیں۔ اس کی بنیاد تھیم سے ذرا ہی پہلے اس وقت رکھی گئی تھی جب اس کے باقی کا اپنی ہندوستانی بائی تھیم (دارالعلوم دیوبند) سے پاکستان کی ایک الگ ریاست کے طور پر حیثیت کے مسئلے پر اختلاف ہو گیا تھا۔ اس کے بڑے دھرے کی سربراہی طویل عرصے سے مولانا فضل الرحمن کے پاس چلی آرہی ہے جو کہ مولانا ذیزیل کے لقب سے معروف ہیں۔ انہیں یہ لقب بے تغیر بھٹکو کے درسرے دور حکومت میں ذیزیل کی فروخت کے بعض مغلکوں سودوں میں ملوث ہونے کی بنا پر عطا کیا گیا تھا۔ صوبہ سرحد میں یہ پشتونوں کی سیکولر جماعت عوایی بختل پاری (ایے این پی) کا نامہ ہی تبادل ہے۔

تاہم پاکستان کی سب سے بڑی اور بالآخر سیاسی جماعت، جماعت اسلامی ہے۔ اس کی بنیاد مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے رکھی تھی جو کہ پیشے کے خاتا سے ایک صحافی تھے مگر بعد ازاں ایک فہمی مصلح ہن گئے اور تھیم کے بعد پاکستان بختل ہو گئے۔ جماعت خود کو ایک ایسے پر اس اسلامی انقلاب کا ہراول دستہ کھلتی ہے جو ملک میں شریعت کی حکمرانی قائم کرے گی اور لا دینی

ضوابط کی جگہ ایسے اخلاقی اور قانونی ضوابط نافذ کرے گی جن کی بنیاد و دوام نوئے یا مشتمل ہوں گی جو قرآن میں دی گئی ہیں یا تجھیں اسلام کی عملی زندگی کے ان واقعات سے اخذ کی جائیں گی جو حدیث کی صورت میں محفوظ کرنے چکے ہیں۔ شریعت کے نفاذ کا یہ مطالبہ سیاسی اسلام کا دہ جزو لازم ہے جس پر جمادی حکیمین مثلاً القاعدہ اور طالبان کے علاوہ ان جماعتوں کا بھی اتفاق ہے جو نظام کے اندر رہ کر کام کرنے پر آمادہ نظر آتی ہیں، مثلاً جماعت اسلامی۔ اگرچہ یہ بلا شرکت غیرے جنوبی ایشیائی ماحول کی بیداری ہے مگر جماعت ایک لحاظ سے اسلامی سیاسی جماعتوں کی جانب سے چلانی چانے والی وسیع تحریک کا حصہ ہے۔ جیسا کہ طویل عرصہ تک اس کی رہنمائی کرنے والے قاضی حسین احمد نے مجھ سے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ نظریات کی رو سے مصر کی اخوان اسلامیں اور ترکی کی رفاه پارٹی کے قریب تر ہے جو اگرچہ 1988ء میں حکومتی پابندیوں کی زدیں آگئی تھی، تاہم ترکی میں اس وقت بر سر اقتدار جماعت سے دوسرا نمبر پر تھی ایک بنیاد پرست اسلامی حکیم کے نئے غیر معمولی نظر آتے والی اس کی ایک خصوصیت اس کا غیر فرقہ درانہ رنگ ہے۔ اس کی رکنیت اگرچہ تمام ہر سی فرقوں پر مشتمل ہے، تاہم اس کے ایک اعلیٰ عہد بیدار نے میرے سامنے اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ تقریباً دو تھائی ارکان دیوبندی نظریات رکھتے ہیں یہ ایک طرح سے خاص کی جماعت بھی ہے جو کہ اپنی مرکزی رکنیت جان بوجھ کر ٹھیک سطح پر رکھتی ہے۔ اگرچہ یہ دل لاکھ سے زائد ہمدردار کان کی حمایت پر انعام کر سکتی ہے مگر 12000 ارکان کے مختصر دستے کوئی مکمل رکنیت حاصل ہے۔ یہ غریب اور محروم طبقے کی جماعت نہیں ہے بلکہ نسبتاً خوشحال طبقے کی نمائندہ ہے۔ اس کو زیادہ حمایت نہیں کرنا کان کے حامل گروپوں و صاحبیتیں رکھنے والے تکمیل یا نہ متوسط طبقے سے ملتی ہے۔ اس ملکہم میں جماعت کو ایک لحاظ سے اس جا گیر دارانہ سیاسی نظام کے رد عمل کے طور پر ابھرنے والی متوسط طبقے کی جماعت کہا جا سکتا ہے جسے یہ ضیر فروشی اور ڈھنائی کی حد تک بدعنوں پر منی نظام قرار دیتی ہے۔

جماعت نے شروع میں قیام پاکستان کی خلافت کی تھی کیونکہ اسے خدا نہ تھا کہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو تحد کرنے کی بجائے تحریم کر کے رکھ دے گی، تاہم اس کے بعد سے یہ کافی حد تک قوم پرست جماعت بن کر رہ گئی ہے۔ مودودی ہندوؤں کو پسند نہیں کرتے تھے اس لئے تینجے کے طور پر جماعت بھی بنیادی طور پر تقریباً ہندو مخالف اور یوں بھارت مخالف تحریم بن کر رہ گئی ہے۔

اور اس مزاج کی بیناد پر اس کا اکثر دیشتر فوج سبیت دیگر سیکولر قوم پرستوں سے بھی اتحاد ہوتا رہا ہے۔ یہ کشمیر کو بھارتی تسلط سے چھڑانے کے نظر پر پہنچی کار بند رہتی ہے۔

اگرچہ جماعت اسلامی اور جے یو آئی واضح طور پر مختلف اخیال رائے و بندگان کی نمائشہ جماعتیں ہیں، تاہم یہ طویل عرصے سے خود کو ایک دوسرے کا حریف تصور کرتی آرہی ہیں۔ مگر انتخابات میں کسی نے بھی بھی اچھی کار کروگی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انتخابی میدان میں ان کی واضح شناخت اس وقت سامنے آئی جب 1970ء کے اولین قوی انتخابات میں انہوں نے وہ فیصلہ نشیں حاصل کر لی تھیں۔ جے یو آئی نے بھی 2002ء میں صوبہ سرحد کے صوبائی انتخابات میں اس وقت اچھی کار کروگی و کھانی تھی جب افغانستان پر امریکی حملے کے شدید رو عمل کے طور پر اسے بھاری اکثریت کے ساتھ اقتدار کے ایوانوں تک پہنچا دیا گیا۔ معمول سے ہٹ کر وکھائے گئے ان مظاہروں کے علاوہ جماعت اور جے یو آئی قوی اور صوبائی اسمبلیوں میں عام طور پر بہت کم نشیں اسی حاصل کر لی ہیں۔ تاہم ان کے سیکولر قوی جماعتوں کی سربراہی میں بننے والی کیفر فرقی حکومت میں ثنویت کے لئے بعض اوقات انتخابی کافی ہوتا ہے کیونکہ اس طرح کی صورتحال میں جب کسی ایک جماعت کے پاس بھی واضح اکثریت نہ ہو تو یہ اسی تعداد بھی زیادہ سے زیادہ فوائد لو سکتی ہے۔ انتخابی میدان میں ان کی ناقص کار کروگی کو سمجھنا مشکل نہیں ہے۔ چونکہ وہ جا گیر وار اسلامی سے باہر ہیں اس نے وہ مریانہ روایات کے اس سلسلے سے مسلک نہیں ہیں جو سیاست کے پڑے دھارے کا رخ مبتین کرتا ہے۔ جیسا کہ پاکستان کے ماہر سیاسی امور محمد ویم نے مجھے بتایا مذہبی جماعتیں جا گیر وار اسلامی سیاست کے گرنہیں جانشیں جہاں رائے و بندگان ایسے امیدواروں کو دو دوست دیتے ہیں جو انہیں یہ لعین دلانے میں کامیاب ہو جائیں کرو، ان کا بھلی کا کافی عرصے سے واجب الادالہ بھرنے میں ان کی مدد کر کے سچے معنوں میں ان کے کام آئیں گے۔

مذہبی جماعتوں کے پاس، مبینہ طور پر جو کچھ ہے، وہ کلی کوچل میں عوام کو تحریر کرنے کی طاقت ہے: یعنی چلائی پر لوگوں کو اس طرح سے تحریر کرنے کا، جہاں یا صلاحیت، جس سے روزمرہ زندگی کے معمولات میں خلل واقع ہو جائے اور مطالبات تسلیم نہ ہونے کی صورت میں تندوکی ذمکنی چھپی دھکلی۔ اگرچہ یہ ساکھو میں برحقیقت ہے مگر اصل حقیقت پہنچا اور ہے۔ جماعت نے 1953ء کے ان مظاہروں میں بھر پور حصہ لیا تھا جن کا مقصد احمدیوں کے تعداد میں کم مگر سماجی

طور پر اس موثر فرقے کو کافر قرار دلوانا تھا جن کا دعویٰ تھا کہ ان کا بانی مرزا غلام احمد رسول اللہؐ کا جائشیں تھا۔ لیکن ایک ایسا دعویٰ جو اعداد اپنے مسلمانوں کے تزویک بھی بلہاڑہ حُرم کا تھا۔ یہ ذوالفتخار علی بھنو کے خلاف عمومی سطح کی اس تحریک میں بھی چیل چیل جس کے نتیجے میں اسے اقتدار سے ہاتھ دھونے پڑے تھے۔ اس کی طبائعِ حُرم کافی عرصے تک اعلیٰ تعلیمی اداروں کے اندر خوف اور دہشت کی عالمت بنی رہی۔ تاہم حالیہ تاریخ میں اسکی کوئی مثال بحثکی ہی نظر آتی ہے۔ مذہبی جماعتوں نے واقعی کوئی عمومی تحریک چلانی ہو یا ریاست کو کسی طرح کے سنجیدہ انتصان سے دوچار کیا ہو۔ یہ ٹکڑے میرے سامنے پلی پنی پنی کی ایک اہم شخصیت نے اس واقعہ کو یاد کرتے ہوئے اچاگر کیا تھا جب جماعتِ اسلامی نے بنظیر بھنو کی پہلی حکومت کے دوران اسلام آباد میں قومی اسٹبلی کی طرف ایک جلوس کی صورت میں چیل تدمی شروع کر دی تھی۔ پولیس کو جلوس روکنے کے احکامات جاری کر دینے لگے تھے۔ اگرچہ جلوس کے شرکاء و مرتبہ کے جانے والا انھی چارج تو برداشت کر گئے تھے مگر جب پولیس نے ہوائی فائرنگ کا سلسہ شروع کر دیا تو اس کے بعد انہوں نے نائم و خبطی کی پرواہ کے بغیر دوڑیں لگا دیں۔ ہماری گھنٹوں کا آغاز گزشت صفات میں یہاں کردا 1999 میں لاہور میں منعقدہ اس سربراہی ملاقات کے فوری بعد ہوا جس میں تو از شریف نے اُن بھاری و چھائی کو مدد عوکیا تھا۔ پنی پنی کے عہد پیار نے اس امر پر کافی اطمینان کا اطمینار کیا کہ جماعت نے اس ملاقات کو بھی ناکام بنا کر کر دینے کا دعویٰ کیا تھا مگر لاہور پولیس نے انہیں لاز کر رکھ دیا تھا۔ مشرف حکومت نے بھی نائیں الیون کے بعد افغانستان پر ہونے والے امر کی حملے کے نتیجے میں جماعت کی طرف سے کئے جانے والے مظاہروں کا بڑی کامیابی سے سامنا کیا تھا۔ اس کے باوجود ایک ایسے ملک میں جہاں کے حکمران معمولات میں قحط سے احتساب کے حوالے سے سنجیدہ ہوں تو تشدد کی دھمکی اکثر اوقات اتنی ای موثر ثابت ہوتی ہے جیسا کہ تشدد کی حقیقی لبر۔ جرزل خیاء کے دور سے اسی مذہبی جماعتیں اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتی چلی آ رہی ہیں تاکہ اپنے ہم پلے سکولر سیاستدانوں پر جو جلدی خوفزدہ ہو جاتے ہیں زیادہ دہاؤڑاں سکتیں۔

خیاء پاکستانی فوج کا ایک ایسا افسر اعلیٰ تھا جو کہ ایک پارساد یونیورسٹی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا اقتدار کے ایوانوں تک غیر متوقع عرب و تاریخ کے ان حادثات میں سے ایک تھا جو اکثر و پیشتر قوموں کی منزل کا تھیں کرتے ہیں۔ وہ آرمی چیف کے عہدے پر اس وقت فائز ہوا

جب ذوالقدر علی بھٹو نے بہت سے سینئر جر نیلوں کو نظر انداز کر کے صرف اس لئے اسے ترجیح دی تھی کیونکہ وزیر اعظم کے ساتھ اس کا روزیہ انجامی خوش ماہنامہ تھا۔ اگر کچھ تھا تو وہ اس کا تسلیم کردہ مذہبی رہجات اسی تھا جس کی نہاد پر بھٹو کے سامنے اس کی پر کہہ کر سفارش کی گئی تھی کہ ایک پارساجر نیل اس کے سول بیس اقتدار کو نیک لانا کارے گا۔ خوش ماہنامہ تھا یا انہیں محرضیاء کے اندر اتنی جرأت ضرور پیدا ہو گئی کہ 1977 کے قومی انتخابات کے مقابل یقینی حد تک بہترین نتائج کے رویل کے طور پر شروع کی جانے والی ملک گیر بھٹو خالف تحریک کے تینیں میں اپنے خیر خواہ کے خلاف کارروائی کرے۔ بھٹو کو اقتدار سے بر طرف کرنے پر بھی اسے جمن نہ آیا تو اس نے اس پر قتل کے اڑامات میں مقدمہ چلانے کی سازش تیار کی اور پوری دنیا سے بڑی بڑی شخصیات کی طرف سے اس کی جان بخشی کے لئے کی جانے والی ایجادوں کو بھی گلچی سے نظر انداز کر دیا۔ خیا کو یہ خوف تھا کہ جب تک بھٹو نہ ہو رہے گا اس وقت تک اس کی جان اور اقتدار دو ہوں گو خطرہ لا جن رہے گا۔

بھٹو سے مستقبل طور پر نجات حاصل کرنے کے بعد خیاء کے سامنے بھی اقتدار کے قانونی جواز کا وہی مسئلہ آگیا جو تمام فوج سکر انوں کو درپیش آتا ہے۔ اس کا ترپ کا پیہ ”نہب“ تھا۔ جیسا کہ ہم دیکھے چکے ہیں جماں نے پاکستان کا تصور جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کے ملک کے طور پر کیا تھا کہ ایک نظریاتی اسلامی ریاست کے طور پر۔ جماعت اسلامی نے اس تصور سے اختلاف کیا تھا مگر اس کو روادار بریلوی اکثریت کی حامل اس ریاست میں زیاد و پہنچ رائی نہ لی۔ جس کے باشدہ ریاستی معاملات کو جا گیر راران سیاسی نظام کے پروردگرنے پر تیار تھے۔ تاہم خیاء کی بھل میں آخر انجیں اپنے خوابوں کی تحریک لگتی۔ اس نے جماعت کی خدمات کو سراہا اور ملک کو گئی سے اس کی تجاویز کے مطابق چالانے کا فیصلہ کرتے ہوئے خاص طور پر ایسے اقدامات کرنے شروع کر دیے جن کا مقصد ملک میں سنی طرز کے اسلام کا نغاہ کرنا تھا۔ شریعت دوبارہ کاروبار حکومت ہن گئی۔

سب سے بڑا ہ کریں کہ اس نے ایک عدوفاقی شرعی عدالت قائم کر دی۔ جس کو اسلامی نظریات سے متصاد قوانین کی تینیں کی تینیں کا اختیار مل گیا تھا۔ اس نے تعریفات پاکستان کے کچھ حصوں میں ترمیم کر کے ان کی جگہ حدود آزاد نیس کے قوانین نافذ کر دیے۔ ان رجھت پسندان قوانین کے تحت ان سزاویں کا اطلاق کر دیا گیا جو قرآن اور حدیث سے اخذ کی گئی تھیں۔ ان میں چہ ایک

محصول حرم کے جرائم، مثلاً عصمت دری، بذکاری، نہب کی بے حرمتی اور چوری وغیرہ کے لئے سُنگِ دری، کوڑے مارتا، اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ دینے کی سزا کیسی شامل تھیں جن پر عملدرآمد کی ذمہ داری روایتی اسلامی قوانین کے مطابق ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ تاہم خوش قسمی سے سماں یا نہ طور پر بخت گیر قوانین شہادت کی بناء پر جو کہ جرم کے ثبوت کے طور پر ضروری تھے، مثلاً دیبا دو سے زائد اشخاص کی شہادت وغیرہ ان بخت گیر حرم کی سزاوں کا یا تو بہت کم صورتوں میں اطلاق ہوا یا پھر ان پر سے سے عملدرآمد ہی نہ ہوا۔ حدود آرڈننس میں سب سے بڑا مزماء آرڈننس وہ تھا جس میں عصمت دری کے حوالے سے قوانین کا احاطہ کیا گیا تھا۔ ایک عورت اگر کسی پر عصمت دری کا الزام عائد کرتی تھی تو اس کے لئے ثبوت کے طور پر چار مردوں کی گواہی پیش کرنی ضروری تھی، جو کہ عملی طور پر تقریباً ناممکن کام تھا۔ عصمت دری کے طزم پر الزام ثابت کرنے میں ناکامی کا نتیجہ ہم عورت پر بذکاری کے الزام کی صورت میں نکل سکتا تھا کیونکہ عصمت دری کے الزام کے اندر یہ اعتراف مضر ہوتا تھا کہ عورت نے اس کے ساتھ جنسی فعل کیا ہے۔ دوسرا طرف مذہبی جذبات کی بے حرمتی کا قانون متعالی حکام کی طرف سے ہمسائی اور دوسری مذہبی اقلیتوں کو ہر اسال کرنے کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔

ضیاء نے فرقہ وران آگ کو ہوا دینے کے لئے زکوٰۃ کی کٹوٹی بھی لازمی قرار دے دی۔ اگرچہ شیعوں کے لئے تو یہ قابل قبول تھا مگر شیعہ اس سے ناخوش تھے جنہوں نے اس کے خلاف آواز بلند کرنی شروع کر دی۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے اقدامات جو کہ شیعہ فرقے کے خلاف اور خاص طور پر اس کے لئے بھی موجب فساد تھے کہ ان کا ناغاذ ایک ایسے وقت میں عمل میں آیا جب کہ ہماری ملک ایمان میں نازہ نازہ اسلامی انقلاب نے پاکستان کے اندر شیعہ فرقے کی مذہبی حس کو تیز کر دیا تھا۔ شیخ حنفی تحریک نفاذ فتح جعفریہ (TNFJ) کا قیام محل میں لا یا گیا تاکہ ملک میں شیعہ فرقے کے مخدوات کے تحقیق و فروغ کا مقصد حاصل کیا جائے اور یہ تحریک ضیاء کے زکوٰۃ و عشرہ آرڈننس اور اس طرح کے دوسرے اقدامات کی خلافت میں بھی پیش پیش تھی۔ اگرچہ ضیاء نے اپنی علمی تسلیم کر لی اور شیعوں کو زکوٰۃ کی لازمی کٹوٹی سے مستثنی قرار دے دیا، تاہم شیعہ سُنی فساد کے اولین بیان دیے گئے تھے۔ ضیاء نے بریلوی آبادی کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا تھا جو حکومت کی طرف سے مساجد اور مزارات کو ضوابط کے تحت لانے کی کوششوں پر بخت نالاں تھی جو ان کے

خیال میں دیوبندیوں کو خوش کرنے کی پالیسی تھی۔ یوں ان دو فرقوں کے درمیان کچھ شروع ہو گئی اور اس کا نتیجہ 1984ء میں بارشائی مسجد لاہور میں ہرے اتصاد کی صورت میں لکلا۔ خیاء کی غلطی یہ تھی کہ وہ ایک ایسے معاشرے میں اسلامی شریعت نافذ کرنے کی کوشش کر رہا تھا جس میں مختلف فرقوں کے درمیان اسلام کی کسی ایک مسئلہ پر اتفاق رائے کا حصول امکنی مسئلہ بلکہ تقریباً ناممکن نظر آتا تھا۔ یوں جہاں پہلے چھوٹے چھوٹے سائل پائے جاتے تھے وہاں اب ایک بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔

اپنے پیشوں والی اور پھر اپنے جائشیوں کی طرح خیاء نے سرکاری شبے میں تعلیم کی اصلاح کی کوئی کوشش نہ کی۔ تاہم ایک منفرد کام یہ کیا کہ سرکاری اسکولوں کے اخراجات میں کسی کروں اور دینی مدرسون کے فروغ کے لئے رقم مختص کر دیں اور جسی کہ اس مقصد کے لئے زکوٰۃ کی رقم بھی استعمال کرنے سے دریغ نہ کیا۔ ان مدرسون میں جو کہ مذاہی فرقوں کے زیر انتظام تھے اور جن میں زیادہ تر دیوبندی تھے، طلباء کو بہت تنگ نظر ان، تقریباً صرف مذاہی نظریات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ چونکہ اکثر مدرسون میں رہائش اور کھانے کی سہولیات مفت تھیں اس لئے غریب گھرانوں میں ان کی معمولیت تیزی سے بڑھنے لگی جہاں بیک وقت بہت سے بچوں کو پالنا مان ہاپ کے لئے مشکل ہوتا تھا۔ یہاں پر تعلیم کی اسناد کی مسئلہ میں کوئی انسی و ستاویز نہیں دی جاتی تھی جس کے ذریعے انہیں اقتصادی یا کاروباری شبے میں کسی قسم کی ملازمت کے حصول میں مدد ملتی۔ زیادہ باصلاحیت اور ذہین طالب علم اسلامی مدرسون یا مساجد میں مذہبی خدمات انجام دینے کا کام کرنے یعنی مولوی یا چیش امام ہن جانے تک اسی قاعدت کر لیتے۔ جن میں سے بعض تو خود اپنی عی مساجد قائم کر لیتے۔ اس ساری صورتحال کا نتیجہ مذاہی نظریات کے پھیلاؤ میں تسلسل سے تیزی آنے کی صورت میں لکلا اور مدرسون کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوتا شروع ہو گیا اور یہ عمل ابھی تک جاری ہے۔

خیاء کی طرف سے ملک کو اسلامی نظریات کے ساتھے میں ڈھالنے کے پروگرام کے نتیجے میں مذاہی ہنیاد پرستی پر مبنی نظریات ایسے حقائق کی صورت میں سامنے آئے کہ اس کے سیکولر جائشیوں کے لئے ان سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں تھا۔ مذاہی جماعتیں تسلسل سے اس امر کے لئے کوشش ہیں کہ خیاء دور میں حاصل کر دو اور کوہر حال میں برقرار رکھا جائے اور اس حوالے سے

کسی بھی قسم کی مخالفانہ کوشش کے رد عمل کے طور پر وہ عوام کو سرکوں پر لانے کی دھمکی دینے سے بھی گرہ نہیں کرتیں۔ مشرف دور میں مدعی چند باتیں کی پامالی کے حوالے سے بنائے گئے قوانین میں بجوزہ تراجم کرنے کو کوششوں کا بھی سینی انجام ہوا، اگرچہ مشرف عصمت دری کے قانون کو حدود آزاد فیض سے خارج کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تاہم ملک کو اسلامی نظریات کے ساتھے میں ذہالئے کے حوالے سے چالائی جانے والی ہم کے مسلسل اڑاث مختص عوام کو سرکوں پر لانے کی دھمکی تک محدود نہیں رہتے۔ ضیاء سے قبل اس امر پر کوئی اتفاق رائے نہیں پایا جاتا تھا کہ آیا پاکستان کو جتوپی الشیاء کے مسلمانوں کے ٹلن کے علاوہ ایک نظریاتی اسلامی ریاست بھی ہونا چاہئے یا نہیں۔ البتہ ضیاء کے دور میں ابھر کر سامنے آئے والے ملک میں یہ یقین سرات کر گیا تھا کہ پاکستان کو ایک لحاظ سے اسلامی نظریات کی عکاسی کرتے والا معاشر و بھی ہونا چاہئے اگرچہ اس کا اصل مفہوم پوری طرح کسی پر بھی واضح نہیں تھا۔ اس نظریے یا فرمان پر کار بند رہنے کی ضرورت پاکستانی طرز کی سیاسی راستبازی بن کر رہی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ انگریز سیاستدان ضیاء وور کی اصلاحات پر اس خوف سے تحدید نہیں کرتے کہ ان کو اسلام نہیں ہونے کا القبط حطا کر دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ بھی تکول اور قوم پرست نظریات کی حامل فوج میں بھی اگر کوئی پاکی لڑائی کے دوران مارا جائے تو اسے شہید کا خطاب دے دیا جاتا ہے۔

اگرچہ ضیاء نے اسلامی نظام نافذ کرنے کا پروگرام 1977ء میں افتخار پر قبضے کے تقریباً نور آبادی شروع کر دیا تھا تا ہم 24 دسمبر 1979ء تک پاکستان میں کوئی بھی جہادی یا تکفیری پسند فرقہ و روان حکم موجو نہیں تھی۔ یہ وہ دن تھا جب سوویت یونین نے انقلاب افغانستان پر حملہ کیا تھا۔ اس کے بعد آئے والے جنگ و جدل سے بھر پور عرصے نے پاکستان کو یہی کے لئے تبدیل کر کر دیا۔ سوویت یونین کے حملے کے وقت پاکستان اور انقلاب افغانستان کے تعلقات پہلے سے ہی تاریخ کا ایک طویل اور تجھ بنا پکھے تھے۔ غیادی اختلافات پشتوں کے مستقبل کے حوالے سے تھا جو دلوں ملکوں کی مشترکہ سرحد کے دلوں طرف آباد تھے۔ یہ مسئلہ بر طائفی دور حکومت سے ہی چلا آ رہا تھا۔ بر طائیہ کی طرف سے انقلاب افغانستان کو رصریح میں روشنی مداخلت کے خطرے کے خلاف ایک روک کے طور پر استعمال کرنے کی کوششوں کا آغاز 1842ء میں اس وقت شروع ہو گیا تھا جب اس کا انقلاب افغانستان میں تعمیت پورا کا پورا فوجی و سنتی کابل سے خوفناک پہاڈی کے دوران پشتوں قبائل

کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ تاہم اس وقت بھی پشتونوں کی اکثریت افغانستان کی بجائے اس سکھ سلطنت کے دور راز مغربی علاقوں میں رہائش پر یقینی جس کا دار الحکومت لاہور کے مشرق کی طرف بہت دور واقع تھا۔ جب برطانیہ نے 1849ء میں سکھوں پر فتح حاصل کی تو انہیں علم ہوا کہ ادی پشاور کے اندر مرجھر پشتونوں کی وہ وسیع آبادی بھی ان کے زیر حکومت آچکی ہے جو کہ اپنی افغان شاخ سے یا کسی طور پر پہلے سے یہی عیحدہ ہو چکی تھی۔ یہ اس وقت کوئی اعتماد اسلامک شہنشاہ کیونکہ سرحدی علاقے نتو اجتنے واضح طور پر الگ الگ تھئے نہیں ان پر گران تھیں تھا کیونکہ سرحدی کی ضرورت تھی۔

تاہم تمیں برس کے اندر اندر صورتحال تک رسیدیں ہو گئی۔ روی افغانستان کی شانی سرحدوں تک پہنچ چکے تھے، اس لئے برطانیہ نے یہی نتیجہ تلاکا کہ داشتندی اسی میں ہے کہ افغانستان کے ساتھ خود اپنی سرحد کا تھیں کر دیا جائے تاکہ رومنیوں کی ہزیزہ مداخلت کے خلاف روک کے طور پر کام آسکے 1893ء میں انہیوں نے انہیں سیکرٹری خاجہ سر ہنری مورٹر ڈیورنڈ کو افغان پادشاہ کے ساتھ اس حوالے سے گفت و شنید کے لئے کامل روانہ کر دیا۔ ان لماکرات کے نتیجے میں آخر کار جس سرحد پر اتفاق رائے ہوا، جو بعد میں بھی ڈیورنڈ کے نام سے ڈیورنڈ لائن کی جانے لگی، اس کے نتیجے میں برطانیہ کے قبضے میں وہ علاقے آگئے جنہیں بعد میں صوبہ سرحد اور قبائلی علاقہ جات کے نام سے پکارا جانے لگا، جن دونوں کو بعد ازاں انتظامی لحاظ سے پہلے بخاب سے اور پھر ایک دوسرے سے عیحدہ کر دیا گیا تاکہ پاکستانی پشتونوں اور ان کے افغان بھائیوں کے درمیان ایک رسمی آزاد قائم کی جاسکے۔

افغانستان کے پادشاہ نے معاهدے پر نہ صرف اپنی رضا مندی ظاہر کروی بلکہ جب معاهدے پر ایک مرتبہ دھنکا ہو گئے تو ڈیورنڈ کی شاندار ریاست بھی کڑا ایں۔ تاہم افغان پشتونوں جو افغانستان کے سب سے بڑے نسلی اگرہ میں شمار ہوتے تھے اور جو حکومت میں بھی سب سے زیادہ تعداد میں تھے پشتون عوام کی اس سیاسی تفہیم پر بھی بھی خوش نہیں ہوئے۔ تاہم یہ صورتحال صدقی سے زیادہ عرصہ تک برقرار رہی جب تک کہ برطانیہ کی اس خطے سے روانگی اور پاکستانی ریاست کے وجود میں آنے کے بعد انہیں اس محلے پر ازسر تو غور کرنے کا موقع نہیں مل گیا۔ اس وقت تک پاکستان کی طرف رہنے والے پشتونوں کی آبادی افغان پشتونوں کے مقابلے میں دو گنی

ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود افغانستان نے نہ صرف پاکستان کو اقامت متحده کی رکنیت ملنے کی مخالفت کی بلکہ افغان تماںدوں نے یہ دلیل بھی پیش کی کہ ذیور ڈلان کا کوئی قانونی جواز نہیں ہے کیونکہ اس کا معاملہ برطانوی راجح کے تماںدوں سے کیا گیا تھا نہ کہ حکومت پاکستان کے ساتھ۔ اس کی بجائے افغانستان نے برطانوی راجح کے پیشوںوال علاقوں کو عظیم تر افغانستان میں شامل کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے اس کی سرحدوں کو دریائے سندھ کے کناروں تک وسعت دینے کی تجویز کا اعلان کر دیا۔ عظیم سے قل، تاہم برطانیہ کی طرف سے کرانے جانے والے ایک احتساب رائے کے مطابق صوبہ سرحد کے پیشوںوال نے کثرت رائے سے پاکستان کے اندر شامل رہنے کے حق میں نصہ دے دیا۔ تاہم یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان علاقوں میں پوشش کے باوجود وہنوں ممالک کے درمیان تعلقات میں کوئی تقابل ذکر بہتری نہ آسکی۔

افغانستان کی طرف سے اپنے مقیوضہ علاقوں کی بازیابی کی اس کی پالیسی کے پس پردہ اصل میں محمد اوسیمی شخصیت تحریر تھی جو افغانستان کے بادشاہ ظاہر شاہ کارشنہ دار اور بذات خود بھی پیشوں نسل سے تھا۔ وہ 1953 میں وزیر خارجہ ہاتھ اور پاکستان علاقے پر افغانستان کے دھوئی پر نہ صرف اپنا اصرار جاری رکھا، بلکہ 1960 میں اپنے دعوؤں کو معاملہ سے کے درست فرقی کی طرف معاملہ کی شخوں کو خیر رکھنے کے اصول کی پابندی کی شرط کا حوالہ دیتے ہوئے، درست ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے قبائلی علاقوں میں اپنی افواج بھی روای کر دیں۔ تاہم اس ہم کے دروان واؤ نے ذیور ڈلان سے بھی بہت آگے بکھ پیش قدمی کروی تھی اور بعد میں اسے بادشاہ نے دہان سے لکھا۔ اس کے باوجود اس نے بعد میں آتے والے پرسوں میں اپنا مقدار دوبارہ چکا لیا اور آخر کا 1973 میں اپنے شاہی رشتہ دار کے خلاف بغاوت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مقامی تقابل کی مدد سے اس نے ملک کو سودیت یونین کے قریب لانا شروع کر دیا جو کہ افغانستان کا سب سے بڑا خیر خواہ بن گیا۔ یوں افغانستان کے دھنکاک رہنماء کے دوبارہ بزرگ اقتدار آنے اور سودیت یونین میںی دوسری عالمی طاقت کے ساتھ اس کے بڑھتے ہوئے تعلقات نے پاکستان کے اندر خطرے کی گفتگیاں بجاں شروع کر دیں۔ اس کے جواب میں ذوالقدر علی بھنوکی حکومت نے داؤد حکومت کو پریشان کرنے کے نئے طریقے دریافت کرنے شروع کر دیے۔ اس مقصد کے لئے داؤد کی طرف سے جلاوطن کئے گئے ان افغانیوں کا انتخاب کیا

حکیما جنہوں نے داؤ کی طرف سے ملک بدری کے بعد صوبہ سرحد کے وال حکومت پشاور میں ایک روکان لی تھی۔ یہ لوگ جمیعت اسلامی کے کارکن تھے جو کہ پاکستانی جماعت اسلامی کی ہم نام افغان رشتہ دار جماعت تھی۔ فوج کو 1969ء میں جنگ کے دوران انڈیا میں اپنی بری طرح ناکام ہو جانے والی گورنمنٹ جنگ کی حکمت عملی کو دوبارہ آزمانے کے موقع پہنچا رہا تھا۔

جمیعت، جو کہ دینیات کی تعلیم دینے والے تاجک نسل کے پروفیسر بہان الدین ربانی کی سربراہی میں کام کر رہی تھی، کوئی نظریاتی مقصد نہیں رکھتی تھی۔ پاکستانی جماعت اسلامی کی افغان مشاہدہ کو نہ صرف پشاور میں اپنے صدر وفات کے قیام کی کہوت حاصل تھی بلکہ داؤ کو حکومت کی ہڈیں کھوکھلی کرنے کے لئے پاکستان کی مدد کرنے پر بھی آمادہ تھی۔ جمیعت اسلامی اپنے اندر نسلی بیلادوں پر پھوٹ پڑنے والی سیاسی محاوا آرائی کی بیلاد پر جلدی دو بیلادوں میں تقسیم ہو گئی، جن میں سے ایک نسلی تاجک دہڑا جس کی سربراہی ربانی اور اس کے اہم ترین رفیق کارا حمد شاہ مسعود کے پاس تھی اور دوسرا نسلی پشتون دہڑا جس کی سربراہی ٹکنڈیرن حکمت یار کے پاس تھی جس نے اس کا نام حزب اسلامی رکھا۔ تاہم شروع شروع میں یہ دونوں دہڑے کے ہاد جو دو پاکستانی حیات کے افغانستان کے اندر کسی خاص قسم کی پیشرفت کرنے میں ناکام رہے۔ ان کی سب سے نمایاں کوشش جو کہ 1975ء میں داؤ کی شیخ شیر کے اندر مسعود کی طرف سے کی جانے والی بغاوت کی صورت میں سامنے آئی، بہت آسانی سے ذلت آمیزناکی سے دوچار گردی گئی۔

تاہم خود داؤ حکومت کے اندر بھی بہت ہی تجدیلیاں پرورش پارہی تھیں۔ داؤ داپنے اور گروکیوں نہیں کی موجودگی سے دن بدن پر بیٹھانی کا شکار ہوتا تھا اور اس نے انہیں اپنی صفوں سے نکلنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا۔ اس نے روی امداد پر اپنا انعام حکم کر کے شاہ ایران اور انڈیا کی طرف ہاتھ بڑھانا شروع کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے پاکستان کے ساتھ مذاکرات پر بھی آمادگی طاہر کر دی تھی۔ پالیسی میں اس تجدیلی نے نہ صرف سودیت یونین بلکہ اس کے افغان کیونٹ رفقاء کے اندر بھی خطرے کا احساس پیدا کر دیا۔ آخر کار 1978/79ء میں افغان آرمی کے اندر کیونٹ نواز طاقتوں نے داؤ کے خلاف کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس کی جگہ ایک کیونٹ حکومت قائم کر دی جس نے تیزی سے سو ہستکپ کے ساتھ تعلقات بحال کرنے لئے۔ روی افغانستان کو دوبارہ اپنی گود میں پا کر بہت خوش ہوئے مگر ان کی خوشی

اس وقت پریشانی میں تبدیل ہو گئی جب ایک برس کے بعد و مخابر دھڑوں میں اقتدار کے لئے ہونے والی نگرش کے نتیجے میں ایک آزاد خیال اغیر جانبدار کیونسٹ حفیظ اللہ امین مظفر عالم پر آگیا۔ حفیظ کو درکار کراپنے تابع کرنے میں ناکامی کے ساتھ اسی افغانستان کو اپنے ہاتھوں سے ایک مرتبہ پھر نہ لٹکنے کی بھجنلاہت میں انہوں نے اس ملک پر حملہ کرنے کا فیصلہ کرتے ہوئے حفیظ اول بلاک کر دیا اور اس کی جگہ ایک قابل اعتماد شخصیت کو اقتدار دے دیا۔

افغانستان پر سویت حملے کے وقت پاکستان اور امریکہ کے مابین تعلقات انتہائی سرد ہبری کا شکار تھے۔ صرف ایک ماہ قبل ہی جماعت اسلامی کی طلباء تنظیم اسلامی جمیعت طلباء کی سربراہی میں ایک جلوس نے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے پر حملہ کر کے اسے آگ لگادی تھی جس کے نتیجے میں عمارت جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ وہ اس افواہ پر اشتعال کا مظاہرہ کر رہے تھے کہ اسلام کی سب سے مقدس عبادت گاہ، یعنی مذکورہ مظہر پر مسلمانوں کے ایک شدت پسند مگر تاحال نامعلوم گروہ کی طرف سے قبضے کے پس پر وہ جس کے مقاصد فوری طور پر سامنے نہیں آئے تھے، امریکہ کا ہاتھ ہے۔ سفارت خانے پر حملے کے دوران وہ امریکی اور دوپاکستانی ملازم بلاک ہو گئے تھے۔ امریکی سفارت خانے کی تین عمارتیں میں راکھ کے ذمہ کے اندر پرانی عمارت کے آثار کی فتوحات ابھی تک رکھی ہوئی ہے۔ اس پر اپنی عمارت کے جانے پہنچانے مگر بری طرح جلے ہوئے وفات اور راہداریوں کے نوش پر مشتمل ایم کے اور اق پلٹے ہوئے جسم میں خوف و احتراپ کی ایک اہمی ووز جاتی ہے کیونکہ عمارت بھی بالکل پرانی عمارت کے نمونے پر تیار کی گئی ہے۔ واحد فرق صرف یہ ہے کہ زخمیوں کے ملأپ سے بنائے گئے اس نگار کی جگہ ہے آسانی سے عمور کیا جا سکتا تھا اور جو سفارت خانے کے گھن کا احاطہ کیے ہوئے تھا، سرخ اینہوں کی ایک مولی اور پارو فٹ اوپنی دیوار تعمیر کر دی گئی ہے جس کے اور پر خاردار تاریخ لگادی گئی ہیں۔ اس دن سے اسلام آباد کا سفارت خانہ ایک سفارتی طرز تعمیر کی عمارت کی بجائے اپنی ہنری اوقافی طرز کی جیل کی طرح لگتا ہے۔

سفارت خانے پر حملہ کرنے والے طالب علم رہنمایان ایرانی طلباء کے نقش قدم پر جل رہے تھے جنہوں نے دس ماہ قبل تہران میں امریکی سفارت خانے پر دھواں بول دیا تھا اور ہو سکتا ہے وہ ان کی ہو بولنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ پیچھے مڑ کر دیکھا جائے تھے ۱۹۷۱ کا سال انجام

پسندی کے عروج کے حوالے سے ایک فیصلہ کرن سال لگتا ہے، جس میں ایرانی انقلاب اور کم مختار پر قبضے کے واقعات نے ان مغربی اثرات کو مسترد کر کے رکھ دینے کے حوالے سے ابتدائی جگہ یلغار کا کام کیا جو اپنی فطری روشن پر ابھی تک روایا دواں ہیں۔ اس کے علی اسباب کا سرا کسی حد تک مااضی میں مصر میں دیبات کے ماہر اور اخوان اسلمین کے رکن سید قطب کی تحریروں سے جا ملتا ہے۔ اگرچہ سیکولر ہم رکھنے والے حال عبد الناصر نے قطب کو 1968 میں چھائی دے دی تھی، تاہم مغربی اقدار پر اس کی تختیہ، سیکولر مسلمان حکمرانوں کے لئے خارت اور تصدیق جہادی کار انجوں کی حمایت پر مشتمل اس کے نظریات کی بدولت شدت پسندوں کی پے در پے جہادی تنظیمیں وجود میں آگئیں 1979 کے ذرمانی واقعات کو اس تبدیلی کا مظہر گرواں جاسکتا ہے جس کے تحت نظریات کی مخلص سیکولر، اکثر اوقات باکسیں بازو کے رحمنات کی حال ایک قوم پرست تحریکوں، مثلاً پی ایل او کے ہاتھوں سے لکل کر جو کہ مغرب کی اسلامی خالقات میں جیش جیش حصہ، شدت پسند عقائد کی حال اور جہادے جذبے سے سرشار ٹھیکیوں کے ہاتھوں میں چل گئی ہے۔

تاہم اسلام آپا دے امریکن سفارت خانے کے اندر محصور ان امریکی مازیں کے ذہن میں یہ سوچ دور دوڑک موجوں تھی جہنوں نے حملہ آوروں سے پہنچنے کے لئے خود کو سفارت خانے کی فولادی چادروں کے ذریعے مضبوط بنائی تھی دیواروں والے کمروں میں بند کر لیا تھا۔ وہاں وہ گھنون انتشار کرتے رہے جبکہ ان کے پاؤں تسلی فرش پیچے گلی ہوئی آگ کے شعلوں سے مسلسل پتاشروع ہو گئے تھے۔ وہ اپر چھٹ سے پیچے کی جانب چلائی جانے والے گولیوں کی آواز سن سکتے تھے اگرچہ فوج کا ہیڈ کوارٹر وہاں سے صرف نصف گھنٹے کی مسافت پر تھا مگر پاکستان کے خانہتھی اداروں کے عملے کا کوئی رکن بھی اور گردکھائی بھیں دے رہا تھا اور جو آخر کار درون ذہنے کے بعد تاثیر سے وہاں پہنچتے دکھائی دیے۔ اس وقت سے کچھ تھی دری پہلے، خوفزدہ امریکیوں نے جو کہ بند کمروں کے اندر تھیں سے بھجن رہے تھے آخر کار خود کو اس امر پر قال کر لیا تھا کہ بھجن کر مر جانے سے بہتر ہے کہ وہاں گولیاں کھا کر مر جائیں اور یوں وہ باہر نکل آئے۔ خوش قسمتی سے ان کے لئے اس وقت تک سفارت خانے کا احاطہ پائی گئی۔ جل کر را کھا ہو چکا تھا اور صوت کا پیاسا جھوم اپنی بیاس بھجا کر منتشر ہو چکا تھا۔ جس وقت یہ ذرمانی واقعات قوع پنیر ہو رہے تھے اس وقت خیاء الحن ساتھ دالے شہر اوپنڈی میں سائیکل کی پر لطف سیر کرنے میں مصروف تھا جس کا مقصد

ایک بھت مند زندگی کے فوائد کا ہر کرنا تھا۔ اسے شاید یہ محسوس ہوا ہو گا کہ امریکہ کو اس الناک صورت حال میں اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی مناسب رہے گا۔ سفارت خانے کے جلسے سے سات ماہ قبل پریل کے میئنے میں کار رائٹ فامیس نے سکھن تریم کے تحت پاکستان کی اقتصادی اور فوجی امداد مuttle کر کے رکھ دی تھی۔ اس کا مقصد پاکستان کی طرف سے ایسی تھیار بنانے کے پروگرام پر ناٹھکی کے اظہار کے ساتھ ہی ضیاء کی طوال پکڑتی ہوئی اس آمریت پر بھی ناگواری کا احساس ظاہر کرنا تھا جو بعاثت کے دور میں بعد ہر لحاظ سے مستقل ہوتی نظر آ رہی تھی۔

وہ اتفاقات جن کا اختتام اسلام آباد میں سفارت خانے پر ہونے والے حملے کی صورت میں ہوتا نظر آ رہا تھا، امریکہ۔ پاکستان کے زیادہ تر زوال پری روابط کی طویل تاریخ میں تازہ ترین اضافہ تھے اپنے وجود میں آنے کے پہلے عشرے کے دوران امریکہ کے دو عدد وفاقی اتحادوں میں شمولیت اختیار کر کے پاکستان امریکہ کا قریبی فوجی حلیف رہا تھا۔ روابط کے افق پر پہلا سیاہ بادل 1962 میں اس وقت تھواڑا ہوا تھا جب امریکہ نے کیونٹ چین کے خلاف ہارلی ہوئی جنگ میں پاکستان کے دشمن بھارت کا ساتھ دیا تھا۔ بعد ازاں، جیسا کہ ہم نے ہاب اول میں ویکھ 1965 میں کشیر پر ہونے والی جنگ میں امریکہ نے جنگ جاری رکھنے کے لئے درکار فوجی اسلحے کے قاتو پر زوال کے فراہمی روک کر امریکہ نے ایوب حکومت کے قدموں تسلی سے زمین کھٹکی تھی۔ ان اتفاقات نے دو الفقار علی بھنو کو بالکل ہی بخفر کرے رکھ دیا تھا، جو کہ اس وقت وزیر خارجہ تھا اور جس نے پالیسی ترجیحات تبدیل کر کے چین کے ساتھ وہی کام ادا کرنے کے ساتھ ہی غیر جانبدار تحریک (NAM) میں شمولیت اختیار کری تھی۔ اگرچہ بعد ازاں امریکہ نے بند دیش کے مسئلے پر پاک بھارت اتحاد میں پاکستان کو سفارتی تعاون سے نواز دیا تھا، مگر پاکستان کے نزدیک اب تاخیر ہو چکی تھی۔ تاہم یہ ساری صورت حال اس دن یکسر تبدیل ہو کر رہ گئی تھی جس دن روس نے افغانستان پر حملہ کر دیا تھا۔

امریکہ افغانستان پر ہونے والے روئی حملے کو بیانشہ کت غیرے سرو جنگ کے عدے سے دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ نے دیبا کے مختلف حصوں میں اپنے حاوی ممالک کے ذریعے جنگیں لائل (proxy wars) کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا، مگر دوسری جنگ قومیم کے بعد ایسا پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ سودا بیت یونیون نے ایک ایسے ملک پر حملہ کر دیا تھا جو اس سماں میں شامل نہیں تھا۔

امریکہ کو خدشہ تھا کہ روس نے صرف افغانستان کے حوالے سے مقاصد رکھتا تھا بلکہ اس کا حقیقی ہدف یا نشان پاکستان تھا جس کے ذریعے وہ بھیجہ عرب کے گرم پانچال تک رسائی حاصل کرنا اور مشرق و مغرب میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ پاکستانیوں کے پاس ان چھترافیانی حکومت علیمیوں پر غور کرنے کا کوئی وقت نہیں تھا۔ وہ تو اپنے مغرب کی طرف ایک اسکی قیمت دشمن طاقت کو خودار ہوتا دیکھ کر چونکے ہو گئے تھے جو کہ ایک اسکی کمیونٹ حکومت کی حمایت کریں تھی جوڑ بورڈ لائن کو اپنے پیش روادو سے کم اہم گردانی کرتی تھی۔ اس کے بعد پاکستان اور امریکہ کے درمیان جس پاکستانی تعاون کا آغاز ہوا وہ ایک طرح سے مصلحت یا مفاد کی شادی تھی۔ اگرچہ اس کے جمل کرتباہ ہو جانے والے سفارت خانے کی راکھا بھی پوری طرح صاف نہیں ہوئی تھی، امریکہ کا ذہن پسلے سے زیادہ اہم معاملات میں الجھ کر رہا گیا تھا۔ اس نے خیاں حکومت کی طرف اسن کا سدر یعنی پھجویا اور اپنی مدد کی پیشکش کر دی۔

اس کے بعد بتدریج سامنے آنے والے معاہدے کے تحت ڈمڈاریاں تقسیم کر دی گئیں۔ پاکستان کے ذمے یہ طے پایا کہ وہ افغانستان میں سراہیت کر کے روس کے خلاف گوریلا جنگ کی کارروائیاں کرنے کے لئے ہائیون کو منتظم کرنے، تربیت دینے اور انہیں مسلح کرنے کا فریضہ سر انجام دے گا۔ اس کے مصارف امریکہ ادا کرے گا۔ خیاں نے اس حوالے سے درکار وسائل کا انتہی کر لیا تھا۔ اقتدار میں آنے کے بعد اس نے عمل کا آغاز وہیں سے کرتے ہوئے چھاں بھنوںے چھوڑا تھا، حکومت یار اور بانی کے مجاہدین کی ان کے پشاور والے جلاوطنی کے نہ کرانے پر مالی امداد چاری رکھی۔ خیاں کی حلیف پاکستانی جماعت اسلامی کے ساتھ ان کے مضبوط تعلقات کی بناء پر اس کا انہیں استعمال کا مقصد صرف عملی صورت حال کے قابضے پورے کرنا ہی نہیں تھا بلکہ نظریاتی مفاد پورا کرنا بھی تھا۔ اور اب اس نظریاتی مفاد کے لئے اسے پیسے ملے کی توقع بھی تھی۔

خیاں نے کارروائیاں کی طرف سے 40 کروڑ ڈالر کی بندائی پیش کیں تھیں اور کروڑی تھی، مگر بعد میں آنے والی تکلیف انظامیہ کافی حد تک زیادہ فراخ دل تھی جس نے پیش کیں ہیں 3.2 کروڑ ڈالر کروڑی تھی۔ سعودی عرب نے بھی چھے میں روس کے سراہیت کر جانے کا اتنا ہی خوف تھا جتنا کہ امریکی ڈالر کے مساوی ایک ڈالر۔ چین اور مصر نے بھی اندوکی پیش کیں کروڑی۔

خیاں نے افغانستان میں بغاوت کی کارروائی کی گھرائی کے لئے فوج کے خیزہ اوارے

ائزبر و رہائشی بھس دائرہ کنوریت المعرف آئی اس آئی کی مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔ آئی اس آئی کے عملے میں زیادہ تر عارضی طور پر تعینات فوجی افسروں شامل تھے اور یہ 1948ء میں پاکستان بننے کے لیکے ہر س بحدقہم کی گئی تھی۔ تاہم افغانستان شرودیں خالف بغاوت برپا کرنے میں اس کے کردار کی بدولت اسے پاکستانی ریاست کے معاملات کے حوالے سے جو نمایاں ترین مقام حاصل ہوا جس سے وہ کبھی بھی مکمل طور پر مستبر وار نہیں ہوئی۔ بعد ازاں اس کا کردار ایک ایسے نیادی وسیلے کے طور پر سامنے آیا جس کی وساطت سے پاکستانی حکومت انتہاء پسندی اسلامی ٹھیکھوں سے لیں رہیں کرتی رہی اور فوج نے پس مظہر میں رہنے ہے تکلی سیاست کا رفع تھیں کرنے کی کوشش کی۔ گزشتہ کئی برسوں سے یہ اصرار سامنے آ رہا ہے کہ آئی اس آئی ایک بدقاش ٹھیک یا اوارہ ہے جس کا مقصد صرف اپنے بیرونی اور داخلی اہداف کا حصول ہے۔ تاہم یہ امر واحی خیں ہو سکا کہ اس طرح کا فرسودہ نظریہ کجاں سے تراش کے پھیں کیا گیا ہے۔ اس کی سب سے زیادہ امکانی و خاصحت یہ ہے کہ اس ادارے کا اتنے نمایاں انداز میں سرگرم رہنا جس کے کارکنوں کے ہارے میں یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ہر درخت کے پچھے چھپے ہوتے ہیں، اس نظریے کو تقویت دیتا ہے۔ اس طرح کی افواہوں کے ذریعے خود کو آئی اس آئی کی بعض قیاز خدا روانیوں سے دور کرنے کی حکمت عملی کے باعث خود فوج پر بھی اس صورت حال کی پکھنہ پکھنہ مدد اوری حاصل ہوتی ہے۔

میں نے فوج کے بہت سے اعلیٰ افسروں سے اس موضوع پر گزشتہ برسوں کے دوران کافی تباولہ خیال کیا ہے اور ان سب نے اس فرسودہ نظریے کو بالکل واضح طور پر مسترد کر کے دکھ دیا ہے۔ ان سب کا اصرار ہے اور بڑی شدود مکے ساتھ کہ آئی اس آئی صرف فوج کی قیادت کی طرف سے واضح کر دیا گیا ہے اس فوج کے تحت یا پھر آرمی ہیڈ کوارٹر سے جاری کردہ برہہ راست امکانات کے جواب میں کارروائی کرنی ہے۔ اپنے اس موقف کے دفاع میں وہ یہ کہتا جاگر کرتے ہیں کہ آئی اس آئی کے بہت سے افسروں کو فوج کے اندر سے عارضی طور پر تعینات کیا جاتا ہے اور وہ مزید ترقی کے لئے فوج پر اخشار کرتے ہیں۔ وہ یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ آئی اس آئی کے سربراہ کے آرمی چیف کے ساتھ ڈاتی اور پیشہ وار اس وہ لوں سطحون پر قریبی تعلقات ہوتے ہیں۔ فوج کا سربراہ اشفاق کیا تی بھی اس سے قبل شرف کی تھیں میں آئی اس آئی کا سربراہ وہ چکا ہے۔ میرے جانے والے ان افسروں کا یہ بھی اصرار ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، کہ پاکستانی فوج ایک پیشہ واران

تمامِ مظہم ادارہ ہے جس کے افسروں حکم عدالتی کارخان نہیں رکھتے۔ بعض تو یہ تسلیم کرنے پر بھی تیار ہیں کہ اگرچہ آئی ایسی آئندگی نظر سے ہمیں کنٹرول میں آتی ہے مگر جب جاگیرداروں کی حکومت آتی ہے تو اس کی بنیادی وفاداری اپنے ہانی ادارے کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔

بھیسے ہی آئی ایسی آئی کے ہدایات کے مطابق کی جانے والی بغاوت نے روز پہنچنا شروع تو پاکستانیوں نے باعثیوں کو مجاہدین اور بغاوت کو جہاد کہنا شروع کر دیا۔ چنانچہ اس صورتحال کے باعث اس افسوسی نظریے کو تقویت ملی کہ باعث قومی مذہبی جذبے سے مرشار ہیں اور خود اپنے طور پر کاروائی کر رہی ہیں نہ کہ پاکستانی حکام نہ ہمہ پر۔ اس کے علاوہ اس لڑائی کو مذہبی رنگ دینے کے باعث عموم کی نظریوں میں بھی ان کا وقار بلند ہو گیا۔ یہ بالکل وہی جھکنڈہ یا حکمت عملی تھی جو کہ 1965 کی پاک۔ بھارت جنگ میں ایوب حکومت نے استعمال کی تھی اور کشمیر میں لڑنے کے لئے بھی جانے والی غیر رسمی فوجوں کو بھی مجاہدین کا خطاب دے دیا گیا تھا۔ اور افغان ناظر میں تو یاد بھی ضروری تھا کیونکہ پاکستانی اس امر کا سر عام اعتزاز کر کے کہ وہ مجاہدین کی حمایت کر رہے تھے سو یہت یو نہیں کو اپنے ملک پر حملہ کا جواز نہیں دیا چاہتے تھے 1965 کی مثال اور افغانستان کی مثال میں بنیادی فرق یہ ہے کہ افغانستان کی صورتحال میں سب سے اہم ہائی گروہ دار مصل مذہبی گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ تاہم اس کے علاوہ ایک اہم ممالکت بھی پانی جانی تھی اور وہ یہ کہ 1965 میں اپنے پیشوؤں کی طرح افغان مجاہدین قوم پرستی کے جذبات سے بھی مرشار تھے۔

و درہ سیوں کو اپنی سرزین سے ٹکال کر ریاست کا کنٹرول اپنے ملک کے کئے پتی کیونکہ حکمرانوں سے چھین لینا چاہتے تھے۔ اس جہاد میں حب الوطنی کے جذبات کا خصر بھی شامل تھا۔ درہ سیوں سے برپیکار جہادی تحریکوں میں گلگھدین حکومت یار کی حزبِ اسلامی اور احمد شاہ مسعود کی سربراہی میں لڑنے والی جمیعتِ اسلامی پیش ہیں۔ انہوں نے افغانستان کے اندر سے جو ٹکلوں بھرتی کئے ان میں سے اکثر ان کے جذبے تک صرف اس لئے جمع ہو گئے تھے کیونکہ وہ سو یہت یو نہیں کے خلاف جذبہ حبِ الوطنی سے لمبڑ تھے۔ اپنے جماعتی پس منظر کے باعث ان کے پاس بھرتی ہو کر آنے والے صرف دیوبندی مکتب فکر کے لوگ نہیں تھے۔ بھرتی کر دہ بہت سے افراد صوفیان اسلام کے ہیروکار تھے جس پر افغان پشتو نوں کی اکثریت با وجود دیوبندی نظریات سرایت کر جانے کے آج بھی عمل ہے۔ حتیٰ کہ اہل تشیع کو بھی مجاہدین کی صفوں میں خوش آمدید کیا گیا تھا۔

مقامی حالات سے آگاہی کے اضافی فائدے کے باعث ان باغیوں نے روی تالقوں پر حملے کر دیے اور افغان شہروں اور قصبوں میں تباہیات روی فوجی وستوں اور رور راز واقع فوجی چوکیوں پر تباہ توڑھم کے تباہ کن حملے کر دیے۔ جیسے جیسے لارائی شدت اختیار کرتی گئی افغان شہروں نے وہاں سے فرار ہو کر پاکستان پہنچنا شروع کر دیا اور صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں میں واقع مہاجر کیپیوں میں پناہ کیلئے آنے والے افغان مہاجرین کی تعداد میں لاکھوں پہنچ گئی۔ اور یوں مجاہدین کی بھرتی کے لئے اضافی ذخیرہ پیدا ہو گیا۔

مسعود کے مقابلے میں زیادہ شدت پسندانہ حکمت عملی اور مذہبی روحانی رکھنے کے باعث حکمت یار آہستہ آہستہ آئیں آئی کی پسندیدہ شخصیت بن گئی۔ وہ مرف ایک اچھا کمال طبقاً بلکہ ایک ایسا افغان پشتوں بھی تھا جو پاکستان کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے ہر دم تیار تھا اور یہ پاکستانیوں کی نظر میں جو اپنی سرز من پر نہیں والے پشتوں کے خلاف افغان منصوبوں سے کافی عرصہ سے نکل آئے ہوئے تھے، ایک بہت ہی پسندیدہ وصف تھا۔ وہ ایک ایسا مجاہدین لیڈر بھی تھا جس کے پاکستانی کی جماعت اسلامی سے بہت قریبی تعلقات تھے۔ یہ آئی میں آئی کی توقعات کے مطابق ایک اسکی افغان تیادت تھی جو سودویت افواج کی روائی کے بعد نظر میں نہیاں طور پر ابھر کر سامنے آئی تھی۔ مسعود اور اس کا سیاسی مرشد بر بان الدین ربانی، اس کے برکس، نسلی طور پر تاجک تھے جن کے اندر وطنی ایشیائی ثقاافت کی جملک نہیاں تھی جبکہ پاکستان کے ساتھ ان کے کوئی خاص مراسم نہیں تھے۔ ابتداء سے ہی زیادہ مضبوط نہ ہونے کے باعث حکمت یار اور مسعود کے درمیان تعلقات وقت کے ساتھ ساتھ ہر یہ کمزور ہوتے گے۔

اگرچہ سودویت خلاف جنگ میں یہ افغان حظیں مسلسل نہیاں کردار ادا کرتی رہیں، تاہم عالمی سطح پر زیادہ وسیع اسلامی تحریرات و اہداف رکھنے والے ہر دنی عاصر کو اس جنگ میں شامل ہو جانے میں زیادہ وقت نہیں لگا۔ ان میں سب سے نہیاں عبد اللہ یوسف اعظم نامی وہ سعوی نژاد فلسطینی ماہر دینیات تھا جو سید قطب کی تحریروں سے متاثر تھا۔ روی حملے کے ہی عرصہ بعد اس نے ”ڈینیس آف مسلم لینڈز“ کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا تھا جس میں اس نے مسلمانوں سے انتباہی تھی کہ وہ فلسطین اور افغانستان کو کافروں کے پیچے سے آزاد کرنے کے لئے جہاد کریں۔ اس طرح کی انتباہی کی قوم پرستانہ جنبدی کی بنیاد پر نہیں کی گئی تھی۔ اس میں مرف ایک

ایسا جہادی لائچی محل پیش کیا گیا تھا جس کا مقصد مسلمانوں کو مغربی ایجاد کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ بعد ازاں عظیم صوبہ برحد کے دار حکومت پشاور آگئیا جہاں اس نے ہم خیال جہادیوں کو بھولن اپنے ساتھ شاگرد اسامہ بن لاون کے جو کہ سعودی شاہی خاندان سے قریبی تعلقات رکھتے والے ایک بہت سی دولت مندوں پر باسرخ ماہر قیمتیات کا پینا تھا، اپنی طرف راغب کرنا شروع کر دیا۔ اس کا ایک اور جہادی ساتھی ایمن الطواہیری بھی جو 1981ء میں مصر کے صدر انور سادات کے قتل کے بعد اپنی مخلوک سرگرمیوں کی بنا پر قید کروایا گیا تھا، ایک مقامی خبراتی ہسپتال میں کام کرنے کے لئے پشاور آگئی تھا اور بعد ازاں اس نے یہی رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

قطب اور عظیم کے برعکس بن لاون اور الطواہیری نے تو دینی علوم کے ماہر تھے اور نہ ہی مولا۔ وہ سیکلر خیالات کے حال طبقے سے تعلق رکھتے والی تعلیم یا فتویٰ عصیت تھیں، جو کہ قطب اور عظیم کی تحریروں سے متاثر ہونے کے علاوہ مغرب کے ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی و برہادی پر پریشان اور دیگر نظر آتی تھیں۔ ان کا موازنہ کی خاطر سے نیولیٹ کی طرف رہ جان رکھنے والے ہلائی متوسط طبقے کے ان نظریاتی کارکنوں سے بھی کجا جاسکتا ہے جو ساختہ کی دہائی کے اداخیں منظر عام پر آنے والی تھیں، مثلاً ویدر انڈر گراؤنڈ (Weather Underground) اور پدر منہاجیان (Baader-Meinhof) کی طرف مائل تھے۔ وہی طور پر دولت مندوں کا پیشہ اور گروہ بھاہر کی طرح کی نا انصافیوں سے دلبرداشتہ ہو کر وہ اس بر سرا فتدار طبقے کی ذمہت میں پیش پیش ہتھے ہے وہ ان ساری انصافیوں کا ذمہ دار بھتھتے تھے اور اپنے رومان پسندان اخلاقی متعاصد کی سمجھیں میں ان کے خلاف ظالمانہ حد تک کاروائی کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ بن لاون اور سعودی عرب کے بہت سے اور خیراتی اداروں کے فرماہم کروہ و سماں کی بدولت مشرق و مشرقی اور جنی کو دور رواز کے دیگر علاقوں سے بھی انتہاء پسند نہ جوان مسلمان ان کی صفوں میں شامل ہونے کے لئے پاکستان پہنچ گئے۔ مستقبل بعد میں جماں کر دیکھنے کی صلاحیت یا ارادے کے نہادن کے باعث امریکہ خود بھی بیرونی علاقوں سے آنے والے ان جہادیوں کو بھرتی کرنے کے حق میں نظر آتا تھا۔ اگرچہ ان بیرونی جہادیوں کا میدان جگ میں لڑنے والے مجاہدین میں تابع، بہت کم تھا، مگر وہ ساری اسلامی دنیا سے آنے والے اخلاقی مجاہدین کے اپنی نوعیت کے بہت اہم اولین اتحادوں کا جزو لازم تھے، لیکن ایک ایسی صورت حال جس کا متبہ اتحادوں کی پیدائش کی صورت میں سامنے آتا تھا۔

اگرچہ باہر سے بھرتی کے جانے والے جہادیوں میں اکثر ہست و بایوں کی تھی، مگر دیوبندی بھی وقت کی پکار پر بیک کہہ رہے تھے۔ پاکستان کے احمد اولیٰں جہادی تعلیم یافتہ بلائی طبقے سے ٹھیں آئے تھے بلکہ دیوبندی مدارس کی بیویاوار تھے۔ پاکستان کی اپنی جہادی تعلیم کی نیاز دیوبندیوں کے سب سے مصروف مدرسے جامع احکام اسلامی، کراچی کے طباء نے 1980 میں رکھی تھی۔ وہ روی کیونسوں کے خلاف چاری مزاحمت سے بہت متاثر نظر آتے تھے اور اس کے خلاف کچھ کرنے پر تھے ہوئے تھے۔ مجاہدین کی صفوں میں شامل ہونے کی امید کے ساتھ پشاور کی طرف سفر کرتے ہوئے انہوں نے ہم خیال مقامی پشتوں سے روابط استوار کرنے ہوئے ان کے ساتھ مل کر حركت الجہاد اسلامی (HJI) کی نیاز درکھذالی۔ ان کو سب سے زیادہ جہادی، درجنہ اور شاید سیکلروں کی تعداد میں ان مدرسوں سے فرامہ کئے گئے جو بے یو آئی نے خیام حکومت کی شرپ صوبہ مرحد میں قائم کرنے شروع کر دیے تھے۔ ان مدارس کو نہ صرف زکوٰۃ کی صورت دستیاب دسائیں فرامہ کئے گئے بلکہ سعودی عرب کی طرف سے فرامہ کردہ ان امداد سے بھی نواز اگیا جو سودیت حملے کے بعد بے یو آئی کے صندوقوں میں بھرتی شروع کر دی گئی تھی اگر دیوبانی تعلیم نہیں تھی۔ ان ذرا مانی حالات میں سعودی عرب اسلامی قوانین کی تحریک کے حوالے سے معمولی سے اختلافات کو اس عظیم مقدمہ کی راہ میں حائل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

اگرچہ یہ بذات خود بھی بھی۔ نہ اس وقت اور نہ اپ۔ ایک جہادی تعلیم نہیں رہی، مگر بے یو آئی افغانستان میں ایک اہم کروار ادا کرنے کے لئے چیاب نظر آتی تھی۔ یہ اپنی حریف جماعت اسلامی کے برابر، جس کی ہم خیال افغان حظیں جہاد کا بہت بڑا وجہ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھیں، بلکہ مکٹھ طور پر اس سے بھی زیادہ فوائد حاصل کرنا چاہتی تھی۔ الگ تھک کھڑے رہنے پر اسے جو شرمندگی یا نادامت محوس ہو رہی تھی اس کا ایک اہم سبب یہ حقیقت تھی کہ یہ بذات خود بھی، اکثر مجاہدین تعلیمیوں کی طرح، ایک پشوون تعلیم تھی۔ عدم توازن کو دور کرنے کے لئے اس نے اپنے مدرسوں میں افغان مہاجرین کی بھرتی کا عمل جیز کر دیا جس کی صفوں سے بعد ازاں بہت سے طالبان برآمد ہوئے۔ تاہم یہ اس نے بھی شاداں و فرحاں ہو رہی تھی کہ اس کے پاکستانی طلباء نئی وجود میں آئے والی یو جے آئی میں شامل ہو رہے تھے یا پھر برادر راست افغان مجاہدین کی صفوں میں شمولیت اختیار کر رہے تھے۔ سودیت حملہ آوروں کے خلاف کارروائی میں حصہ

لینے والے 150,000 مجاہدین میں سے یو جے آئی کے تقریب 400 کارکن مجاہدین کے شانہ بٹانہ لڑنے والوں میں شامل تھے جو اگرچہ معمولی مجرم اہم تعداد نہیں ہے۔ جب فروری 1988ء میں آخری روئی سپاٹی بھی افغانستان سے روانہ ہو گیا تو وہ ابھی تک دہیں موجود تھے، ایک مختلف چاری طاقت کی طرح۔

تاہم سودیت خالف جدوجہد نے پاکستان پر مخفی 4000 مقامی چہادی کارکن پیدا کرنے کی نیبت زیادہ گہرے اثرات مرجب کئے۔ اس انتہا پسندانہ اسلامی جذبے کے ساتھی جس کے نتیجے میں ہے یو آئی کے مدرسون میں زیر تعلیم طلباء ایج یو جے آئی میں شامل ہوتے تھے، صوبہ سرحد اور قبائلی علاقوں میں اسلامی کی بھرمار بھی دیکھنی جانے لگی کیونکہ افغان جنگ کے دوران پھری کئے گئے اسلامی کی پکجہ مقدار اس طاقت کے اندر سراہت کر گئی تھی اور یوں کلاشکوف کلپر عام ہو گیا۔ جب میں نے صوبہ سرحد کے ایک بہت بڑے زمیندار سے سوال کیا کہ اس کا کیا مطلب ہے تو اس نے کہا کہ جب دہلزا تھا تو اس کے باپ اور روسے زمینداروں کے پاس بندوقیں ہوتی تھیں مگر اب یہ بندوقیں ملاؤں کے پاس بھی آگئی ہیں۔ اسلامی کی اس قدر آسان رسائی جو آہستہ آہستہ صوبہ سرحد کے ہاہر بھی پھیلتا جا رہا تھا ملک میں تشدد پرمنی فرقہ و رادہ مفادات میں اضافے کا ایک اہم سبب بن گئی۔ مگر مفادات کی یہ چیگاری صوبہ سرحد میں نہیں بھڑکتی تھی جس کی پشوون آبادی میں سینوں کا تناسب بہت زیاد تھا بلکہ جنوبی طور پر ایک سنی طاقت تھا مگر جہاں طویل عرصے سے دولت مند شیعہ جا گیرداروں کا راجح چلا آ رہا تھا۔

یہ سرایگیں طلاق اپنی آئی تھی جہاں حق نواز تھنکوئی نامی ایک ملائے 1988ء میں پیدا ہوئے پاکستان (esp) کی بنیاد رکھی تھی۔ یا ایک بھگبود یونیورسٹی پر یونیورسٹر گروپ تھا جو ایک دوست گرد تھیم کے علاوہ ایک سیاسی جماعت کی آن بان بھی رکھتا تھا۔ اپنے زمانے کی مخصوص پیداوار یہ تھیم ایران کے شیعہ انقلاب اور اس کے مقابلے میں خیادی کی طرف سے پاکستان کی شیعہ آبادی کی سیاست میں بڑھتی ہوئی دلچسپی کے رد عمل کے طور پر مظہر عام پر آئی ہے۔ ایک سٹل پر اس نے اس سُنی پر یونیورسٹر گروپ (TNFJ) کے مقابلے میں سنی طاقت کے مظاہرے کا کام کیا، جس نے شیعہ فرقے کو کوڑکوڑ سے مستھنی قرار دینے کے حوالے سے کامیابی کے بعد بھی شیعہ مفادات کے لئے سرگرمیاں جاری رکھیں۔ تاہم اس تھیم کا حصی مقصد مخفی سنی مفادات کا فروغ نہیں تھا۔ اس کا مقصد شیعہ فرقے کو

غیر مسلم قرار دو کارس کی اسی طرح نہ مت کرنا بھی تھا جس طرح اس سے گزشتہ عشرے میں احمدی فرقے کے ساتھ ہوا تھا۔ اسیں ایس پی کو سرائیکی پیٹا میں بیانی طور پر اس لئے طاقت حاصل ہوئی تھی کیونکہ یہاں سنیوں کی اکثریت دولت مند شیعہ زمینداروں سے سخت حاصلت رکھتی تھی جو کہ خلطے کی سیاست اور معیشت پر طویل عرصے سے غالب چڑھتے آ رہے تھے۔ اس کو سب سے زیادہ حمایت شہری متوسط طبقے سے حاصل ہوئی جو کہ مقامی کار و ہاری لوگوں پر مشتمل تھا۔ اس عرصہ کے دوران سرائیکی علاقے میں دیوبندی مساجد اور مدارس کی تعداد میں بھی شیعہ مختلف جنپر کی بدوات اچھا خاصہ اضافہ کیجئے ہیں آیا۔ مدارس میں جن کی اکثریت صوبہ سرحد میں ہے یو آئی کے مقابله کے لواروں سے مسلک تھی، زیادہ تر طلباء شیعہ زمینداروں کے لئے کام کرنے والے مقامی شخصی مزاریں کے خاندانوں سے آتے تھے۔

اس لئے یہ شاید کوئی اچھیبھی کی بات نہیں ہے کہ افغانستان میں شدت پکڑتے ہوئے جہاد ورثتے میں اسلحے کی بھرمار کی بدوات اسیں ایس پی اور اُن ایف جے کے درمیان حاصل تھدر کی صورت اختیار کر گئی 1988ء میں حارف حسین اُسکی کو جوہلی این ایف جے کی قیادت کے درجے تک پہنچ گیا تھا اور بڑھتی ہوئی حماڑ آرائی کے راستے پر گامزن ہو چکا تھا، غالباً اسیں ایس پی کے بندوقی برداروں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ وہاں بعد شیعہ انتقام لینے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے سپاہ مجاہد کے ہاتھ تو اسی تھکنگوی کو گولیاں مار کر ہلاک کر دیا۔ بعد ازاں تھکنگوی کی ہلاکت کے بعد چلنے والی باہمی انتقام پر جنی ہلاکتوں کی لہر کا نتیجہ جس کی زدوں لاہور میں ایک ایرانی سفارت کا رہبھی آ گیا تھا 1987ء میں سپاہ محمد تھکنگیل کی صورت میں سامنے آیا جو کہ اُن ایف جے کی ایک چھوٹی سکریٹریا و قائدہ شاخ تھی۔ اس کے بہت سے ارکان روں مختلف جہاد کے تحریر کار جا باز تھے جنہیں ان کے شہید پس مظہر کے باوجود جاہدین کی غالب سنی اکثریت پر مشتمل صفوں میں خوش آمدید کیا گیا تھا۔ اس کختے کو فرقہ ورانہ فسادات کی سیاست میں ان کی شمولیت کے موقع پر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اس دوران ہاتھ تنظیم ایم ایف جے نے بالکل ہی مختلف حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے اپنا نام تبدیل کرنے کے ساتھ ہی حماڑ آرائی میں بھی کی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اگرچہ سپاہ مجاہد نے اپنے جوش خطاہت کو کم کرنے کے حوالے سے کوئی زیادہ پیش رفت

نہ کھلائی تاہم اس نے قومی سٹریک کی سیاست میں روپی ہی لئی شروع کرتے ہوئے 1988ء میں عوامی اسلامی کی نشستوں پر اپنے امیدوار کھڑے کر دیے تھے۔ حق نواز ٹھنڈوی اس برس خود تو کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا مگر 1990ء میں اس کے قتل کے بعد تظییم کے تھے تاہم رہنماء مولانا اسرار الحق قادری کو کامیابی حاصل ہو گئی تھی جس سے یہ ثابت ہوتا تھا۔ اس وقت تک سراسر ایک علاقوں میں شید و خالف جذبات کس طرح پروان چڑھ پکے تھے 1994ء تک سپاہ محمد مکا خود اپنا ناموں و جوہ میں آچکا تھا۔ لفڑی ٹھنڈوی جیسا کہ اس کے باقی کے اعزاز میں پاک راجا تھا، جنم اور عزائم کے لحاظ سے پہنچا تھا۔ لفڑی ٹھنڈوی کھٹکی تھی، اور سپاہ محمد کی طرح زیادہ تر جنگی تحریر کئے والے مجاہدین پر مشتمل تھی۔ اگلے کئی برسوں تک دونوں تظییموں میں انتخابی ہلاکتوں کا سلسلہ جاری رہا جس میں انتباہ پسندی دیوبندی تظییم کا پلزا بھاری رہا تھا۔ 1998ء میں میرے پاکستان علیچے تک لفڑی ٹھنڈوی فرقہ و رانہ فسادات کی دلدل میں بری طرح چکا تھا اور ریاست کے خلاف فیصلہ کن انداز میں تحریر ہو جانے والی اولین تظییم کی صورت میں مظہر عام پر آرہا تھا۔

اگرچہ 1989ء میں روپیوں کی افغانستان سے روپی کے وقت اس طرح کی بہت سی تہذیبوں ابھی مستقبل کا حصہ تھیں، تاہم پاکستان کو مذہبی خطوط پر تعمیر کر کے رکھ دینے والے فرقہ و رانہ فسادات کی بنیاد اسی وقت رکھ دی گئی تھی۔ دیوبندی فرقے کے اندر پیدا ہونے والی یہ تحریک بذریعہ انجی یو جے آئی کی محل میں اس جہاوی جذبے کے ساتھ ملتم ہو جاتی ہے جس کی نمائندگی ہزاروی کے اختتام پر جیش محمد کی بنیاد رکھنے کی صورت میں ہوتی ہے۔ تاہم فروری کے اس دن یہ سب کچھ مکمل طور پر پاکستانی حکام کے دہم و مگان میں بھی نہیں تھا۔ صرف یہ کہ روپی افغانستان چھوڑ کر جا رہے تھے بلکہ امریکہ بھی اپنی مالی امد اطم کر کے، اپنی سفارتی سرگرمیوں میں ذرا ماہی حد تک کی کر کے اور پاکستان کو روپی مخالف جہاد کے خوشنگوار اثرات سے عینے کے لئے اکیلا چھوڑ کر اپنی حمایت و تعاون کا سلسلہ ختم کر رہا تھا۔ روپی اپنے یہچے جوانفان کی بیرونی حکومت چھوڑ گئے تھے وہ ابھی تک زوال پر رہنی ہوئی تھی جیسا کہ سب توقع کر رہے تھے، بلکہ مجاہدین کے خلاف اپنی مدافعت برقرار رکھے ہوئے تھی۔ کابل میں فتح کا کوئی جلوس نہیں لکھا۔ لا ایجوس کا سلسلہ جاری رہا اور جس صورت حال کو بعد میں افغان خان جنگی کا نام دیا گی اور شروع ہونے والی تھی۔

امریکہ، سوویت افواج کی واپسی اور مشرقی یورپ میں سوویت یونین کی ٹکست و

ریخت ہیسے و اتفاقات کی ابھن کے ساتھ ایسی تھی خیاروں کے پھیلاؤ ہیسے دیگر مسائل کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ ڈیزیڈ برکس سے کچھ ہی زیادہ عرصے کے بعد اکتوبر 1990ء میں امریکہ نے اپنے سابق صلیف پر تحریری پابندیاں عائد کر دیں۔ یہ پابندیاں پر یسٹر ترمیم کے تحت عائد کی گئی تھیں، یعنی ایک اسکی قانونی کارروائی جس کا مقصد سمجھنے ترمیم کی طرح پاکستان پر دہاڑنا تھا کہ وہ اپنے ایسکی پروگرام سے دستبردار ہو جائے گا۔ تاہم اس امر کا کوئی امکان نہیں تھا کہ پاکستان ایسا کرے گا کیونکہ وہ ایسی تھی خیاروں کو اس حقیقت کے پیش ظراحتی تو ہی حکمت عملی کا ایک اہم جزو گردانے ہیں اور گردانے رہیں گے کہ افریقی کے پاس بھی ایسی تھی خیار ہیں۔ پر یسٹر ترمیم کا مقصد پاکستانیوں کو اس حقیقت کی یاد و باتی کرنا تھا کہ امریکہ کی امداد میں صرف عدم قابل پایا جاتا ہے بلکہ یہ ناقابل انحصار بھی ہے۔ پاکستان کے سول اور ملٹری طقوں میں اکثریت کے نزدیک پر یسٹر ترمیم ان کی عزت اور دقاری پر ایک طلاقچو ہونے کے ساتھ ہی امریکہ کی طرف سے بے وفائی کا ایک ایسا اٹھ تھا جو پاک۔ امریکہ کی تعلقات کو طویل عرصے کے لئے بدناک کر گیا۔

مگر اس کے ساتھ ہی پاکستان افغانستان میں اپنی کامیابیوں پر بوجوہ مطمئن نظر آتا تھا۔ یہ کامیابی، درحقیقت، اس نے اکیلے حاصل نہیں کی تھی۔ امریکہ اور سعودی عرب کی مالی امداد نے اس حوالے کو سے فیصلہ کرن کردار ادا کیا تھا۔ طیار ٹکن سنگھر میراں گلوں نے، جو کہ مجاہدین کو 1986 کے شروع میں فراہم کئے گئے تھے، انہیں وہ حقی برتری عطا کی تھی جس کی پہلوت وہ سوداگر یوں نہیں کو افغانستان سے نکل جانے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ تاہم آئی ایسی آئی کو یقین تھا کہ اسے ہر حال ایک اہم سبق حاصل ہو گیا ہے۔

اس نے دیکھا تھا کہ کس طرح دشمن کو ٹکست دینے کے جذبے سے سرشار باغیوں کا ایک مختصر سا گروہ اس کی رہنمائی اور اسلام کی عظمت و سر بلندی قائم رکھنے کے حrok کے تحت کارروائی کرتے ہوئے اس وقت کی دنیا کی دوسری عظیم طاقت کو بھی گھٹکے چکنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ یہ ایک ایسا سبق تھا جیسے وہ بکھونا نہیں چاہتی تھی۔ اولین جہادی اور قشید فرقہ ورانہ تھیموں کی تھکیل کی جا چکی تھی۔ ان کی صفوں کو مجاہدین فراہم کرنے والے مدارک کی تعداد میں تجزی سے اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ صرف شمال مغرب میں پشتونوں کی سر زمین پر بلکہ جنوبی پنجاب کی سرائیں پیٹی میں بھی۔ اگر چہ ابھا پسند اسلامی تو توں کا تناسب پاکستان کی بھومی آبادی میں بہت ہی کم تھا مگر جواد کیلئے ان

کا جو شہ و خروش ایک بہت ہی خطرناک اختیار ہن جانے کے امکانات کا حامل تھا بشرطیکہ ان کی  
شدت پسندی پر پاکستانی حرب دلوٹی کاربنگ چے ہار یا جاسکتا۔

افغانستان میں انگلی کا میاں پر نازار، آئی ایس آئی انگلیں ایک اہم وسیلہ سمجھنے گئی تھیں نہ کہ  
کوئی خطرہ۔ لیں اگر ضرورت تھی تو ایک عظیم مقصد کی۔



## کشمیر، اندیا، اور جہاد کی سرکاری سرپرستی

یہ 1986ء میں بھارتی مقبوضہ کشمیر کا ایک مسلمان دیہات ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان کرکٹ کے ایک علیحدی خیز میان القوامی مقابلے کے حصی مرٹلے پر دینہ یو سے نظر ہوئے تھے کوئی نہ کرنے کے لئے دودو کا نول پر لوگوں کا گلوگام آنکھا ہے۔ اس سارے مقابلے کے دوران پاکستانی نجم نے کسی ایجمنی کا رکرڈ گی کا مظاہرہ نہیں کیا اور ان کی جیت کے امکانات بہت ہی کم ہیں۔ وہ اپنی آخری بال کھینے والے ہیں ابھی کسی رن بنانے باقی ہیں۔ ان کی جیت کا صرف ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے اور وہ ہے ہوم رن (میں بال میں وہ رن جس کے بعد کھلاڑی پورے میدان کا چکر لگا سکے) کی طرح کا کوئی موقع جو کہ امریکہ کے میں بال کے کھیل کی نسبت کرکت میں بہت کم ملتا ہے۔ تاہم جادیہ میاندار اس طرح کا نایاب مظاہر کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور بال کو پوری طاقت سے گھما کر شینڈ میں پھیکتے ہوئے ایک یقینی نظر آنے والی فکست کے جزو سے زرامی کیجھیں میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یقین پر والی تھرہ منٹے ہوئے دیہاتیوں کو اپنی ساعت پر بکھلی ہی یقین آتا ہے۔ وہ اس اچانک مجزوہ نمائی پر خوشی سے جھوم اٹھتے ہیں۔ مگر تم ظرفی تو یہ ہے کہ وہ بھارت کے شہری ہیں اور خود اپنی قومی نجم کے خلاف پاکستان کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ اپنی کتاب "کرنو ناٹ" میں بھارتی صحافی بشارت ھدھنے اپنے بھپن کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے اس واقعے کی جس طرح مظلومگشی کی ہے وہ اس حقیقت کا منہ بولتا ہوتا ہے کہ کس طرح مخفی ایک والہ کشمیر میں مسلمانوں کی اس ملک سے اجنبیت کی بھرپور عکاسی کرتا ہے جس میں کہ وہ رہائش پذیر ہیں۔ ان کی زندگی میں اور جو بھی خواہش ہو گریا ایک

ناگزیر حقیقت ہے کہ وہ انڈیا کے ٹکونمینس رہنا چاہتے۔ میاندوکی طرف سے ایک شامدار فوج کا باعث بننے والے اس چکے کا واقعہ 25 برس پر اتنا ہو چکا ہے اور اس دوران بہت سے اور واقعات بھی دنماہوں پکھے ہیں، تاہم وقت گزرنے اور بھارتی حکومت کے خلاف بغاوت کے دوران میں ہزار سے زائد فراود کی بلاکت کے باوجود بھی یہ نیادی حقیقت اپنی جگہ برقرار ہے۔ کشیری مسلمان مجوہی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

1965ء میں اس وقت بھی حکومت وقت کے خلاف ساثھ سے جب ایوب نے ایک بغاوت کو جنم دینے کی امید میں وادی کشیر کے اندر اسی فوج کی قیادت میں غیر رسی فوجیں اتنا روئی تھیں۔ تاہم وہ ربع صدی کی تاریخ سے، اس کرکت مقابلے کے محل میں بر سر ہجدا یا کرنے میں کامیاب ہو گئے ہے کشیری اپنا انتقام کرتے ہیں۔ ان دو واقعات کے درمیانی برسوں کے دوران پیش آنے والے واقعات سے یہ دھاخت ہو جاتی ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ جیسا کہ تم نے باہ وال میں لیکھا ہے ایوب کی طرف سے کشیری میں بری طرح ناکام ہو جانے والی کارروائی کے آغاز کے چھ برس بعد پاکستان انڈیا کے ساتھ ایک اور جنگ کی جاد کن غلطی کر دیا تھا جس کا نتیجہ بھروسے محدودی کی صورت میں برآمد ہوا۔ خورشی پر پا کر دینے والا یہ واقعہ صرف پاکستان پر بہت گہرے اثرات مرتب کر گیا بلکہ وقت جمل میں مقید کشیری رہنمای عہد اللہ کے لئے بھی اہم مضرات کا حوالہ ثابت ہوا۔ انڈیا کی حکومت نے اسے 1968ء میں اس وقت رہا کرو یا تھا جب بری گھر کی تحریک ساری کی ساری آبادی اس کے استقبال کے لئے اللہ آئی تھی، مگر وہ اسی طرح باقی نظر آتا تھا جیسا کہ وہ ہمیشہ سے رہا تھا اور اسی لئے 1965 کی طرح اسے ایک مرتبہ پھر فوراً جمل میں داخل دیا گیا۔

تاہم میں بر سر 1971 کی جنگ میں پاکستان کو ہونے والی عبرت اک فکست کے بعد وہ اس تھی نتیجے پر پہنچ گیا کہ ایک آزاد خود مختار کشیر کے لئے اس کی امیدیں کمیں پوری ہونے والی۔ خود آگئی و خود شناسی کے چار برس اور گزر جانے کے بعد اپنی زندگی کے اختتام پر پہنچتے ہوئے اس پوز میں آدمی نے آخر کار تھاون پر آمادگی ظاہر کرتے ہوئے نیو دلی کے ساتھ محابہ کے تحت ایک خود مختار کشیر کے مطابق سے دستبردار ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے پہلے اسے فروری 1975ء میں وزیر اعلیٰ کے طور پر سری گنگے کے تحت پر بخادیا گیا۔

غیرے کے زیادہ برسوں کے لئے نیو دلی کے ساتھ کیا جانے والا معاملہ نافذ ا عمل

رہا۔ شیخ عبداللہ کا آخر کار 1982ء میں انقلال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کے بیٹے فاروق عبد اللہ نے لے لی جس کی شہرت ایک رنگین مزاج شخص کی تھی۔ سیاسی طور پر تاجر پ کار فاروق نے ابتداء میں ہی ملک تجویزوں کی بنیاد پر 1984ء میں افغانی کے پاریمانی انتخابات میں حکمران جماعت کا گرس کے خلاف بننے والے حزب خالف کی جماعتوں کے اتحاد میں شمولیت پر رضا مندی ظاہر کروی تھی۔ کامگرس کے زد دیک یہ 1976ء میں اس کے باپ کے ساتھ ہونے والے سمجھوتے کی خلاف ورزی تھی اور ان نے پردے کے پیچھے رہتے ہوئے اسے اس کی اپنی ہی جماعت کے ہاتھوں اقتدار سے بالکل اس طرح محروم کر دیا جس مرح 1953ء میں شیخ عبداللہ کے خلاف شورش کروا کے اسے بھی اقتدار سے بے خل کر دیا گیا تھا۔ اس کے نتیجے میں پردے کشمیر میں مظاہرے شروع ہو گئے جن پر تابو پانے کے لئے بھارتی حکومت نے بے دھڑک انداز میں بار بار کرنو گانے کے ساتھ ہی ہجر المشرقی فور سر بھی تعینات کر دیں۔ دو برس بعد بھارتی حکومت نے ہندوؤں کی اقیتی آبادیوں پر کشمیری مسلمانوں کے حللوں کے رد عمل کے طور پر انتظامی امور برہا راست نیو ڈلی سے نشانے کا فیصلہ کر لیا 1986ء کے اختتام پر فاروق عبد اللہ نے، جو کہ اقتدار میں واپسی کے لئے بے تاب تھا، آخر کار بھارتی حکومت کے ساتھ اپنے طور پر نیا معاہدہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنے پیشو اور والد شیخ عبداللہ کی طرح اس نے اقتدار میں واپسی کے لئے نئی ڈلی کے تائی فرمان رہنے پر آمادگی ظاہر کروی۔

تاہم اپنے مشہور و مقبول والد کی طرح فاروق کو کشمیری خواہ کی حمایت حاصل نہ ہو سکی۔ انہوں نے اس کی طرف سے اطاعت شعار اس سمجھوتے کو مایوس کن جذبات کے ساتھ تسلیم کرنے کی بجائے خاتر کے ساتھ مسترد کر دیا۔ اس مرتبہ پر وہ مراجحت کرنے پر ٹل پکھے تھے۔ آنے والے موسم بہار میں کشمیر کے اندر مقامی سلیمانی پر ہونے والے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے جلدی میں حزب خالف کی جماعتوں پر مختل ایک اتحاد تکمیل دے دیا گیا۔ اس اتحاد نے اچھی کارگردگی کا مظاہرہ کیا مگر اس کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوا؛ عبداللہ نے تی دلی میں اپنے آقاوں کی ملی بھگت سے انتخابات میں زبردست وحدتی کروالی۔ ایک مثال میں تو عبداللہ کے ایک لفکست خور وہ امیدوار کو وہوں کی گفتگی والے مرکز پر بلا کر اسے تی خوشگزی ننانے کے ساتھ ہی اصل میں چیتے والے امیدوار کو جیل بھجوادیا گیا۔ وہوں کی گفتگی میں اس طرح کی کھلم کھلا بدیانی کا نتیجہ کشمیری خواہی کے

اندر مزید اشتغال کی صورت میں برآمد ہوا۔ عبداللہ نے انتخابات تو جیت لئے تھے مگر کشمیری عوام کی حمایت سے محروم ہو گیا۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہوئی کہ ایک ایسی آگ بھڑکا دی گئی جو آج تک شخصیتی نہیں ہو سکی۔

اگلے دوسرے سوں کے دوران جب کہ افغانستان سے آخری رومنی فوجی بھی روانہ ہو رہا تھا، کشمیر کے اندر رسول نافرمانی اور تشدد کی ایک بڑی ہوئی آگ نے پوری وادی کو اپنی پیٹ میں لینا شروع کر دیا۔ وہ قافیا کی جانے والی ہڑتاں اون کے ساتھ ہی بڑے بڑے جلوں اور مظاہرے بھی ایک معمول ہیں گے۔ سرکاری تھیسیات پر ہم بھیکے جانے لگے۔ 1989 کے اوائل میں حکومتی عہدیداروں اور ملکوں مجبوں کو قتل کرنے کے انتخابات پہلی مرتبہ مظلوم عام آئے۔ اگلے برس جنوری تک وادی میں بڑھتے ہوئے انتشار کی بدوست ندوی حلی کو ایک مرتبہ پھر وادی کا انتظام برہا راست اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ اسی ماہ ہونے والے تین عدالتی جماعتی مظاہروں کے دوران امن و امان کے لئے بھیگی ہی بھر امیری فورمز کے ہاتھوں 300 سے زائد نسبت کشمیری مظاہرین کو موت کے گھنات اتنا رہا گیا۔ انتخاصہ کے ابتدائی دنوں کی ایک عالمی خصوصیت تھی کہ بہت سے کشمیری مردا اپنے گھروں سے اچاک غائب پائے جانے لگے۔ ان میں سے زیادہ تر جموں کشمیر بربیش فرنٹ (JKLF) میں شمولیت کے تھنائی طالب علم تھے، جو کہ بیرونی پسندوں کی ایک اسی تکھیم تھی جو 1977 میں شیخ عبداللہ کی طرف سے دوسری قتل رک کی گئی جدوجہد آزادی کو دوبارہ شروع کرنے کی غرض سے تکھیل دی گئی تھی۔ مگر تو ٹھات کے برکس انہیں بھارتی حکومت کی طرف سے گرفتار نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ خود اسی مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے گھوٹے گھماتے اس لائن آف کنٹرول تک پہنچ گئے تھے جو بھارتی کشمیر کو پاکستانی آزاد کشمیر سے علیحدہ کرتی ہے۔ وہاں سے وہ سرحد پار کر کے پاکستانی علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔

سرحد کے دوسرا طرف پاکستانی فوج ان کے لئے چشم برہا تھی۔ سو دس قبیلے کے دوران افغانستان میں بری طرح مصروف عمل رہنے کے باوجود پاکستان کشمیر سے بھی بھی پوری طرح ناقابل ہو گیا۔ جسے کے ایل ایف سے ان کے روابط 1984 کے زمانے سے ہی اس ایڈ پر استوار ہو گئے تھے کہ بھارتی حکومت کے خلاف مل کر کوئی منصوبہ تیار کیا جائے گا مگر ندوی حلی کی طرح ان کو بھی انتخاصہ کے تیزی سے عروج و انتقام کی طرف گامزن ہو جانے پر شدید ہجرت ہوئی۔

افغانستان سے وہ چونکہ پہلے ہی مراجعت کر رہے تھے، لہذا انہیں اب کشمیر میں اظیا کے ساتھ وہی سلوک کرنے کا موقع نظر آرہا تھا جو انہوں نے افغانستان میں روں کے ساتھ کیا تھا بالکل ویسے ہی وساکل اور بخوبیوں کے ذریعے جو انہوں نے افغانستان میں استعمال کی تھیں۔ یہاں بھی افغانستان کی طرح گورنمنٹ جنگ کے کامیاب اصول و تکمیلیں استعمال کرنے کا ایک شہر ا موقع ہاتھ آرہا تھا۔ انہوں نے جے کے ایل ایف سے بھرپور کردہ نوجوانوں کو، جو کہ لائن آف کنٹرول سے جو حق اس طرف آ رہے تھے، تربیت اور اسٹریڈے کر دیا رہا وادی کے اندر سرایت ہو جانے میں بھی مدد فراہم کر دی جہاں بھارت کی ان پیغمبری فورسز اور فوجوں پر حملے کرتے چھینیں وادی میں بغاوت کچلے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ تاہم جے کے ایل ایف کو ایک اہم مسئلہ درپیش تھا۔ یہ ایک سیکولر نظام تھی اور بہت بڑات اور بہت سے لڑی جو کہ پاکستان کے حساب سے بالکل مناسب تھا۔ تاہم مسئلہ یہ تھا کہ یہ ایک علیحدگی پسند تحریک تھی۔ اس کے رہنماؤں کو اس امر سے کوئی وظیفی تھیں تھی کہ وہ بھارتی تسلی سے رہائی صرف اس لئے حاصل کریں کہ بعد میں ایک ایسی مخلوق المال ریاست میں شامل ہوتا پڑے جو فوہی آمریت کا راجحان رکھتی تھی۔ ان کا مقصد، جو کسی زمانے میں شیخ عبداللہ کا مقصد بھی رہا تھا ایک آزاد خود مختار کشمیر تھا۔

پاکستان جے کے ایل ایف کو بغاوت کے ابتدائی مرحلہ میں تعاون و ارادہ سے نواز کر بہت خوش نظر آتا تھا۔ تاہم یہ بنیادی طور پر پہلے ہی سے انتقام سے کے ساتھ محاوا آرائی میں بھی ہوئی بھارتی حکومت پر دباؤ بڑھانے کا ایک حرپ تھا۔ انہیں اس امر سے کوئی وظیفی تھیں تھی کہ بعد ازاں ایک آزاد خود مختار ملک کی حکومت انہیں ان کوششوں کا صلع عطا کرے گی۔ انہوں نے جے کے ایل ایف سے زیادہ قابل قبول تبادل کی حلاش شروع کر دی تھی جو کہ کشمیر میں ان کے سیاسی امداد کی حمایت کر سکے۔ انہیں اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا کہ آیا اس کے مقاصد نہیں ہیں یا سیکولر قوم پر ستانہ ہیں یا جہادی جب تک کہ کشمیر کو پاکستان کا حصہ بنانے کی جدوجہد میں حصہ لینے کو تیار ہے۔ انہیں اس حلاش میں زیادہ عرصہ نہیں لگا۔ انتقام سے کے اولین دور رسول کے اندر تین امکانات ان کے سامنے آئے اور پاکستان نے ان میں سے ہر ایک سے فائدہ اٹھایا۔

پہلا امکان حزب الجہادین کی صورت میں سامنے آیا جس کی تھیل 1989 میں جماعت اسلامی کی کشمیر شاخ کے مسلح وہزے کی صورت میں عمل میں آئی۔ کشمیری جماعت بھی جمیت

اسلامی اور حزبِ اسلامی کی طرح جو کہ سودہتِ مخالف چہاد کے دوران افغانستان کے پنجھ علاقت پر اثر دسوخ رکھتی تھیں، ممتاز علاقت کے اندر تھوڑے سے علاقت میں اپنا حلقوہ اثر رکھتی تھی۔ بنیادی فرق صرف یہ تھا کہ یہ اپنی پاکستانی بانی جماعت سے اور بھی قرآنی روپا برکھتی تھی۔ یہ وادی کے اندر بہت گہری جڑیں رکھتی تھیں۔ اور 1987ء کے انتخابات میں حزبِ مخالف کی جماعتوں کے اتحاد کی رکن کے طور پر حصہ لے پکنے کے باعث اگر کشمیر کی مقامی سیاست میں بہت زیادہ کامیاب نہیں تو کافی تحرک ضرور تھی۔ جب انتقامہ مظہر عام پر آنا شروع ہوئی تو یہ امر اغایہ ان کی نہیں تھا کہ اس کے کچھ اداکان نے بھی لائیں آف کنٹرول کا راستہ اختیار کر لایا جہاں آئیں آئیں آئیں کھلے دل سے ان کے استھان کے لئے تیار تھی۔ ان میں سے ایک یوسف شاہ حزبِ مخالف کا وہ امیدوار تھا جس کو اوپر ذکر کئے گئے واقعہ کے مطابق جیت سے محروم کر کے جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس نے جلدی صلاح الدین کا فرضی نام اختیار کر کے حزبِ الجاہدین کی قیادت سنپالی۔

اگلے دو برسوں کے دوران پاکستان نے وسائل کا رخ بذریع جب کے ایل ایف سے موڑ کر حزبِ الجاہدین کی طرف کر دیا جب تک کہ تربیت کیلئے لائیں آف کنٹرول کے اس پار سے آئے والے نوجوانوں کے پاس اس کے سوا کوئی چاروں نہیں تھا کہ وہ موخر الذکر میں شامل ہو جائیں۔ قطع نظر اسے کہ وہ جماعتِ اسلامی کے حاوی تھے یا نہیں۔ انتقامہ کے ابتدائی مرحلے کے دوران پے در پے تھنرات برداشت کرنے کے ساتھ ہی پاکستانی امداد و تعاون سے محروم کے باعث جب کے ایل ایف نے آخر کار مسلک جدو جہد فتح کر دیتی ہے جب کہ حزبِ الجاہدین کشمیر میں ایک غالب باقی تھیم کی صورت میں مظہر عام پر آ جاتی ہے۔ اگرچہ حزبِ الجاہدین کے قائدین اپنے افغان ہم منصب بھائیوں کی طرح مذہبی حسب نسب رکھتے تھے، تاہم ان کے مقاصد یا عزاء خالص مذہبی نویعت کے نہیں تھے۔ یہ تھیم اپنی ظاہری ساخت کے لحاظ سے بھر پر کشمیری رنگ میں رنگی نظر آتی تھی جبکہ اس کا بنیادی مقصد بھارتیوں کو اپنے ڈلن سے نکال ہاہر کرنا تھا۔ اس مقصد کے حوالے سے وہ جب کے ایل ایف کے ساتھ مخفی نظر آتی تھی مگر اس نے اپنی سیکولر تھیم سے مقبولہ علاقت کے متعلق کے حوالے سے اختلاف کے باعث علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ حزبِ الجاہدین نے کشمیر کو پاکستان کا حصہ بنانے کے نظریے کی حمایت پر اپنی پاکستانی تھیم سے محمل و فادری کا مظاہرہ کیا اور اس کو محلی ٹکل دینے کے لئے آئیں آئی اور پاکستانی

فوج کے ساتھ خوشی خوشی تعاون کیا۔ میں نے ایک مرتبہ جماعت اسلامی پاکستان کے رہنمایا قاضی حسینی احمد سے سوالی کیا تھا کہ حزب المجاہدین جو آپ کے دعویٰ کے مطابق آپ کے کنڑوں میں ہے کس طرح ایک اسی وقت میں جماعت کی قیادت اور آئی المیں آئی دونوں سے احکامات لے سکتی تھی۔ تھوڑی دیر تو قف کرنے اور پھر بھلی سے سکراہت چہرے پر لانے کے بعد اس نے یوں جواب دیا: ”یہ پاکستان ہے۔“

حزب المجاہدین کے ساتھ کشمیر میں جلدی و وحدہ اور تنظیم بھی آلمیں، اور دونوں ہی زیادہ واضح چہادی حرکات یا عزائم رکھتی تھیں۔ جیسا کہ ہم دیکھ پچھے ہیں اسچ یو جے آئی روں مختلف چہاد کے دوران پہلی خالص پاکستانی تنظیم کے طور پر سامنے آئی تھی، مگر عرب مجاہدین کی طرح وہ اپنے افغان چبرے کی بدولت انہما پسندی کی راہ پر گامزن ہو چکے تھے اور چہادی مقاصد کے لئے نئے سوچ کی حلائیں بے تاب نظر آتے تھے۔ اور ان کی خوش قسمتی کہ کشمیر میں انتخاب نے اس وقت زور پکڑنا شروع کیا جب آخری روئی بھی افغانستان سے روانہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ اسچ یو جے آئی کے لیے یہ تصور کرنا اتنا مشکل نہیں تھا کہ ایک اور مکمل چہادر پر آپنچا ہے۔ سودیت یونیٹ کی ٹھکست کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی توجہ کا مرکز شمال مشرق کو ہالیا تاکہ وادی کشمیر سے کافر ہندوؤں کو کال باہر کرنے میں اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کر سکیں۔ اس حوالے سے یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا اسچ یو جے آئی رضا کار کشمیر کب یا کتنی تعداد میں پہنچے تھے۔ کچھ حد تک یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آئی المیں آئی اس خوف سے کہ پاکستانی شہریوں کو دیکھ کر بھارتی حکومت کہیں انتقامی کارروائیوں پر رثا تر آئے، ان کی مدد کرنے سے پہلے پہل پہنچا ہٹ کا شکار ہوئی ہو گی۔ اسچ یو جے آئی کی قیادت کے اندر اس وقت تک اختلافات کی ہاپنوت پھوٹ شروع ہو جیں گی اور 1993ء میں اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ اس کے قائدین حركت الانصار (HUA) کے نام سے نئی تنظیم ہا کر دوبارہ تحدید ہو گئے۔ اس وقت تک آئی المیں آئی کشمیر میں پاکستانی شہریوں کو بھجنے کے حوالے سے اتنی متذبذب نظر تھیں آئی تھی اور اسچ یو اے کے پہل دستے لائن آف کنڑوں کے اس طرف پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس دوران پاکستان کے اندر اسچ یو اے دیوبندیوں سے مالا مال سرائیگی پیشی کے اندر اپنی رکنیت و سیچ کرنے میں مصروف رہی۔ تھے بھرتی ہونے والوں میں جلد ای بدنامی کی حد تک شہرت حاصل کرنے والی بہاؤ پور کی مشہور شخصیت

مولانا مسعود انہر بھی شامل تھا جو جلد ہی اسی بیان کی اعلیٰ نظر یافتی شخصیات میں شمار ہونے لگا۔ اور عین اسی وقت انگر طبیب کے نام سے ایک نئی تخلیق بھی سامنے آگئی۔ یہ دعوت والا رشاد نامی اس تبلیغی ادارے کا چہادری دھرا تھا جو کہ پاکستان کے سنی فرقوں میں سب سے چھوٹے فرقے اہل حدیث کے نظریات کا پرچار کرنے کی غرض سے کئی برس قبلى وجود میں آیا تھا۔ دعوت والا رشاد کی بنیاد لاہور کی انجمنیز مرکز یونیورسٹی میں مذہبی علوم کی تعلیم دینے والے پروفیسر حافظ سعید نے رکھی تھی۔ وہ اس وہابی عالم دینی عہدالله عز ام کی تعلیمات سے متاثر تھا جس نے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، اسماء بن لاوون کو بھی اتفاق جماعتیں کی صفوں میں کھڑا کیا تھا اور جس کی کتاب ”ڈیننس آف مسلم لینڈز“ بہادریوں کا عالمی منشور ہے پھر تھی۔ اس کے بعد وہ جو دو میں اے والی انگر طبیب بھی، جس کا مطلب ہے ”پاک لوگوں کی فوج“ کشیر میں اتفاق افسوس کے مظہر عام پر اے کے دلوں میں بھی تھکلیل پائی تھی جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس کی تخلیق کا خصوصی مقصد کشیر میں چہادری سرگرمیوں کا فروغ تھا۔ حافظ سعید نے تخلیق کے بنیادی مقصد کا کلے عام اعتراف کرنے میں بھی شرم محسوس نہیں کی اور وہ مقصد ہے کہ شیر کو آزاد کرنا جو کہ تمام بھارتی مسلمانوں کی تھی آزادی کی طرف پہلا قدم ہو گا۔

یہ امر واضح نہیں ہے کہ آیا آئی المیں آئی نے انگر طبیب کی تخلیق کی حوصلہ فراہمی بھی کی تھی یا محض اس کی موجودگی کا فائدہ اٹھایا تھا۔ کشیر میں چہادری تھیمبوں کا سراغ لگانے والی بھارتی ویب سائٹ ساؤتھ ایشیاء ٹریزیم پورٹل کی تخلیق کے مطابق وادی کہ کشیر میں اس موجودگی پہلی مرتبہ 1993 میں دیکھی گئی۔ اگرچہ یہ وقت اس کی تخلیق میں آئی المیں آئی کے کروار سے مطابقت رکھتا ہے، تاہم اس کا بھی بھی کوئی حقیقی ثبوت نہیں ملا۔ مگر جو نکتہ واضح نظر آتا ہے وہ یہ ہے کہ اتفاق افسوس کی تخلیق کے ابتدائی مراحل میں آئی المیں آئی نے انگر طبیب اور اسی بیان کے دلوں سے مراسم استوار کر لئے تھے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ ان سے بھی وہی کام لیا جائے جو کام عرب چہادریوں اور پاکستانی رضا کاروں سے سودیت خالفت چہاد کے دوران لیا گیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ان کے مذہبی نظریات سے متعلق تھی یا پھر ان کے تھی مقاصد کی اسی طرح یا اس سے زیادہ حامی تھی جتنا کہ امریکہ چہادریوں، مثلاً اسماء بن لاوون سے اس وقت متعلق نظر آتا تھا جب اس نے انہیں جماعتیں کو صفوں میں خوش آمدید کرنے پر رضا مندی ظاہر کر دی تھی۔ اس کی بجائے پاکستان ان تھیمبوں کو

خارج پا لیسی کے ایسے حربے یا دیلے کے طور پر دیکھا تھا جسے کشمیر میں بھارتی بالاوٹی کا مقابلہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ اس حقیقت کو کفار اور حرکت الانصار پاکستانی تنظیمیں تھیں، بلاشبہ ایک شبست انداز میں لیا گیا کیونکہ وہ ہر دن عناصر کی وجہے اپنے ہی مسلمان بھائی تھے اور یوں ریاست کے ساتھ ان کے اندر کچھ نہ کچھ و فاداری باقی رہ جانے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اس وقت صورتحال کو قریب سے دیکھنے والے فوج کے ریاضر ذاتی افسروں کے ساتھ بے شمار مباحث کے بعد لمحے یہ امر واضح نظر آتا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ انہیں کمزول کر سکتے تھے۔

شہوت سے میکی ظاہر ہوتا ہے کہ وہائی کے اختتام کی طرف جاتے جاتے لفکر اور حرکت الانصار پر آئیں آئی کا انصار بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی کچھ وجوہات کا تعلق خود کشمیر کے اندر پیش آئے والے واقعات سے تھا۔ کشمیر دروزہ ایک میدان جنگ کی محل اختیار کرتا جا رہا تھا کیونکہ بھارت نے خطے کے اندر بڑے پیمانے پر فوج سمجھنے کا سلسہ شروع کر رکھا تھا جس کی تعداد بعض اندازوں کے مطابق پانچ لاکھ تک پہنچ گئی تھی۔ یہ تعداد بھارتی فوج کا اچھا خاصاً تابع تھا جو کہ دنیت نام جنگ کے عروج کے دنوں میں امریکی فوج کے تابع کے برادر نظر آتا تھا۔ بشارت ہیر نے اپنی کتاب کے ایک باب کو ”بکرستان“ کا عنوان دیا ہے جو کہ اس وقت وادی کے اندر بھارتی تعداد میں بھارتی فوجوں کی موجودگی کی طرف اشارہ اور جس کا شہوت شہری اور ویسی علاقوں میں ہمارے طور پر بکھرے ہوئے ہزاروں بکر زیاز میں دوزپناہ گاہوں اور فوجی میبوں کی تھیسپ کی صورت میں ملتا ہے۔ بھارتی فوج اپنے قاطلوں اور تھیبات پر ہونے والے حلموں کا جواب قریبی دیہاتوں اور متصل علاقوں میں غارت گری اور شدید کارروائیوں کی صورت میں دیتی۔ بہت سے مردوں اور نوجوان لڑکوں کو ایک رویہ کی صورت میں ہٹکا کر تھیش کے لئے جایا جاتا اور مقامی مجرمی ساتھ ہوتے جو کہ مکن جہادی ساتھیوں کی شاخت میں مدد دیتے جنہیں پھر دہاں سے خصوصی تھیشی مراکز لے جایا جاتا اور دہاں ان کو تندید کا نشانہ بنایا جاتا اس طریقہ کا کمپنی بدولت حزب الجہادین کی طاقت اور جذبہ مدھم پڑنا شروع ہو گئے۔ اگرچہ وہ ابھی بھی کشمیر کی سب سے بڑی باقی تکمیل میں شمار ہوتی تھی، مگر ان آف کمزول کے اس پار سے تربیت کے لئے آنے والے خواہشمندوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی گئی۔ اس صورتحال کی خلافی کے لئے آئیں آئی کا پاکستانی جہادیوں پر انصار بڑھنے لگا۔

1998 میں میرے اسلام آباد پہنچنے تک کشمیر میں برپا کی جانے والی بغاوت ایک تھکا دینے والی کاہلانہ لڑائی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ پاکستان اور بھارت لائق آف کنٹول کے دونوں جانب سے نہ قائم ہونے والی گولہ باری میں مصروف تھے۔ پاکستانی فوج کے دستے سرحد کے اس پار سے زیست کے لئے سرایت کرنے والوں کو ٹھن سے چھانے کے لئے توپوں سے شدید گولہ باری شروع کر دیتے اور دوسری طرف سے بھارتی بھی اسی طرح کی جوابی کارروائی کرتے۔

سرحد کے دونوں طرف رہنے والے مخصوص و پے گناہ شہری و مطرود فائز گنگ کی زد میں آگر اکٹھ جانا سے ہاتھ دھو بیٹھتے حزب الجاہدین، انگریز طبیب اور حرکت الانصار کا شمار وادی کے متحیر باغی گروہوں میں ہوتا تھا۔ مگر اس وقت تک ایچ یو اے اور امریکہ کے تعلقات میں بگاز پیدا ہو چکا تھا کیونکہ امریکہ نے اسے دشمن گرو حظیم قرار دے ڈالا تھا۔ امریکہ نے یہ قدم 1995 کے اس واقعے کے بعد انہیا جب ایچ یو اے سے مسلک ایک حظیم کے لوگوں نے وادی میں پیماڑوں کی سیر کرتے ہوئے پانچ مفری سیاحوں کو خواہ کر لیا تھا۔ بعد میں ان میں سے ایک سیاح کا سرکشی ہوئی حالت میں ملا جبکہ ایک فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور ہاتھی تین کا بھی سراغ نہیں ملا۔ اس ایک واقعے کو مفری ذراائع ابلاغ میں اتنی توجہ لی جتھی کہ ساری کشمیری اتفاقوں کو اور کشمیر میں پاکستانی کوششوں کو بھی مغرب کی کڑی تھیڈ کا نشانہ بننا پڑا۔ اس کے نتیجے میں خود کشمیری تحریک آزادی کو بھی تھسان پہنچا جو کہ ان عناصر کے ساتھ روابط کی بناء پر اپنی ساکھ کھو چکی۔ ان واقعات کے جواب میں حرکت الانصار نے اپنا نام تبدیل کر کے حرکت الجاہدین (HJM) رکھ لیا، شاید اس امید کے ساتھ کہ اس وہ کسی کی نظرلوں میں نہیں آئے گی۔

اس دوران انگریز طبیب نے خود پاکستان کے اندر اپنا ایک دسج جاں پھیلاتے ہوئے 2000 سے زائد فاتر قلم کر دیئے جن میں سے زیادہ تر کا مقصد خیڑاتی سرگرمیوں کا فروغ تھا۔ اس نے لاہور کے شہل میں جی ٹی روڈ پر واقع تھبے مرید کے میں اپنے صدر دفاتر کے طور پر ایک حظیم الشان عمارت تعمیر کر دی۔ جس کے اندر ایک بڑی مسجد، مدرسہ، ایک ہسپتال، مارکیٹ اور رہائشی کا لوٹی بھی تعمیر کی گئی تھی۔ میں نے اس وقت کے اخبارات میں اس کے حوالے سے جوخبریں اور معلومات حاصل کی تھیں ان کے مطابق مرید کے میں ہونے والا اس کا سالانہ اجتماع شان و شوکت کا زبردست مظاہرہ ہوتا تھا جس میں ایک لاکھ کمک لوگ شرکت کرتے تھے۔ حظیم نے بڑی

تعداد میں خود اپنے مددگاری مدارس بھی قائم کر دیئے جہاں ویو بندی مدارس کی نسبت بہت بہتر معیار کی تعمیم دی جاتی۔ اس کی منفوس میں شامل بہت سے مجاہدین تخلیق متوسط طبقے کے والوں تھے جو اسکول چھوڑ کر بھاگ لٹکے تھے، تاہم اس میں یونیورسٹی سے فارغ التحصیل طالب علموں کی بھی کافی تعداد تھی۔ اس سے ڈاکٹر اور صحت کے شعبے میں کام کرنے والے ملازمین بھی بڑی تعداد میں تھے جنہوں نے اس کی دن بدن مقبول ہوئی ہوئی خبر ان سرگرمیوں میں اہم کردار ادا کیا۔ جہاں ایک یو ایم کی رکنیت زیادہ تصویب سرحد اور جنوبی پنجاب کی سرائیں پنی سے لی جا رہی تھیں وہاں لٹکر طبیہ کا اثر و سونخ ایک وسیع تر علاقے خصوصاً سطی پنجاب پر محیط تھا۔ میرے اس وقت کے تاثرات و مشاہدات کے مطابق، جس سے پاکستان میں جہادی سرگرمیوں کا مشاہدہ کرنے والے بھی الفاقہ کرتے نظر آتے تھے، لٹکر طبیہ کی سرگرمیوں کا محور بنیاد طور پر کشمیر کی تحریک آزادی تھی جس کو آئی انہی کی کماد و تعاون حاصل تھا۔ یا ایک ایسی تعمیم تھی جس کے مقاصد واضح تھے۔

اس وقت تک کشمیر بخادوت کو تقریباً ایک عشرہ گزر چکا تھا۔ تاہم تمیں مختلف جہادی تنظیموں کو ازاں میں شامل کرنے کے باوجود بھارتی کسی طرح بھی ہار مانے کو تیار کیں تھے تاہم پاکستانی ان کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے 1998ء میں نو دہلی خیز خواہی کے ایک ایسے مظاہرے پر تیار ہو گیا ہے اس نے بظاہر بالا کسی طنز کے اچھی ہمسایے کی پالیسی قرار دے دیا جس کا مقصد اسلام آباد کے ساتھ مکالے کا آغاز تھا۔ دونوں طرف سے روابط کا آغاز و زیر خارج کی سلسلے کے پیچے پڑ گئی ہے ”مرکب یا جامع مذاکرات“ کا نام دیا گیا اور جس کے تحت تمام مقاومات عالمیہ بھروسہ کشمیر کو زیر غور لانے پر اتفاق خاہر کیا گیا۔ یہ پاکستان اور بھارت کے درمیان رائج صدی میں اہم نویعت کے دو طرفہ مذاکرات کا اولین سلسلہ تھا۔ دونوں فرقیں اس سے قبل بلکہ دیش پر ہونے والی جنگ کے فوری بعد 1972ء میں شملہ کے مقام پر ملے تھے۔ شملہ مذاکرات دہکلوں کے درمیان تعلقات کے حوالے سے ایک اہم موڑ تھا۔ دونوں فرقیں کشمیر کے مقاومہ علاقے سے گزر کر جانے والی اس جنگ بندی لائن کے جفرانی کی خطوط کی تکمیل پر رضامند ہو گئے تھے جسے انہوں نے لائن آف کنٹرول کا نام دے دیا تھا۔ تاہم، پہلی سے وہ لائن آف کنٹرول کے اس مقام کے حوالے سے بالکل واضح طور پر کوئی حد بندی کرنے میں ناکام ہو گئے جہاں سے یہ کشمیر کے اتحادی شہل میں واقع فرا قریم پیاروں کے دل سیاہن گلیشیر کے در اتحادہ علاقے سے گزرتی تھی۔ چنانچہ یہ غفلت

ایک فشرے کے بعد اس وقت وجہ تازع ہنگی جب پاکستان نے کوہ پیناؤں کو پہنچان سر کرنے کے اجازت نامے دینے شروع کر دیئے۔ بھارتیوں کو یہ خبر ملی تو انہوں نے ٹھیکر پر فوجیں تعینات کر لی شروع کر دیں۔ جس کے جواب میں جلد ہی پاکستان نے بھی اپنی فوجیں روانہ کر دیں اور یوں بڑائی کا آغاز ہونے کے بعد میں ہزار فٹ کی بلندی پر واقع دنیا کے سب سے بلند اس جگہ مقام پر آخر کار ایک قلعہ ساختا ہو گیا جس کا بنوادی یا توب کی فارمگ سے اتنے فوجی بلاک نہیں ہوئے جتنے کہ فوج سے ٹھیکر یا بر قائمی دونوں کے نیچے آ کر بلاک ہو چکے ہیں۔

تاہم شملہ مذاکرات کا سب سے ثابت پہلو یہ تھا کہ ان کے نتیجے میں دونوں فریق اس امر پر رضا مند ہو گئے تھے کہ کشمیر پر ہائی تازع عات کا حل و طرفہ مذاکرات کے ذریعے لکھا جائے گا۔ یہ ایک ایسی رکاوٹ ہے جسے بھارتی حکومت پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتی چلی آرہی ہے تاکہ کسی بھی تیسرے فریق کی طرف سے مداخلت کی حرصلہ ٹھنڈی کی جاسکے۔ تاہم ان کی کوشش کچھ زیادہ موثریا کا رد نہ ہبہ تھیں ہوئی کیونکہ شملہ معاهدہ بھی اس امر کی حمایت کرتا ہے کہ اختلاف کے حل کے لئے ”ہائی ٹھوڑ پر ٹھنڈی کوئی بھی اور پر امن طریقہ“ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کے باوجود دو طرفہ مذاکرات کے حوالے سے بھارتی بڑی تحدی سے اپنے موقف پر اڑے ہوئے ہیں باوجود اس حقیقت کے کہ اس سے قبل 1962 اور 1963 کے درمیان وہ کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کے ساتھ کئے جانے والے مذاکرات کے چھاؤوار میں وہ امریکہ اور برطانیہ دونوں کو بطور خالص قبول کرتے رہے ہیں۔ ان مذاکرات کے دوران دونوں یہودی طاقتیوں نے مذاکرات کی میز پر خود اپنی مخصوص تجاوز پیش کر دی تھی جن کا ماحصل یہ تھا کہ بھارت اور پاکستان دونوں کو اوسی میں خاطر خواہ نمائندگی حاصل ہوئی چاہئے۔ بھارت کشمیر پر اپنی ملکیت کے دھوے کمزور کر کے رکھ دینے کا امکان کی حالت کسی بھی یہودی مداخلت سے خوش نہیں تھا اور یوں مذاکرات بنتے ہوئے۔ اس کے بعد بھارت نے شملہ معاهدے کے حوالے سے اس امر کو تینی ہانے کی کوشش کی ہے ایسی صورتحال کا ہرگز اعادہ نہ ہو۔ میرے پاکستان ٹھنڈے کے وقت تک کینیڈی دور کے مذاکرات قصہ پاریہ بن چکے تھے اور امریکہ کے نزدیک کشمیر کے مسئلے پر یہودی مداخلت یا معاوضت کی اجازت نہ دینے کی بھارتی ٹکڑا مقدس فرمان۔ خارقی تباول تھا۔

اُگرچہ بھارت اور پاکستان نے 1998 میں دوبارہ مذاکرات پر آمدگی ظاہر کر دی تھی مگر

جامعہ مذاکرات کے نتیجے میں کوئی فوری پیشرفت سامنے نہ آئی اور 1998ء میں پہلے بھارت کی جانب سے اور پھر اس کے براہ راست اور سوچے سمجھے دہلی کے طور پر پاکستان کی جانب سے کے جانے والے اشیٰ وہما کوں نے آخر کار انہیں قتل کا ٹھکار کر دیا۔ جہاں پاکستانی وہما کوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پاکستانی کی اشیٰ صلاحیت خود اس کی اپنی کوششوں کا نتیجہ ہے وہاں امریکہ پر سطر ترمیم کے تحت وہ پابندیاں دوبارہ عائد کرنے پر مجبراً ہو گیا جو بنے ظہیر نے دو برس قبل ہی ختم کروائی تھیں۔ میں الانقاومی حمایت حاصل کرنے کی کوششوں میں اس کے جائین وزیر اعظم نواز شریف نے جس نے کہ اشیٰ وہما کوں کا حکم دیا تھا، آنہ ماد بعد 1999ء کے شروع میں اپنے بھارتی ہم منصب اُن بھارتی و اچانک کو لا ہو رہیں ایک سربراہی ملاقات کی دعوت دے دیا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے یہ ایک ایسی دعوت تھی جس کا پردہ مشرف اور اس کے باقی جو نسل ساتھیوں نے بایکاٹ کر دیا تھا، اور جس کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے، اپنی احتجاجی طاقت کے لئے مشہور جماعت اسلامی کو لا ہو رکو پولیس والوں نے تاؤں پنے پھیوالیے تھے۔ یہ سربراہی ملاقات بھارتی وزیر اعظم کی جانب سے میثار پاکستان لا ہو رہا کہرا حرام کا مظاہرہ کرنے کے لئے بھی خاص طور پر یادگار ملاقات تھی۔ یہ وجہ ہے جہاں جناح اور ان کے مسلم لیگ ساتھیوں نے 1947ء میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے ایک الگ ملن کی تخلیق کے مطابق کوئی مرتبہ رسی انداز میں پیش کیا تھا۔ دلوں رہنماؤں نے جامعہ مذاکرات کے دوبارہ آغاز پر سرعام اختناق کا اٹھا رکیا، مگر اس سے بھی بڑھ کر یہ کائنتوں نے روپا بکا ذریعے مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھنے پر بھی اختناق کا اٹھا رکیا۔

باقی دنیا کی لٹاہوں سے اوجمل خیہہ مذاکرات کا پہلا دو برس 1999ء کے موسم بھار میں اس وقت ہی اختقام پذیر ہو گیا تھا جب ذرائع ابلاغ میں یہ خبریں مختصر عام پر آنے لگیں کہ لائن آف کنٹرول کی اس سمت کا رگل کی پیاڑیوں میں واقع ان دور افراہ فونی چوکیوں میں سے اکثر پر محابدین نے قبضہ کر لیا ہے جو بھارتی فونی شدید سرویوں کے دوران چھوڑ کر چلے گئے تھے بلکہ خاکی ورودی میں ملبوس پاکستانی فوج کے جوان بھی تھے جن کی ظاہر نسبت یہ تھی کہ سیاہن گلیشور کی طرف رسالے جانے والے اس راستے کو بند کر دیں جہاں سے بھارتی فوج کو ساز و سامان فراہم کیا جاتا تھا۔ پاکستان کا یہ دھوٹی کہ اصل میں یہ فوجی چذبات سے سرشار سو بیٹیں کی کارستانی تھیں جیسے ان بے شمار کوششوں میں سے ایک کوشش تھی جن کا مقصد ان تمام کارروائیوں کی ذمہ داریوں سے ظاہر

بڑے محتول انداز میں خود کو دور کھنا تھا جو دریہ ۱۹۸۹ کی جنگ کے زمانے سے ہی کرتا چلا آ رہا تھا۔  
دوسرا جانب بھارتی حکومت جو کہ شروع سے اس ساری صورتحال کو مشکل و مشبہ کی نظر سے دیکھے  
رہی تھی اپنی چوکیوں کو قا بضیں سے، خواہ ان کا تعلق کہیں سے بھی تھا، آزاد کرانے پر تی ہوئی تھی،  
اور اس نے کارگل کی ان چوبیوں پر انسان اور سامان اتنا شروع کر دیا جہاں وہ ہزار فٹ سے  
راکہ بلندی پر تصادم پھوٹ پڑا۔

امریکہ کو بھی یقین نہیں تھا کہ کارگل کا مزکر مجاہدین نے سرانجام دیا تھا اور اس نے اس  
معروکے میں ملوث پا کستانی فوجیوں کو دہاں سے نکالنے کے لئے دباؤ ذخیرہ شروع کر دیا۔ کشمیر کے  
تازے میں کسی بھی فریق کے دعوے کی درستگی سے قطع نظر، امریکہ اس کے حل کے لئے فوجوں  
کے کلم کھلا استعمال پر ہمی اخلاقی یا معادون کو شک کے حق میں نہیں تھا، خاص طور پر جنکر دو فوجوں فریق  
اسنی تھیا رون سے بھی سُلخ تھے۔ بھارت نے چوبیوں سے پاکستانیوں کو نکالنے کے لئے جیسے ہی  
کارگل کے اندر اپنی فوجیں اتنا تی شروع کیں تو امریکی حکام نے اسلام آباد پر دباؤ بڑھانا شروع  
کر دیا اور جنی کہ یہ۔ ایسی سفرل کمائی کے سر برہا جزوں تھوڑی زیٰ کو بھیجا کر دے اور از شریف اور آرمی  
چیف کے ساتھ رفتار کر کے دباؤ ایس۔ امریکہ کے دباؤ سے خواں باختہ اور پاکستانی کارروائی  
کی یعنی الاقوای سٹی پر نہ مت سے گھبرا کر نواز شریف نے اس مسئلے کا حل حلش کرنے کی کوششیں تیز  
کر دیں۔ اس نے کلنش انعامیہ کو تسلی کیا کہ وہ اس حوالے سے مشاہدات کے لئے جلد و اکشن  
آنے والے تاکہ اس طرح ہاعزت طریقے سے پہلائی کا جواز فراہم ہو جائے۔ بلیخ ہاؤس پر  
4 جولائی کو کلنش انعامیہ کے ساتھ ہونے والی تاریخی ملاقات میں اس نے کلنش سے اس یقین  
دہانی کے بدے کر دولا اور سربراہی ملاقات میں شروع ہونے والی اس کوششوں کا وہ سلسہ دباؤ  
بحال کروادے گا جو اس لڑائی کے نتیجے میں بڑے بے ربط طریقے سے قتل کا فیکار ہو گیا تھا، نواز  
شریف نے کارگل میں اصل جنگ بندی لائیں کی بحالی کا وعدہ کر لیا۔

مجھے اس وقت یہ دیکھ کر سختی تھت ہوئی کہ پاکستانی سنتی آسمانی سے امریکی دباؤ میں  
آگئے تھے۔ آخر یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ پاکستان کے ائمہ پر وکرام کی وجہ سے اس پر امریکہ نے  
پہلے بھی اتنی شدید پابندیاں عائد کر کی تھیں۔ ہم اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ اس کے  
باوجود نواز شریف کا رد عمل ایسا تھا جیسے وہ کوئی ظلطی کرتے ہوئے پکڑا گیا ہوا اور اسے خوف ہو کے اب

اسے اس کی سزا ملے گی۔ مجھ پر یہ حقیقت بھی واٹھگاں ہونے لگی کہ پاکستانیوں کو جنی طور پر تقریباً یہ یقین سار ہتا تھا کہ امریکہ کا اژرو سونخ اس سے کمیں زیادہ ہے جتنا کہ اصل میں تھا۔ اس روایے یا سونج کے پیش پشت کافی حد تک مقبول یہ نظریہ کا رزم اتھا کہ امریکہ پر دے کے پیچھے رکرواقعات کو اپنی مرمنی کا رخ دے رہا ہے۔ یہ نظریہ صرف ذرائع ایلامش میں بلکہ ذریکی تقریبات میں بھی اکثر و بیشتر پیش کیا جاتا رہتا تھا۔ یہ در اصل پاکستانی عوام کے اس لگاؤ کی عکاسی کرتا تھا جو انہیں سازش نظریات کے ساتھ ہے اور اس کی واضح مثال یہ تھی کہ وہ اس بات پر بھی یقین کرنے کے لئے تیار تھے کہ 1979ء میں خانہ کعبہ پر قبضہ کی کوششوں کی سازش کے پس پر وہ بھی امریکہ کا ہاتھ تھا۔ میں نے یہ یکٹ پہلے بھی عیاں کیا تھا کہ بہت سے پاکستانیوں کو یہ یقین بھی رہتا تھا کہ ہر درخت کی آڑ میں آئی ایس آئی کا کوئی نہ کوئی کارندہ یا جاسوس چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح بہت سے لوگوں کے ذہن میں یہ نظریہ بھی سراہت کر چکا ہے کہ آئی ایس آئی کے ہرجاسوس کے پیچھے بھی کوئی نہ کوئی امریکی بیٹھا ہوتا ہے جو اسے تاثرات رہتا ہے کہ کیا کیا کارروائی کرنی ہے میں پاکستان میں بہت سے واقعات کا مسلسل مشاہدہ کرتا رہا ہوں اور ان میں سے اکثر واقعات کو میں نے آگے جا کر ترتیب سے بیان بھی کیا ہے۔ جس چیز سے مجھے شدید حیرت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ پاکستانیوں کو امریکہ کے اژرو سونخ کے حوالے سے جو ضرورت سے زیاد و خوش یا غلط فہمی رہتی ہے اس سے امریکہ کتنا فاکدہ اتحاد تھا تھا۔ امریکہ دباؤ جتی کہ امریکی دمکتوں کی عدم موجودگی میں اس وقت بھی کارآمد ثابت ہوتا ہے جب اس کے پیچھے بھی تم کے تصویرات سے ذرا زیادہ حقیقت ہوتی ہے۔ یہ چیز میرا نظریہ نہیں ہے۔ میرے بہت سے قریبی اور ہمارے سونخ پاکستانی شناسوں، سول و ملنری دونوں، کابھی، اگرچہ کافی حد تک تائف آمیز کی، بھی خیال ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے۔

اگرچہ 4 جولائی کی واٹھگن ملاقات کے بعد پاکستان نے کارگل سے اپنی فوجیں واپس بیانی تھیں، مگر معاملہ نہیں ختم نہیں ہو گیا۔ اس واقعے کے نتیجے میں نواز شریف اور مشرف کے درمیان خلیج اور وسیع ہو گئی اور دونوں نے ذرائع ایلامش کے قوسط سے اس ناکام واقعہ کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالنی شروع کر دی۔ نواز شریف کا دعویٰ تھا کہ اسے ان واقعات سے پوری طرح پاٹھنہیں رکھا گیا تھا؛ جبکہ مشرف نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ یہ امر تو اب واضح ہو چکا ہے کہ کارگل میں بھارتی چوکیوں پر قبضہ کرنے کا فیصلہ لا ہور کی سربراہی ملاقات سے بہت پہلے ہو چکا تھا مگر یہ

و اخراجیں ہو سکا کہ اس کے مقاصد کیا تھے۔ ہو سکتا ہے کہ فوج کے نزدیک یہ بھارت کو مذاکرات کے اس سلطے کی طرف مل کرنے کا آسان اور کم وقت طریقہ، و جس کے آثار پہلے ہی نظر آ رہے تھے، یا پھر یہ ایک طرح سے مذاکرات کی میز پر بھارت سے زیادہ رعایات حاصل کرنے کی ایک بے عقلی چال ہو سکتی تھی۔ مجرک کچھ بھی ہو، اور نواز شریف کو اس کا عقلی علم تھا یا نہیں، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ وزیرِ اعظم کے لئے، جو کہ دو برس کی ناقص حکومتی کا رکرداری سے پہلے ہی مقبولیت کی جگہ جتنا ابھائی حال امنظر آ رہا تھا۔ فناہیں ایک نوئی بغاوت کی افوایں تجزی سے گردش کرنے لگی تھیں۔ ہر طرف سے خود کو مخصوص پانے اور اس امر کا قائل ہو جانے کے بعد کہ مشرف اس کے خلاف کسی وقت بھی کارروائی کر سکتا ہے، نواز شریف نے پہلے ہی کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ واعظ ہاؤس میں کئے جانے والے عہد امدادیات سے دستبرداری کے صرف تین ماہ بعد 12 اکتوبر کو اس نے مشرف کو اس کے عہدے سے اس وقت ہٹانے کی کوشش کر دی۔ جب وہ سری لنگا سے ایک کافرنس میں شرکت کے بعد ایک طیارے میں واپس پاکستان آ رہا تھا اور اس کا زمین سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ تاہم فوج کے لئے یہ صورت حال کسی طور بھی ۃبل برداشت نہیں تھی۔ مشرف کے اہم ماتحت افراد فوری طور پر حرکت میں آ گئے۔ بعد ازاں نواز شریف کو دریائے سندھ کے کنارے واقع ایک کے قلعے میں قید کر دیا گیا اور پھر سعودی عرب جلاوطن کر دیا گیا۔

کارگل صرکے کا خیازہ صرف جام مذاکرات کے جھواد اور دوسری وزارت عظمی سے محرومی کی صورت میں ای نہیں بھگتا پڑا۔ بلکہ مذاکرات کا ایک زیادہ حساس مرحلہ بھی اپنے اختتام کو پکیج گیا تھا۔ کارگل واقعیت کے کچھ ای عرض سے بعد اور اخبارات میں نواز۔ مشرف ازراحت و جوابی اذراحت کی خبروں کے پس منظر میں میری ایک ریاضر اعلیٰ سفارتی افسر نیاز نا یک سے ایک ظہر نے پر طاقتات ہوئی۔ انہوں نے مجھے یہ اکشاف کر کے ورطہ جہت میں ڈال دیا کہ بھارتی اور پاکستانی وزراء عظم نے لاہور میں خیریہ مذاکرات کے ایک زیر تہہ سلطے کی بنیاد پر کھدوی تھی۔ انہیں اس کا علم یوں تھا کہ وہ پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے۔ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ انہیں اور ان کے بھارتی ہم منصب آر۔ کے مشرک اوسال کے اختتام سے پہلے ہی کشمیر پر ایک معاهدے کا مسودہ تیار کرنے کی ذمہ داری سونپ دی گئی تھی۔ نیو ڈھلی میں ان کے اویسین اور انکو تے

ہماکراتی دور کے دوران اور کارگل واقعہ کے نتیجے میں ہماکرات کے اس عمل کے سبب اٹھا ہوا ہے۔ راقیں، انہوں نے کشمیر کی حدود کے از سر نو مکمل تحریک کے خاتمے پر جادہ خیال کر لیا تھا۔ نائیک نے تایا کہ انہوں نے یہ تجویز چیزوں کی تحریک کے بھارتی مقبوضہ کشمیر کو دریائے چناب کے کنارے کے ساتھ ساتھ تقسیم کیا جائے۔ اس کے نتیجے میں دریا کے شمال پر واقع بھارتی مسلم اکثریت کی حامل وادی پاکستان کے حصے میں آ جاتی اور جنوب کی طرف کا ہندو اکثریت پر مشتمل جموں کا علاقہ بھارت کے قبضے میں ہی رہتا۔ اگرچہ مشراء نے ابھی تک اس حوالے سے کسی اتفاق کا اخبار نہیں کیا تھا۔ مجھے ملک ہے کہ وہ یا تو چکرا کر دیا ہو گایا پھر تندیب دشائیگی کا مظاہرہ کر رہا ہو گا۔ مگر نائیک کو یقین تھا کہ بھارت اس تجویز سے اتفاق کر لیتا۔ مجھے یہ ہر لحاظ سے ناقابلِ عمل لگ رہا تھا کیونکہ اس کے لئے بھارت کو اپنے زیر انتظام بہت ساعلانہ شمول اہم ترین عطا یہ قدرت ہاں وادی کشمیر پاکستان کے حوالے کرنا پڑ جاتا۔ یہ سمجھتا بہت ای مسئلہ نظر آتا ہے کہ اس کو بھارت کی طرف سے پاکستان کے انجامی بنیادی مطالبات کے آئے مکمل طور پر تھیار ڈال دینے سے کم کس طرح دیکھا جاسکتا ہے۔ تاہم اس کے باوجود نائیک کے نزدیک یہ ممکن تھا۔ مسئلہ کے امکانات پر نظر رکھنے کی ای الیت کا تھداں اور ممکنات کے فن کی بھی قدر ناشایستی ہے جس کی بناء پر مفری حقوں کو پاکستان کی طرف سے مسئلہ کشمیر کو سر پر سوار کر لینے کی عادت سخت ناگوار گز رہی ہے۔ اگرچہ میں نے بھی رائے شماری تو نہیں کرائی مگر مجھے پورا یقین ہے جس کی بنیاد گزشتہ کئی برسوں کے دوران مختلف ماہرین سے ہونے والی میری لفظوں ہے، کہ جو یقین ایشیاء میں کام کرنے والے اور تازہ سر کشمیر کے پس منظر سے واقع بہت سے امریکی سفارت کاروں کی ہمدردی اس موقف سے ہے کہ کشمیر پر بھارتی مسلم اکثریت کی وادی ہونے کی بناء پر پاکستان کا حق ہتھا ہے۔ اس صورتحال میں شیخ عبداللہ کا موقف بھی ایک اہم عصر کی حیثیت رکھتا ہے، جو نہ صرف اپنے وقت کا انجامی مقبول کشمیری سیاستدان تھا۔ بلکہ نہروں کا دوسرا اور حکمران کا ٹگریس پارٹی کے ہمدردوں میں سے بھی تھا۔ تقسیم کے بعد اتوامِ تحریک کی طرف سے استھواب رائے کی منتظر کرو و قرار دیا اور اگر عمل کر دیا جاتا تو یہ مسئلہ بیشہ بیشہ کے لئے حل ہو چکا ہوتا۔ مگر بھارت نے وادی کے مسئلہ کے حوالے سے اس طرح کا کوئی خطرہ ہوں لینا مناسب نہ سمجھا اور یوں معاملہ اتواء کا شکار ہوتا رہا۔ تاہم جب شیخ عبداللہ نے چند برسوں بعد ان سے اس مسئلے پر اختلاف کا اظہار کرنا شروع کر دیا تو اس موضوع کو بیشہ کے

لئے ہی سردخانے کی نذر کر دیا گیا۔

تاہم یہ سب کچھ غیر متعلق ہے۔ سب سے اہم حقیقت کہ بھارت نے اس وقت استھواب رائے کی تجویز کو سراہنے سے انکار کر دیا تھا، وادی کو اپنے ہاتھوں سے نکالنے میں اس کی پلٹکچاہت کی تصدیق کرتی ہے۔ وہ شروع سے ہی اسے بڑی شدت کے ساتھ اپنے بیٹے سے چننائے ہوئے ہے، اور اسے اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے ہر طرح کے خالمانہ ہجھنڈے آزمائے جتی کہ اپنی فوج کا ایک اہم تابع بھی وہاں تھیں کرنے کی حد تک تیار ہے۔ اس کی اس بہت دھرمی کے پس مظہر میں کار فرما و ہو بات کو سمجھنا بھی مشکل نہیں ہے۔ بھارت نے تو کوئی وسیع و عریض اور مربوط اکائیوں کی حوالہ ریاست ہے اور نہ کبھی رہی ہے۔ یہ مختلف نسلی، ثقافتی، اسلامی اور مذہبی گروہوں کا ڈھینہ ڈھالا اور بے جوز مرتفع ہے۔ کشمیر میں انتخابی ایک ایسے وقت میں مظہر عام پر آئی جب بھارت کو بخاپ کو بھارت میں پہلے اسی سے سکھے بغاوت کا سامنا تھا۔ بھارت کو یہ خوف تھا کہ اگر کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے بنیادی مطالبات کے آگے سر جھکا دیا گیا یا پھر کشمیر یون کی طرف سے ایک آزاد و خود مختار کشمیر کا مطالبہ تسلیم کر لیا گیا تو بھارت کے درمیں حصوں میں بھی بغاوتیں پھوٹ پڑیں گی۔ چنانچہ وہ کسی قیمت پر بھی ایسا خطروہ مول نہیں لیتا چاہتا۔

اس صورتحال کا اور اس کرتے ہوئے مفری سفارت کار پاکستان کے ساتھ بے خبری کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کشمیر کے حوالے سے ان کی پالیسی پے مقصد دکھائی دیتی ہے کیونکہ اس کی کامیابی کا دور دو رنگ کوئی امکان نہیں ہے۔ اس بات پر کوئی کیسے یقین کر سکتا ہے کہ بھارت کو دراصل وادی کشمیر سے دستبردار ہونے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے؟ اس کے باوجود وہ بہت سے پاکستانیوں کا بھی خیال تھا اور ہے۔ جی کہ نیاز ناٹیک کا بھی جو بصورت دیگر انہیں معتقد مزاج قسم کی شخصیت رکھتے تھے، غالباً سبکی یقین تھا۔ اور ایک ادارے کے طور پر فوج کا بھی بھی یقینی ہے، اگرچہ میری ایک سے زائد ایسے رنائزڈ فوجی افزوں سے ملاقات ہوئی جن کا اعتراف ہے کہ یہ ایک بے کار تازمہ ہے۔ بہت سے جاگیر دار سیاستدانوں کو خاص طور پر جن کا تعلق صوبہ پنجاب سے ہے، یعنی وہ صوبہ جو کشمیر کے ساتھ متصل ہے اور بھارت کی طرف سے رابط منقطع کرنے سے قبل علاقے کے اس کے ساتھ قریبی مراسم تھے، اس موضوع سے گھری و پھری نظر آتی ہے۔ تاہم میں جس وقت پاکستان پہنچا، اس وقت تک کشمیر کے مقصد کے لئے حادثہ ملک کے

اندر سیاسی نظریے کی درستگی کے حوالے سے ایک ایسے اہم عضر کی جماعت اختیار کر گئی تھی کہ یہ کہنا اجتنابی مشکل نظر آتا تھا کہ لوگوں کا اصل عقیدہ یا نظریہ کیا ہے۔ دھنیں جو کہ کشمیر پر سخت موقف کے حوالے سے بہت زیادہ جوش خطا بت کا مظاہرہ کر رہی تھیں ایک دوسرے سے بالکل ای مختلف نظریات رکھتی تھیں۔ ایک ان سیکولر قوم پرستوں پر مشتمل تھی جو ذرا رائج ابلاغ میں پیش پیش اور فوج سے تربیت رہا تھا۔ ایک اسی کشمیری بڑھک بازوں کے نام سے مشہور تھے۔ بجکہ دوسری تھیں جو کہ بالکل حیرت کے نہیں تر غیب رکھنے والوں پر مشتمل تھی۔ مجھے وہ گفتگو ابھی بھی اچھی طرح یاد ہے جس میں جماعت اسلامی کے ایک اعلیٰ عہد بیارنے اس امر پر اصرار کیا تھا کہ مجاہدین بالکل اسی طرح ہندوؤں کو کشمیر سے باہر نکال پہنچیں گے جس طرح انہوں نے روہینوں کو افغانستان سے نکال باہر پہنچا تھا۔

یہ دراصل پاکستان کی طرف سے کشمیر میں جہادی تنظیموں کو استعمال کرنے کی حکمت عملی ای تھی جس کے نتیجے میں وہ افغانستان سے کسی بھی طرح کی ہمدردی کی امید سے گرد ہو گیا تھا۔ امریکہ نے، یہی سو دوست خالف جہاد کے دران افغانستان میں جہادیوں کے استعمال کی حمایت کی تھی مگر یہ اس وقت تک جاری رہی جب تک وہ مغرب کی خلافت پر فوجیں ٹھیک گئے تھے۔ میں پاکستان اس روز پہنچا تھا جس سے اگلے دن القاعدہ نے شیروانی اور دارالسلام میں امریکی سفارت خانوں میں بم و ڈھماکے کر دیئے تھے۔ جیسا کہ میں آگے جا کر بہت تفصیل سے کہوں گا اذون گا، اس وقت تک القاعدہ افغانستان میں ان طالبان کے تحفظات کی محترمی تسلیم رہا اور ایسا کرتی پھر رہی تھی جو روہینوں کی وادی کے بعد شروع ہونے والی افغان خانہ تھکنی میں پاکستانی گماشتوں کا کروڑاوا کر رہے تھے۔ مشرقی افریقیہ میں ہونے والے بم و ڈھماکوں کے روغل میں امریکہ نے پاکستانی سرحد سے قریب واقع صوبہ خوست میں القاعدہ کے ترینی مرکز پر کروز میز انکلوں سے جملہ کر دیا۔ تاہم مارے جانے والوں میں اکثریت ایچ یو ایم کے جہادیوں کی بالکل آئی جو کہ اس وقت ایک وسیع و عریض عمارت کے اندر تھکنی سہوتوں کو استعمال کرنے والی بہت سی تنظیموں میں سے ایک تھی۔ یہ امر واضح تھا کہ القاعدہ اور ایچ یو ایم کے درمیان قدر مشترک صرف ترینی کہپ ہی تھیں تھا۔ ان کا بہبادی جہادی قلعہ اور مغرب سے ان کے لئے ان کے دل میں تھکر کا جذبہ بھی ایک ہی تھا، اگرچہ اس وقت ایچ یو ایم کی ساری توجہ صرف کشمیر پر مکروہ تھی۔ جیسا کہ ہم نے پہلے

دیکھایہ۔ تنظیم تحری 1985ء میں کشمیر کے پیاروں کی سیاحت پر آئے ہوئے مغربی سیاحوں کے اخواں اور بعد ازاں قتل کے واقعہ کے بعد امریکہ نے دہشت گرد تنظیم قرار دے دیا۔ ایک الیکٹریکی حکومت کے ساتھ ہمدردی کرنا مشکل نظر آتا ہے جو بے کار مقاصد کی میکل کے لئے امریکہ کی انتہائی سسوم چالافت کرنے والی تخلیموں کی خدمات حاصل کرنے پر تیار ہتی ہو۔

سفارت کاروں کے طبقے اور عمومی طور پر واشنگٹن کی بدگمانیاں اس وقت اور بھی شدت اختیار کر گئیں جب مشرف کے بر سر اقتدار آنے کے صرف ایک ماہ بعد ایک اور اہم واقعہ پیش آئی۔ امریکی میل میل (Millam) اور میں اسلام آباد کی ایک اونچی پیاری پر واقع شرپ کی سرکاری رہائش گاہ پر اس سے ملاقات کے لئے جا رہے تھے۔ ہم چیزیں کار سے باہر نکلنے پیش ایک ایسی گونج دار آواز سنائی دی جو پیاری سے نیچے والی شہر کے اندر ہوتے والے کسی زور دار دھماکے کی طرح لگ رہی تھی۔ مگر یہم ہر یہ کچھ خور کے بغیر مشرف کی رہائش گاہ میں داخل ہو گئے۔ ایک گھنٹہ گزرنے کے بعد جب ہم والپن آئے اور اپنی کار کی طرف بڑھتے تو ہم نے دیکھا کہ ہمارا ذرا بیرون ہتھ اشغال کے حالم میں ہماری لمحوں کی بھی نشست پر پڑے ہوئے فون کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ دوسری طرف میں یا سفارت خانے کی ڈپی چیف تھی جو کہ بڑی اجتماعی آواز میں اسیں وضاحت کر کے بتا رہی تھی کہ سفارت خانے پر ابھی ابھی ایک راکٹ حملہ ہوا ہے، جو کہ بظاہر ناکام ہو گیا ہے۔ اس نے ہماری حوصلہ افزائی کہ ہم یہ کوئی ایک کاروں کی طرف سے کوئی ثابت اشارہ ملنے تک انتفار کر سکتے ہیں مگر ہم کسی دکسی طرح بھاگ کرو اپنی سفارت خانے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے اور تیزی سے دوسری منزل پر واقع اپنے دفاتر میں ٹھس گئے۔ عمارت کی ایک طرف قواروں میں گلی ہوئی بڑی کھڑکیوں سے نگاہ ڈالتے ہوئے ہم کچھ دور ایک چوتھائی میل کے فاصلے پر غالی کیتی کے اس طرف ایک بڑے ایسی یو دی کا جلا ہوا بھاری بھر کم طبید کیہ رہے تھے۔ واردات کرنے والوں نے بظاہر بھی نشست ہٹا کر دور سے ہی وہ راکٹ چلا دیا تھا جو اس کی جگہ نصب کر دیا تھا۔ سفارت خانہ شانے کی زد میں آنے سے اس لئے گھوڑا رہ گیا تھا کیونکہ انہوں نے اس کی یچھے کی طرف پہنچنے کی طاقت کا غلط اندازہ لگایا تھا اور یوں طیارہ جھکتے سے ایک طرف کو جک گیا تھا اور راکٹ کا نشانہ ایک میل پہلے ہی خطا ہو کر رہ گیا۔ اس وقت پیش جو کچھ معلوم تھا وہ یہ تھا کہ یہ خوست میں ہونے والی اموات پر ایسی یو ایم کی طرف

سے جوانی کا روائی تھی۔

اگر پاکستانی اس طرح کے واقعات کے امریکی حیات پر رفتہ ہونے والے اثرات سے گاؤں تھے بھی سبی تو انہوں نے اس طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اس حوالے سے مجھے واحد رعایت مشرف اور جنوبی ایشیا کے لئے امریکہ کے اسنٹ بیکر یونیورسٹی کا رول انڈر فرٹھ کے درمیان اس واقع کے کچھ ہی عرصہ بعد ہونے والی ملاقات میں محسوس ہوئی۔ کشمیری ہائیوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اس نے ان کے لئے چہاروں کی اصطلاح استعمال کرنے کی وجہ سے سیکولر نظریات کا تاثر دینے والے ”مجاہدین آزادی“ کے الفاظ استعمال کئے۔ اس کے ملاقاً ہیوں کو اس سے کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ امریکہ کی جنگ جہالت و مایوی سات ماہ بعد مارچ 2003ء میں اس وقت اپنی علامتی حدود کو چھوٹے گئی جب ان خوفناک قسم کے حافظی اقدامات کے ساتھ جن کا ذکر کراس کتاب کے صفحوں میں کیا گیا ہے، ملک ہمیشہ پاکستان کے درمیان پر پہنچا۔ اس کے درمیان کا مرکزی خیال، جو کہ پاکستان آئے کی اہم وجہ بھی تھی، پاکستانی عموم سے ملی ویژن پر براہ راست خطاب کے ذریعے یہ پروزوراً تھا کہ وہ کشمیر کے مسئلے کو اتنی زیادہ اہمیت دینا چھوڑ دیں جو کہ دیوارے کا ایسا خواب ہے جس کے پورا ہونے کی کوئی امید نہیں اور جس کی وجہ سے پاکستان مذہبی جتوں کے فتحجی میں کھنس کر رہ گیا ہے۔ وہ انہیں یہ بتا رہا تھا کہ اب اس حوالے سے پالیسی تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔

مگر انہوں نے اس تھیت پر کانٹھیں دھرے تھے۔ حتیٰ کہ جب صدر کا خطاب چاری تھا اس وقت بھی آئی ایسی آئی کشمیر کے اندر کا روائی کے لئے ایک نئی چہارویں حکیم تیار کر رہی تھی۔ مکھل چند ماوچیں کرس کے موقع پر اچھی یو ایم کے کارکنوں نے اٹھیں ایٹر لائن کا ایک طیارہ اس وقت اخواء کریاتھا جب اسے نیپال میں کھنڈوں کے ہوائی اڈے سے اڑے ہوئے کچھ ہی دریہ ہوئی تھی۔ ہالی جنگروں کا مطالب تھا کہ طیارے کا رخ لا ہو کی جانب موڑ دیا جائے مگر پاکستانی حکام نے جہاز کو اپنی نضائی حدود میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے الگا کر دیا۔ جہاز جو پہلے ہی ایڈمن کی قلت کا ہیگا رہا آخر کار صرد کے اس پار امر تر کے ہوائی اڈے منتقل گیا۔ جب یہ ظاہر ہوا کہ بھارتی حکام طیارے کو دوبارہ پرواز سے روکنے کے لئے رن وے کو بند کر رہے ہیں تو ہالی جنگروں نے پائلٹ کو دوبارہ جہاز اڑانے پر مجبور کر دیا۔ اب طیارے کا رخ ایک مرتبہ پھر لا ہو کی طرف ہو

گیا جہاں ہوائی اڈے کے عملے نے طیارے کو اترنے کی اجازت دینے سے پھر انکار کر دیا۔ تاہم جب پائلٹ نے صحیحلاہت میں طیارے کو ایک قریبی سڑک پر اتارنے کے لئے زور دا رامراز میں زمین پر تقریباً نکلا ہی دیکھا تو اسے اجازت مل گئی۔ طیارہ زمین پر اتر آیا، ایندھن دوبارہ بھر گیا اور پھر خضاں میں بلند ہو گیا۔ اب اس کی چیلہ منزل وہی تھی جہاں ہورتوں اور بچوں کی کشیر تعداد کو اتنا دیا گیا اور اس کے بعد وہ اپنی تھی جات ہونے والی منزل بھی جنوبی افغانستان میں طالبان کے دار الحکومت قید ہمار کی طرف روانہ ہو گیا۔

قدھار ایک اچھا تھا بھائی کیلکہ وہاں ایچ یو ایم کی موجودگی واضح تھی جیسا کہ گز شدہ برس غوث پر امریکی کروز میراں کے محلے کے نئے میں ہونے والی اموات کی فہرست سے ظاہر ہوتا تھا۔ اس کے بعد ہونے والے ناکرات میں باقی تھیکر اس شرط پر طیارے اور اس کے مسافروں کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے کہ اس کے بدلتے اٹھیا کی قید میں پڑے ہوئے بے شمار جہادیوں کو رہا کر دیا جائے گا۔ ان میں سے ایک عمر شیخ تھا جو کہ بڑھانی میں جنم لینے والا وہ جہادی تھا جس نے بعد ازاں پختگی پول کے انخواہ اور پھر قل میں مرکزی کردار ادا کرنا تھا۔ مگر بڑی پھیلی مولانا مسعود اظہر تھا جو کہ ایچ یو ایم کا سر ایگزیکٹیو میں آئے والے علاقوں بہاولپور سے تعلق رکھتے والا رہتا تھا اور جسے 1999ء میں شہیر سے گرفتار کیا گیا تھا۔ پھر حد تک علمی شخصیت ہونے کا تاثر دینے والے اس جہادی نے ایچ یو ایم کے اصل بانی کے قوش قدم پر پڑتے ہوئے درسہ جامعہ علوم الاسلامیہ، کراچی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اٹھیا کی طرف سے اسے رہا کر کے قدھار کے حوالے کر دیا گیا تو وہ اچانک کہنی غائب ہو گیا اور پھر کئی ماہ بعد پاکستان میں اس وقت مظہر عالم پر آیا جب اس نے اپنی شیخ جہادی حکیم "حصیر محمد" یا محمد فوج کی تھیل کا اعلان کیا۔ یہ امر ایجھی تک واضح نہیں ہو سکتا کہ آیا اس کے ایچ یو ایم کی اس وقت کی قیادت سے اختلافات ہو گئے تھے یا پھر وہ حصہ اپنا الگ راست منتخب کرنا چاہتا تھا۔ تاہم اسے جنوبی پنجاب میں ایچ یو ایم کے عملی طور پر تقریباً سارے کے سارے ارکان کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ یہاں ایچ یو ایم کے پاس صرف پیشون ارکان ہی باتی رہ گئے اور وہ جلد ہی شبناک ایک نیز معروف حکیم بن کر رہ گئی۔

اس طرح کی تجدیلوں کا قریب سے مشاہدہ کرنے والے بہت سے تحریریکار حضرات کے مطابق آئیں آئی نے اگرچہ ہو سکتا ہے کہ طیارے کے اخواہ کے والوں میں کوئی کروار اونٹ کیا

ہو گریجوش محمد کی تخلیق میں ضرور اس کا باتھجھ ہو گا کیونکہ جنوبی پنجاب میں اس کے اثر و سورج کے باعث انہیں نیچین ہو گا کہ وہ اس کو زیادہ آسانی سے اپنی گمراہی اور کمزول میں رکھ سکتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ ایک ایسی تخلیق ہنا تھا جسے ہول گے جس کی توجہ و سرگرمیوں کا اہم گور صرف کشمیری ہو پہ نسبت اچھی یو ایم کے جو افغانستان میں بھی معروف عمل تھی۔ جیسا کہ اس طرح کے معاملات میں اکثر ہوتا ہے، ان کا نہ تو کوئی دستاویزی ثبوت ہے اور نہ ہی متعلقہ اہم فریقوں کا تبرہ یا رائے لیتا موزوں نظر آتا ہے۔ مگر جو بات واضح نظر آتی ہے وہ یہ کہ مولانا اظہر جیش کو ایک منفرد قوم کی تخلیق ہنا چاہتا تھا۔ اس کی تخلیق کے چند مادے کے اندر اندر یہ تحریں مظہر عام پر آنے کی تھیں کہ اس کی مفہوم سے بیان ہوئے کے چند دستے کشمیر کے اندر سرایت کر گئے تھے۔ تاہم دوسری طرف یہ تحریں بھی سر ابھارنے لگیں کہ یہ پنجاب میں شیعوں کے خلاف فرقہ دراٹ کاروائیوں میں بھی ملوث تھی اور اس طریقے سے یہ اندر وہ ملک فرقہ دراٹ فساد اور یوران ملک جہادی سرگرمیوں میں فرقہ مٹا کر رکھ دینے والی اپنی نویعت کی منفرد تخلیق بن کر رہی ہی۔ بعض تجزیوی کاروں کے خیال میں جیش کا اپنے سے بھی زیادہ کھلی فرقہ دراٹ تخلیق سپاہ مجاہد اور اس کی اور بھی زیادہ تعداد پسند شاخ لٹکر حکومی کے ساتھ اشتراک نظریہ عمل پر اتفاق پایا جاتا تھا۔ بہر صورت، یہ امر واضح تھا کہ یہ بھی اس طرح دیوبندیوں سے بھرتی کر رہی تھی جیسا کہ دوسری تخلیقیں اور اسی لئے یہ کوئی حرمت کی بات نہیں تھی کہ وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ تعاون بھی کر رہی تھیں جیسا کہ بعد کے رسول میں زیادہ سے زیادہ واضح ہوتے لگا تھا۔

کشمیر کے حاذ پر جو شیعہ محمد کے تعارف کے بعد سے دہانی بغاوت کا انداز بھی تبدیل ہو کر رہ گیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے دہانی بھارتی فوجوں کی وسیع تعداد میں موجودگی کے باعث حزب الجہادین کے لئے کارروائیاں کرنا بہت مشکل ہو چلا تھا۔ 1996ء تک کشمیر کے لوگ جنگ کی طوالت سے اکٹا نے کی علامات ظاہر کرنے لگے تھے اور اتنا پڑھ کے آغاز کے بعد ایسا ہی مرتبت ہوا تھا کہ بھارتی حکومت وادی میں انتخابات کے حوالے سے پر اعتماد نظر آنے لگی تھی۔ اگرچہ حزبِ مخالف نے انتخابات کا بایکاٹ کر دیا تھا، تاہم بغاوت کے خلاف سے ہوا تھنے لگی تھی۔ حزبِ الجہادین سے تعداد میں ہمیشہ کم ہونے کے باعث لٹکر طیبہ نے آخر کار ایسے حریبے آزمائے کافی مدد کر لیا تھا جو اس کے عزائم حالات سے مطابقت رکھتے تھے۔ اس نے اپنی توجہ بڑے بڑے جملوں

سے ہنا کر جنہیں چاری رکھنا نہ صرف مشکل ہوتا چاہتا تھا بلکہ ان کے نتیجے میں اس کی مفہومیں شامل چہارویں بھی تھے، بہت چھوٹے پولے کی بیم دھماکوں جیسی کارروائیوں کی طرف مبذہل کر دی جن میں اکثر اوقات صرف 2 افراد پر مشتمل تھیں کو ایک مخفوق اور غریب عملی تھتھے نظر سے اچھائی کا رام بھارتی ٹھکانوں پر حملہ کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا۔ اس طرح پہلا حملہ، میزدہ طور پر، جولائی 1999ء میں اس وقت سامنے آیا جب لٹکر کے دو جہادیوں نے بھارتی پیرامٹری فورسز سے بھرے ہوئے کپ کی طرف گزندہ اچھالے اور بندوقوں سے قاتمگ کرتے ہوئے خود کو دھماکے سے زاویا۔ اس سے اگلے تین برسوں کے دوران اس طرح کے 55 حملے کے گھے جن کا اہم بہاف پولیس، پیرامٹری فورسز اور فوج کے نہ کانے تھے۔ ان میں جو شہر کی طرف سے کیے گئے حملے بھی شامل تھے جن میں اس طرح کے حریبے استعمال کے گئے جو 2000ء میں کشمیر کے اندر سراست کر جانے والوں کے حملے قرار دے دیا اور یہ نہ صرف جزوں میں تبدیلی کے نتیجے بلکہ ان کی نوعیت بھی بہت مختلف تھیں کیونکہ ان میں تینی صورت کا امکان بھی شامل ہوتا تھا۔

اس امر کا غالب امکان ہے کہ آئی ایس آئی کو ان جریبوں یا حکمت عملیوں میں تبدیلی کا نہ صرف علم تھا بلکہ یہ اس کی مظہوری سے تبدیل کی گئی تھیں۔ چونکہ اس طرح کے حلے بہت کثرت سے اور بہت طویل عرصے سے کئے جا رہے تھے اس لئے آئی ایس آئی کے کروار سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ کوئی بھی ریٹائرڈ یا حاضر مردوں اعلیٰ فوجی افسروں امر کا اعتراف نہیں کرے گا مگر میرے شناشائیک سے زائد فوجی افسروں نے باول خواستہ اعتراف کرتے ہوئے چہاروں کی جرأت و ہمت کی تعریف کے ساتھ ہی انہیں جزوئی بھی قرار دے دیا تھا۔ جیسے جیسے فدا میں حملوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور ان کے اهداف کی پیش میں بھارت کے مرکزی شہروں کے اندر کی جانے والی کارروائیوں سمیت زیادہ سنتی خیز اور آگ لگانے جیسے واقعات بھی آتے جا رہے تھے، ویسے ویسے اس امر کا تھیں مشکل ہوتا جا رہا تھا کہ ان میں پاکستانی فوج اور آئی ایس آئی کس حد تک ملوث تھے۔ فدا میں کی ایک نیم نے 2 ستمبر 2000ء میں نیو دہلی کے لال قلعہ اور سری گھر کے ہوائی اڈے پر دھماکا بول دیا۔ سری گھر کی قانون ساز اسکلی کو آنے والے اکتوبر میں نشانہ بنا لیا گیا۔ اس کے دو ماہ بعد 13 دسمبر کو پانچ چہاروں نے نیو دہلی میں پارلیمنٹ کی عمارت پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ وہ بھارت کے زیادہ سے زیادہ اعلیٰ عہدیداروں کو قتل کرنے کے اپنے اہم مقصد میں ناکام ہو گئے تھے

محاسن نوعیت کے خطرناک حلے کی جرأت سے ہی، جس کے نتیجے میں کشمیر کے تازے کو بھارت کے سیاسی اقتدار کے مرکز مکملانے میں کامیابی حاصل ہو گئی تھی، بھارتی عوام اشتغال کا شکار ہو گئے تھے۔ نیو دلی نے یمن الاقوامی سرحدوں پر فوجیں تھیٹ کر دیں، ایک ایسا قدم جس کے جواب میں پاکستان نے بھی کچھ کیا اور یوں دونوں ممالک بظاہر ایک خطرناک جنگ کے دہانے پر پہنچ گئے۔

امریکہ کی بھاری حالات سے منٹنے کی ملاجتوں کی حامل سفارت کاری اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کی طرف سے جوری 2005 میں لٹکر طیبہ اور جیش محمد پر پابندی لگانے کے اعلان کے باعث صورتحال کو معمول پر لانے میں مددی، تاہم میں کے منیں میں فدا گین کی طرف سے جوں کے خلاطے میں ان بھارتی فوجیوں کے گمراہوں کی رہائش کے لئے بنتے ہوئے احاطے کے اندر ایک اور حملہ کر دیا گیا جو کشمیر میں خدمات انجام دے رہے تھے۔ اس حلے میں 33 افراد ہلاک ہو گئے تھے جن میں زیاد و تعداد مورتوں اور بیچوں کی تھی۔ اس حلے کے اور بھی تباہی برآمد ہوئے اور ان مرتبہ دونوں طرف سے اپنی بھیواروں کے استعمال کی دھمکیاں بھی دی جاتے گیں۔ ایک خطرناک جنگ کے امکانات سر پر منڈلاتے دیکھ کر امریکہ نے بھارت میں اپنے سفارت خانے اور قنصیلیٹ میں تھیں غیر ضروری عملے اور امریکی ملازمین کے اہل خانہ کو وہاں سے بخفاخت امریکہ بھجوانا شروع کر دیا، جو کہ ایک ایسا فصل تھا جس نے بھارتی فیصلہ سازوں کو اپنا قبلہ تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور پھر آخراً کارپرویز مشرف کی طرف سے کشمیر میں جہادیوں کا راستہ بھیش کے لئے بند کر دینے کے وعدے کے اعلان نے دونوں فریقوں کو آخری حد سے پیچے بٹھ کا ایک مناسب بہانہ فراہم کر دیا۔ حافظ سعید اور سعدوا ظہر کوئی ماہ کے لئے جیل میں بند کر دیا گیا، مگر ان کی تیکھیوں کو غیر موثر ہا کر رکھ دینے والے ایسے کوئی اقدامات دیکھنے میں نہیں آئے جنہیں سچے معنوں میں نہیں اقدامات کہا جا سکتا۔ دونوں تیکھیں کچھ عرصہ کے لئے غیر تحرک ہو گئیں، اپنے نام تبدیل کرنے اور پھر جلدی اپنے معمول پر آگئیں۔ پاکستان کو ان کے خلاف کسی قسم کی تحریک کارروائی کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پاکستان میں بسا اوقات نام تبدیل کرنے جاتے ہیں، مگر ان کا مقصد مخصوص افراد کا تحفظ نہیں بلکہ جہادیوں کے ساتھ مل کر کارروائیاں کرنے والوں کو بچانا ہوتا ہے۔

اس حوالے سے مختلف آراء کا انہمار کیا جاتا ہے کہ ایسے مواقف پر بھارت اور پاکستان جنگ کے کس قدر قرب پہنچ چکے تھے۔ میرا بنا اندرازہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی جنگ کے زیادہ قرب نہیں آئے۔ پاکستان کے ساتھ جنگ کے حوالے سے بھارت بھی جس عقیم خصے کا فکار رہا ہے، خواہ شعال کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو، وہ یہ ہے کہ اگر وہ میدان جنگ میں کامیابی حاصل کر سکی لے تو پھر بھی اس کے سر پر ایک عدوائی جعلے کا شدید خطرہ منڈلا تار ہے گا۔ اگر لاہور کا ہر طرف سے یا صدر کر لیا جاتا یا پھر یہ بھارت کے قبیلے میں چلا جاتا یا اگر بھارتی فوج پیش قدی کرتے ہوئے آگے جوپ تک پہنچ جاتی جس سے پاکستان کے دو ٹکڑے ہو جانے کا امکان پیدا ہو جاتا تو ایسی صورت حال میں پاکستان کا کیا رو عمل ہوتا۔ اس حوالے سے اس ریاضت کی غنیمت جز لے جس کے بعد باقی رو عمل کا ذکر میں نے دوسرے باب میں کیا ہے، پاکستان کی طرف سے ایسی تھیار استعمال کرنے پر مجبور ہو جانے کے امکانات کے حوالے سے چھدایک ٹھوک و شہادت کا انہمار کیا تھا۔ انہم بھارتی اس حقیقت سے بلاشبہ اچھی طرح آگاہ ہیں کہ پاکستانی فوج کے افراد کے اندر اس طرح کی سوچ موجود ہے اور یقین سے مجھس کہا جا سکتا کہ اس کی وجہات گمراہ کن نظریات یا غلط فہمی پہنچی ہیں۔ بھارت ندانہ میں حلولوں سے جس چھٹھماہیت کا فکار نظر آتا ہے اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ اسے پاکستان کے ایسی تھیاروں کی اہلیت کا اچھی طرح احساس ہے جو کہ بھارت کے بڑے شہروں کو اگرچہ پوری طرح تو نہیں مگر اچھا خاص انتباہ کر کے رکھ دیجئے کی ملامیت رکھتے ہیں۔

اس سکتے کو سامنے رکھا جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا آئی اس آئی نے نیو جملی اور بھوی میں ہونے والے حلولوں کی مذکوری دی تھی یا کیا وہ ان سے پہنچی آگاہ تھی۔ اس حوالے سے کسی ناقابل تردید شہادت کی عدم موجودگی کے باعث صرف قیاس آرائی ہی کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ یہ سکھنا اتنا مشکل نہیں ہے کہ کشمیر کے اندر بھارتی پولیس اور فوج کے ٹھنکاؤں پر ندانہ میں حلے وادی میں بھارتی سکیورٹی فورسز پر دھاڑ پڑھا کر پاکستان کے سیاسی مقاصد کی تھیں میں کس طرح محاون ثابت ہو سکتے ہوں گے۔ تاہم یہ امر بھروسے بالاتر ہے کہ بھارتی حکومت کے مرکزی ٹھنکا نے پر حملہ کر کے یا بے گناہ اور نسبت پچھل اور خواتین کو ہلاک کر کے پاکستان اپنے مخادرات کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اس طرح کے واقعات کے نتیجے میں، جیسا کہ سات برس بعد ہونے

وائے گئی حملوں نے ایک بار پھر ثابت کر دیا تھا، پاکستانی عزائم کے حوالے سے عالمی رائے عامہ اور بھی زیادہ سفی رنگ اختیار کر گئی تھی۔ اس حوالے سے کارگل کی نازدیکی میں یادیں بھی پروردہ مشرف کو قائل کرنے کے لئے کافی تھیں۔ نہ ہی پاکستان کو یہ یقین ہو سکتا تھا کہ اس طرح کے واقعات اپنی شعلہ انجیز توجیت کے سبب جگ اور اس کے ساتھ اس کی چاہ کاریوں کے خلاف ڈھال مثبت ہوں گے۔

یہ کہتا ہے نہیں کرنا ضروری ہے کہ لٹکر طیبہ اور جیش محمد جیسی پاکستانی چہادی تنظیمیں، خواہ ان کے آئی ایسیں سے قطع کی نوعیت کچھ بھی ہوئے تو پاکستان کی خارجہ پاکی مقاصد کی محیل کا ذریبد ہیں اور نہ ای کچھی رہی ہیں۔ ان تھیموں کے دنیا کے حوالے سے اپنے ہی نظریات اور اپنے ایسا ہی الہاف ہیں جو اگرچہ کچھی بھی ان کے پاکستانی خبرخواہوں اور مردوں کے مفادات سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں مگر وہ واضح اور بیانی طور بالکل مختلف نظریات ہیں۔ اگرچہ دونوں فرقہ کشیر سے بھارت کو باہر نکال دینے کے مقصد پر متفق نظر آتے ہیں، تاہم پاکستان کے مقتدر سیاسی طبقے، سولہیں اور فوجی دلوں، پاکستان میں یا کہیں اور ایک عالمی اسلامی خلافت کی بھالی یا شریعت کی حکمرانی نہیں چاہے۔ لٹکر اور جیش محمدی تنظیمیں رائے عامہ کی چدائی پر وہ بھیں کرتیں اور انہیں پاک۔ بھارت جگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے یقینی انتشار کی صورت میں بھی ایک موقع فراہم ہو سکتا ہے۔ وہ اس حقیقت سے بھی اچھی طرح باخبر ہیں کہ پاکستانی حکام کے نزدیک ان کا مقام کشیر کے مسئلے پر بھارت کے ساتھ ہونے والی کھلاڑی میں ایک فیصلہ کن ہتھیار کی طرح ہے۔ پاکستان کے ان پر اس قدر انحصار کو دعا لایا اپنے ای چہادی عزم کی محیل کا مکمل اجازت نامہ بھی ہیں۔

اس امر سے قطع نظر کر ان کی اصل یا حصی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی تھی، یہ واقعات بھارت کے لئے ایک الکی کڑوی گولی ہابت ہوئے ہے وہ لٹکلے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ آخراً کارروہ کشیر پر اپنی بیچا اس برس سے زیادہ عرصے پر محیط بالا دتی کا کجا جواز پیش کرتے؟ وادی میں ایک عدد میٹھا صہارہ اور مستقل عدم اطمینان کا شکار مسلم آبادی۔ مستقل طور پر متین پانچ لاکھ فوجی جوان سب سے نزدیکی ہمارے کی نرم نہ کی جاسکئے والی خالقت ان کے ملک کے مرکز میں سننی خیز دہشت گرد واقعات کے بڑھتے ہوئے امکانات، جن کا بدلہ یا انقام لینے کی کوششوں کا نتیجہ جگ اور بڑے

بڑے شہروں کی ایسی محلوں سے بڑا ہی کی صورت میں لکل سکتا تھا۔ یہ علم کہ اگر وہ کشیدہ میں اپنے نقصانات کم کرنے اور وہاں سے لکل بھائیگے کا فیصلہ کریں تو اس کے نتیجے میں دوسری جگہوں پر بھی علیحدگی کی تحریک چل سکتی ہے اور یوں بھارت نسلی انسانی اور ملکی بینادوں پر نوٹاشروع ہو جائے گا۔ اگر بھارتی قوم کے بانی رہنماؤں کے اندر مستقبل میں جماگئے کے نتائج دیکھنے کے قابل ہوتے تو کیا وہ ہری سنگھ کی مدد کے لئے تیار ہو جاتے؟ اس وقت ان کے پاس مقابل ترجیحات موجود تھیں۔ گرہاب ان کے پاس کوئی مقابل ترجیحات ہیں، یہ امر واضح نہیں ہے۔

چہاں بھک پاکستانیوں کا تعلق ہے، ان کا خیال تھا کہ انہوں نے افغانستان سے جو اسلام حاصل کئے تھے انہیں کشیدہ میں نافذ کرنے کا فیصلہ کر کے انہوں نے بڑی چالاکی کا ثبوت دیا تھا۔ یہ بھارت پر دباؤ ذائلے اور اسے اپنی فوج کا چھاخا خاص تاب کشیدہ میں معین کرنے پر مجبور کرنے کا ایک سنا طریقہ تھا۔ انہیں بلاشبہ بڑی اسیدیں تھیں کہ اس طرح وہ بھارت کو مذاکرات کی بیز پر لانے میں کامیاب ہوتے کے ساتھ ہی، شاید، کچھ عرصے میں وادی سے لکل جانے پر بھی مجبور کر دیں گے۔ گرہ وہ غالباً اس حقیقت کا دراک کرنے میں ناکام ہو گئے تھے کہ اس مقصد کے لئے انہوں نے جن حظیقوں کا انتخاب کیا تھا وہ بالکل اتنی مختلف مقاصد اور اهداف کو منظر رکھے ہوئے تھیں۔ آخر لشکر طیپہ اور حشیش محمد کے حقی اہداف و مقاصد کیا تھے؟ کیا کسی کو بھی یقین تھا کہ بھارت کو کشیدہ سے نکال پکنے کے بعد وہ اپنے تھیمار پھیک کر جا گیرا دیساسترانوں اور فوج کے تسلسل کے حامل سیکولر پاکستانی مقتدر کی رحم و لیکن کی زندگی گزارنے کے لئے پاکستان میں اپنے گھروں کو لوٹ آئیں گے؟

محظی شک ہے کہ کسی نے بھی اس لکھتے پر زیادہ غور و غوش نہیں کیا تھا۔ اگر کسی نے سوچا بھی کسی تو یہ یقیناً سیکھی سوچا کہ یہ مستقل کا مسئلہ ہے، ایک دور کا خطرہ ہے بڑی آسانی سے آنے والے وقت پر چھوڑا جا سکتا ہے آئی آئی کو یہ پختہ یقین تھا اور جسے فوجی اور اس سولیمین قیادت کی طرف سے بھی تقویت فراہم کی جاتی تھی جو اس دوران زیادہ عرصہ بر سر اقتدار ہے تھے، کہ وہ چہار یوں کو اپنے کنٹرول میں رکھ سکتی ہے۔ افغانستان میں بھی مجاہدین کے حوالے سے ان کا بھی تجربہ رہا تھا۔ تاہم وہ اس امر کا پوری طرح اور اک کرنے میں ناکام ہو گئے تھے کہ یہاں ان کا واسطہ کس صورتحال اور کن لوگوں سے تھا۔ انہیں آہستہ آہستہ یہ پختہ چلانا شروع ہو گیا تھا کہ وہ بیناد

پرست اسلام پمندوں کو صرف اس حد تک کنٹرول کرتے اور اپنے زیر اثر رکھ سکتے جس حد تک ان کا مقادشہ ک تھا۔ اس حد سے آگے نہ کوئی میں بھارتی پارلیمنٹ کی عدالت کی سیڑھیاں اور جموں میں نہیں تھات بھارتی فوجیوں کے یونی یوں کی لاشیں ہی پڑی نظر آتی تھیں۔ مگر یہ صرف کشمیر نہیں تھا جہاں پاکستانیوں نے یہ مشکل سبق سکھنا شروع کر دیا تھا۔ افغانستان بھی حیرت انگیز طور پر اور ان کے تھمری حد تک ایک ذرا و نے خواب کی طرح دوبارہ ان کے تعاقب میں تھا۔



## طالبان، بن لادن، اور ۹/۱۱ کی سمت آغاز سفر

یہ اس طرح نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہر ایک کا خیال تھا کہ جب ایک مرتبہ روی افغانستان سے کل گئے تو ان کے پیچھے رہ جانے والی کوہ پٹلی کیونٹ حکومت جس کا سربراہ محمد نجیب اللہ تھا فوراً ان افغان مجاہدین کے آئے گئے سختے بیک دے گی۔ مگر دسوں نے اپنی مالی امداد جاری رکھی اور کیونٹ حکومت کو انصنان نہیں پہنچا۔ نومبر ۱۹۸۶ء میں، نہیں اس سے اگھے بر سر آئیں آئی نے اپنے مالی وسائل کا زیادہ حصہ مجاہدین حکمت یار پر لانا کا عمل جاری رکھا جس کے پاس واضح طور پر یہ راستہ موجود تھا کہ ایک مرتبہ جب کیونٹ حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے گا تو حکومت اس کے قیضے میں آ جائے گی۔ مگر نہ تو وہ اور نہ اس کا اہم مقابل احمد شاہ مسعود کا مل کے اندر بڑو رخافت داخل ہونے میں کامیاب ہو سکے۔ یہ سو دست یومن کے چھتی زوال کے وقت ۱۹۹۲ء کے آغاز کی بات ہے جب نجیب اللہ کے پاؤں کے یچھے سے آخر کار زمین کھکھتے گئی تھی۔ تھی روی جمہوریہ نے تھوڑا کے رہنمے سے اس کا نام کاٹ دیا تھا اور یوں اس کے پہ سالاروں کے پاس اس کی حیاتیت جاری رکھنے کے لئے محکمات میں بھی کمی آگئی۔ فیصلہ کن قدم فروری میں اس وقت انہیاں گیا جب از بک فوجوں کے پہ سالار جزل دوستم نے اس کا ساتھ چھوڑ کر مجاہدین سے جانشی کا فیصلہ کر لیا۔ یہ نہ صرف نجیب اللہ کے لئے ایک شدید دچکا تھا بلکہ پاکستان کے لئے بھی کیونکہ دوستم نے مقابل طاقتوں میں سے حکمت یار کی بجائے مسعود کا انتخاب کیا تھا۔

آخر کار مسعود اور دوستم کے مشترکہ دباؤ کی نتاب نہ لا کر کا مل حکومت ترقی کرنے کی تھی۔ اقتدار سے نکالے ہوئے نجیب اللہ نے اقوام متحده کے احاطے میں پناہ طلب کی جیاں وہ کئی برس

بعد اپنی بے رحم موت تک قیام پڑی رہا۔ آئیں آئی اور حکمت یار اس سارے ڈرائی میں محل تماشی بن کر رہ گئے۔ موخر الذکر خود ہی اس صورت حال کا ذمہ دار نظر ہوا تھا۔ شہر میں داخلے سے قبل مسروطے اسے موقع سے مشترک طور پر فائدہ اٹھانے کی چیز کش کی تھی مگر حکمت یار نے الٹا سے لراںی میں بھکست دینے کی کوشش کر دی۔ اگرچہ اس کوشش میں ناکامی ہوئی مگر وہ اپنے سابقہ خلاف مجاہدین رہنمایوں کی بھیش بھیش کے لئے الگ تمثیل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور یوں اقتدار کے لئے ایک مسلسل والا حامل بھکش میں ایک دوسرے کے مقابل دوسرے امیدوار بھی جب ان جنگجوؤں کے ساتھ آن ملے تو ایک بظاہر نہ ختم ہونے والی افغان خان جنگی کے دوسرے مرحلے کی بیان درکھو دی گئی۔ افغان خوام کی زندگی مسلسل اجریں کی جاتی رہی اور سب سے زیادہ کالیف جنوب میں قلعہ حار کے پتوں کے لئے تھیں۔ یہاں ہر طرف انتشار سا پھیلا ہوا تھا اور کوئی ایک کمانڈر بھی اس قابل جیسی تھا جو کہ سیاسی صورت حال کو کنٹرول کر سکے۔ اس کے بر عکس جنگجوؤں کے ایک گردہ نے لوگوں کی زندگی عذاب ہنا کر رکھ دی تھی، جو کہ صوبے کے جابر حکمرانوں کی طرح کئی مدت سے زندگی بخوبی کر رہے تھے۔

اس طرح کے حالات اور واقعات سے ایک مقامی سابقہ مدد سے کے طلباء کا ایک گروہ بنت تھا۔ ان میں سے بعض تو عمر کی اس حد تک پہنچ پہنچے تھے کہ سودویت خلاف جہاد میں مجاہدین کے شانہ بشانہ لڑ پڑھے ہوں گے جبکہ باقی ماندو فرار ہو کر پناہ گزیوں کے ان بھیوں تک پہنچ گئے تھے جو پاکستان نے صوبہ سرحد میں اس مقصد کے لئے قائم کر دیئے تھے۔ تقریباً سب کے سب ان بے شمار مدرسون میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے جو بے یا آئی نے خلیے میں اس لئے قائم کئے تھے تاکہ افغانستان میں مجاہدین کے علیحدگیوں کے درمیان ہونے والی بھکش میں اپنا علیحدہ کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکے۔ یہاں انہوں نے قرآن کی حلاوت اور دوسری بنیادی اسلامی تعلیمات کے ساتھ یونیورسیٹی نظریات پر عبر حاصل کیا جو کہ ان کی اپنی پتوں قائلی روایات کی تھیں سے گزر کر ان کے اندر سراہیت کر گئے۔ جو طلباء مجاہدین کے ساتھ ہلانے کے لئے بہت کم سن تھے انہوں نے یقیناً ان واسٹاؤں کو بہت غور سے سنا ہو گا جو ان سے بڑے طلباء نے کافروں کے خلاف جرأت مندانہ جہاد کے حوالے سے سنائی ہوں گی اور جس کے نتیجے میں وہ کافر ملک چھوڑ کر فرار ہونے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔ تاہم جب مدرسون کے یہ طلباء اپنی

تحلیم کمل کرنے کے بعد جنوبی افغانستان میں اپنی پشتوں سر زمین پر واپس آنا شروع ہوئے تو یہاں اپنیں سخت صدے مجسمی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ روپیوں کی فکست کے نتیجے میں کسی اسلامی ہزاریہ کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ان کو حجم دینے والی سر زمین اللہ تعالیٰ اور انتشار کے دہانے پر پہنچ ہو گئی تھی۔ نہ صرف یہ کے علاقوں میں کسی مرکزی حکومت کا نام و نشان نہیں تھا بلکہ غاصب قوم کے مقامی جنگجوؤں نے جو کہ علاقوں کے اندر طاقت و اقتدار کے لئے دست و گرد بیان تھے، لا قانونیت و بد عنوانی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ پہلے یہاں تو مدرسون سے فارغ التحصیل طلباء نے آپس میں ان برا جوں اور نادان انسانیوں پر ٹکوہ شکایت سے بلاہ کر کچھ زیادہ نہیں کیا۔ تاہم آخر کار وہ اس حوالے سے نہ لگ کر اقدامات کے لئے تیار ہو گئے۔

جیسا کہ پاکستانی صحافی احمد رشید نے بتایا اس حوالے سے انہوں نے پہلی مرتبہ اسلحہ اختانے کا فیصلہ ۱۹۹۴ کی موسم بھار میں اس وقت کیا تھا جب ایک مقامی جنگجو کے فوجی سالار نے دو تو جوان لڑکیوں کو اخنواء کرنے کے بعد عصمت دری کا نشانہ ہوا۔ عمر نام کے ایک نوجوان ملائے نے اپنے تھیں ساتھیوں کو اکھا کر کے اس چوکی پر حملہ کر دیا جہاں لڑکیوں کو قیدیں رکھا جا رہا تھا اور یوں لڑکیوں کو آزاد کر دینے کے ساتھ ہی اس سالار کو اپنے ہی ایک بیٹک کی نال سے لٹکا کر پچانی دے دی۔ اپنے بہت سے ویگر ساتھیوں کے بر عکس مٹا عمر نے پاکستانی مدرسے کی بجائے ایک مقامی افغان مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ ایک دیہاتی قوم کا پسمندہ خیالات رکھنے والا وہ پشتوں ہے جس نے اپنے پاکستانی مدرسے کے ساتھ طالب علموں کی طرح اپنے شدت پسند و یہود نظریات کو بخون و ولی کے انجامی سخت قدم پشتوں قبائلی خوااب کے ان باریک میں عدوں سے گزار کر پر کھا تھا جن میں عزت، انتقام، اور سرحدی علاقوں کے کھروے انساف پر زور دیا گیا تھا۔ اسلامی دینی ایک روابط کے مطابق ایک اچھے مسلمان کا نہ صرف یہ فرض تھا کہ وہ مخصوص و بے گناہ لوگوں کو جابر قوم کے مقامی حکمرانوں کے پیچے قدم سے چھڑ رائے بلکہ جرم کا ارتکاب کرنے والوں کو بھی بیٹک کی نال کے ساتھ لٹکا کر پچانی دے ڈالے۔ طالبان جنم لے چکے تھے۔

اس واقعہ سے حوصلہ افزائی ملنے کے بعد، جن کے نتیجے میں انہیں علاقوں میں اچھی خاصی شہرت لی، عمر اور اس کے ساتھیوں کو قدمدار کے علاقوں میں ایک کے بعد کامیابی ملئی شروع

ہو گئی۔ عمر ایک طرح سے اپنے علاقے کا رائیں فری بن پکا تھا، ایک جگہ سے وسری جگہ جاتے ہوئے اور غریبوں کو مقامی جنگجوؤں کے ظلم و تم سے چھڑاتے ہوئے۔ جیسا کہ قسٹ نے ساتھ دینا تھا، یہ واقعات اس وقت ظہور پر ہو رہے تھے جب آئی ایس آئی افغانستان میں اپنے ہی آدمی، یعنی گھبیر حکمت یار کے طرز عمل سے جنگ جہالت کا شکار ہوا تھی جو کہ دشمن بنانے میں اپنا ہائی کمیں رکھتا تھا۔ اس کی بعض ملکات کے پس پر ڈی یہ حقیقت کا رفرماتی کی اس کی بھرتی کی سماجی و جغرافیائی بذریعہ بہت محدود تھی۔ جماعت اسلامی کی تحریک کے پس مظہر کے ساتھ مطابقت رکھنے کے باعث اس کے حواریوں یا جملتوں کا حلقہ زیادہ تعلیم یا فتنہ شہری پشوتوں پر مشتمل تھا جو کہ وہی اور ان پڑھا افغانوں کی اکثریت کے اندر ایک نسبتاً محدود تقابل رکھنے والا جلبت تھا۔ طالبان کو اس طرز کی کوئی مشکل درپیش نہیں تھی جن کی صفوں میں صرف پاکستانی مدرسون سے بھرتی کی جا رہی تھی بلکہ ملا خود ملا عمر کی طرح کے ان پڑھیہا تو پشوتوں بھی شامل ہوتے جا رہے تھے۔

یہ محض اتفاق ہی ہے کہ طالبان کو پاکستانی حکومت کی ہٹکل میں ایک حلیف بھی مل گیا تھا۔ نظریہ جنوبی 1999ء میں ہوتے والے قوی اسلامی کے انتخابات میں معمولی ہی اکثریت سے جیت تو گئی تھیں مگر انہیں حکومت کی ہٹکل کے لئے چھوٹی سی اسی جماعت کی حمایت درکار تھی۔ یہ یہ آئی صرف چار نشتوں پر کامیابی حاصل کی تھی مگر اس کے رہنماؤں افضل از جن کو اچاک ہی پل پی پی کے رہنماؤں کی توجہ اور التفات ملتا شروع ہو گئی تھی۔ اس کی حمایت کے بدے بے نظر نے اسے قوی اسلامی کی خارجہ امور کیمپی کا جیسیز میں بنانے پر رضا مندی ظاہر کر دی۔ جب طالبان، جن کی اکثریت اس کے اپنے مدارس سے فارغ التحصیل ہوئی تھی، 1994ء کے موسم بیمار اور موسم سرما میں اچاک ہی مظہر عام پر آنا شروع ہو گئے تو وہ اس وقت (وہ بھی حکومت کے کام آئے) ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے وزیرِ دفاع ناصر اللہ پاکر کے پاس کئی موجو تھی، جو کہ ایک ریٹائرڈ فوجی افسر اور بے نظریہ کا طویل عرصہ سے ساتھی اور مددگار ہونے کے علاوہ، نسل اپشوتوں بھی تھا۔ یہ یہ آئی کے رہنماؤں کا یہ موقف تھا کہ طالبان کے پاکستان کے ساتھ مدارس کے حوالے سے جو مصروف تعلقات تھے ان کی بذریعہ پر وہ کائیں کی طرح کھکھنے والے حکمت یار کی نسبت زیادہ بہتر حلیف ہاہبت ہوں گے اور یہ کہ اگر انہیں مناسب امداد و تعاون سے توازن آجائے تو وہ اس جگہ کامیابی حاصل کر لیں گے جہاں حکومت یار ناکام ہو گیا تھا۔ پاکر نے اس دلیل سے قائل ہو کر معاملہ بے نظر کے سامنے

رکھ دیا جو کہ اس سے اتفاق کرتی نظر آ رہی تھی۔ اسے یا مکان بہت متاثر کن نظر آ رہا تھا کہ طالبان قندھار میں جو کہ ان کا اصل علاقہ تھا خاطر خواہ اختیام لا کر پاکستان اور سطحی ایشیا کے درمیان براستہ جنوبی افغانستان تجارتی راستے کھولنے میں معاون ٹابت ہو سکتے ہیں۔ تاہم آئی ایس آئی راستے کا پھر ٹابت ہوئی۔ اس نے یہ تعلیم کر لیا کہ حکمت یار کی کارروائی مایوس کن رہی ہے مگر ساتھ ہی یہ تقدیمی اجاگر دیا کہ اس کی فوجیں کم سے کم مسعود کو تو کامل بحکم محدود رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ایک اہم کلید تھا کیونکہ مسعود اور اس کا سیاسی مرشد برہان الدین رہانی حکمت یار کی حمایت کرنے کی بجائے پاکستان کے سخت خلاف ہو سکتے تھے۔ آئی ایس آئی کو خدا شنا کہ اگر حکمت یار کی طرف سے ڈالا جانے والا دباؤ چنانچہ یا گیا اور مسعود اور بانی کی ملک پر گرفت مختبوط ہو گئی تو ان کا جھکا زنا گزیر طور پر بھارت کی طرف ہو جائے گا۔

تاہم اس ساری بحث کے دوران یہ سویٹن ہی تھے جن کی رائے کو فویت حاصل ہو گئی تھی۔ آئی ایس آئی نے طالبان کی حمایت پر رضا مند ہوتے ہوئے انہیں ایک آزمائشی موقعہ فراہم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا نتیجہ فوری طور پر سامنے آگیا۔ طالبان نے پہلے ہائل ایک پاکستانی ڈلن کو ایک جنگجو کے زیر انتظام علاقے سے محفوظ طور پر گزر روانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ تاہم فوجر بحکم و خود قندھار پر بھی قبضہ کر لینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس خبر نے صوبہ بردکش کے اندر بیج یو آئی کے درسون میں زیر تعلیم و یوران الفعالی اور پاکستانی طلباء کے اندر خوشی کی لہر دوڑا دی۔ اپنے مغل اس پرستوں سے حوصلہ افزائی پا کر دس ہزار سے زائد طلباء اپنے ساہدے مٹکانوں سے لکلن کر جنوبی افغانستان میں طالبان کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو گئے۔ مغل عمر اور اس کے رفقاء کا رنے پشتون قبائلی روایات اور شریعت کے سخت گیر قوانین کا ایک انوکھا امتحان قندھار اور اس کے نواجی علاقوں پر نافذ کرتے ہوئے لاکیوں کے اسکول اور عورتوں کے سر عالم گھونٹنے پھر نے پر پابندی عائد کر دی، مردوں کا وزہی رکھنا لازمی قرار دے دیا۔ مغل دیہن اور قلمبوں کو غیر قانونی قرار دے دیا، چھوٹے چھوٹے جرائم پر ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم جاری کر دیا اور نکلت کھانے والے مخالفین کو اپنے اسلحہ خانے میں بڑی تعداد میں شامل ہونے والے نیکوں کی نال سے پاندھہ کر پھانسیاں دینی شروع کر دیں۔

اُگرچہ آنے والے درسون کے دوران طالبان کو ایک سے زیادہ محاذوں پر پسپائی

اختیار کرنی پڑی، تاہم آئیں آئی کی حادث اور میدان جنگ میں اپنی بڑھتی ہوئی مہارت کی بدولت وہ ایک شخص آزمائش ثابت ہوئے۔ ایک برس کے اندر اندر وہ سارے جنوبی افغانستان پر قابض ہو چکے تھے جس 1995ء میں انہوں نے ہرات پر بھی بٹھ کر لیا تھا جو کہ ملک کے مغربی حصے میں اقیق سب سے بڑا شہر ہے۔ اس سے پورے ایک برس بعد، جبکہ ملا عمر کی طرف سے دلو جوان لڑکیوں کو رہا کروائے ہوئے صرف ذہانی برس ہی گز رے ہوں گے، طالبان کامل کے اندر گھس گئے اور مسعود کی فوجوں کو وہاں سے باہر نکال کر افغان دار الحکومت پر اپنا خوفناک راجح سلطان کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ بد قسمت حکمت یار جس نے آخر کار گز شہید موسیم بہار میں مسعود کے ساتھ صلح کرنی تھی اور اس کے بعد کامل حکومت میں وزارت عظیمی کے عہدے پر فائز ہو گیا تھا، خود کو یوں بے بارہ دگار پا کر جلد ہی جلاوطن ہو کر ایران پہنچ گیا۔ اس دوران کامل میں اقتدار سنبھالنے کے بعد عالیان نے اپنی پہلی سیاسی کارروائی کرتے ہوئے سابقہ کیونسٹ رہنمای نجیب اللہ کو اقوم متحدہ کے اس احاطے سے گھبیت کر باہر نکالا۔ جس میں وہ گزشتہ چار رسول سے قیام پذیر تھا، اس کے مردانہ اعضا و کاث دیئے اور ایک جیپ کے پیچھے ہے سے ہاندہ کرائے گھبیت ہوئے لے گئے اور آخر کار اسے اشیل کی ایک تار کے ساتھ شہر کے وسط میں واقع فریلنک کے اشارے والے کمبے کے ساتھ نہ کہ نیک کی نالی کے ساتھ، لٹکا کر پھانسی دے دی۔

اگست 1998ء میں میرے اسلام آباد پہنچنے تک طالبان شمال مغرب میں واقع ایک اہم علاقے مزار شریف پر بھر پور چھٹاں کے لئے تکمیل طور پر تیار ہو چکے تھے۔ یہ جگہ تھی جہاں ایک برس قبل ان کی اس وقت تک کی سب سے بڑی فوجی نکست کے دوران مقامی فوجوں نے ان کے 3000 طالبان فوجیوں کو موت کے لمحات اتنا دیا تھا۔ وہ اس کا بدلتے لینے کے ساتھ ہی ملک کے 80 فیصد علاقے کو بھی اپنے زیر سلطاناً کے لئے پوری طرح تحریک نظر آتے تھے۔ ان کے سب سے بڑے دشمن، شمالی اتحاد کو، وہ نام جس سے مسعود اور اس کے بھیجی جیپ کی جیف جریل دوستم نے اپنی فوجوں کو فواز اتحاد، وادی شیخ شیر کے مرکز میں، جو کہ مسعود کا گزہ تھی، کامل کے شمال کی طرف ملک کے ایک شنگ سے علاقے کے اندر ایک خوفناک جنگ کے لئے تیار کر دیا گیا تھا۔

میں نے جس دن پاکستان کی سر زمین پر قدم رکھے اس وقت تک امریکہ اور طالبان کے درمیان تعلقات نہ اچھے تھے اور نہ برے تھے۔ امریکہ نے کامل میں اپنا سفارت خانہ

1989ء میں افغان خانہ جلی کے آغاز کے ساتھ ہی اسی عاصمی کی گزرتی ہوئی صورتحال کے قیض نظر پر کر دیا تھا۔ اس کی بجائے افغانستان کی سرگرمیوں کا احاطہ اسلام آباد میں واقع امریکی سفارت خانے سے کیا جانے لگا اور طالبان کے ساتھ زیادہ تر نمائات بھی پاکستانی دارالحکومت میں کے گھے جہاں طالبان نے وہ سفارت خانہ برقرار رکھا ہوا تھا جس کا قبضہ انہوں نے ثالثی اتحاد کے نمائوں سے لیا تھا۔ یہ ایک انتہائی سرہنائم کے گھے درختوں میں گمراہ ہوئی عمارت تھی جو کہ میری رہائش گاہ کی مخالف سست چند گھروں کو چھوڑ کر واقع تھی۔ اس وقت تک امریکہ افغانستان کی خانہ جلی میں ایک غیر چاندرا فریق کی حیثیت رکھتا تھا۔ امریکہ کا یہ خیال تھا کہ کہ اس مسئلے کا حل میدان جنگ میں نہیں بلکہ اقوام متحده کی وساطت سے ہونے والے ان نمائات کے ذریعے ہونا چاہئے جن کا مقصد ایک وسیع الپیاد مخلوط حکومت کا قیام تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس پالیسی کے حوالے سے قدردار سے کسی قسم کے موافق روگیں کی امید نہیں تھیں، جس کی ایک وجہ تھی کہ مک میں طالبان کا غلبہ قائم ہو چکا تھا۔ طالبان امریکہ سے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہئے تھے کہ ان کی خالیہ حیثیت کو تسلیم کر لیا جائے۔ تاہم وہ کسی طرح سے بھی خاصانہ جذبات نہیں رکھتے تھے۔ امریکی عہدیداروں سے ان کی ہر ملاقات کا آغاز اپنہار تکثر کے ان کلمات سے ہوتا جن کے مطابق امریکہ نے سودیت مختلف جمادات میں ان کو اولاد و تعاون سے نواز کر، بہت سہ راتی کا مظاہرہ کیا تھا۔

تاہم رنگ میں ایک بہت بڑا بھنگ تھا: اساس بن لادن۔ وہ افغانستان سے سودیت فوجوں کے اخراج کے بعد والیکن سعودی عرب چلا گیا تھا مگر جلد ہی اس کا سعودی حکومت سے 1991 کی بھنگ طبع کے دوران امریکہ کو سعودی سر زمین سے کارروائی کرنے کے نیکانے فراہم کرنے کے مسئلے پر اختلاف پیدا ہو گیا تھا، اس کے نزدیک، جیسا کہ وہ کہتا تھا، "صلیبی طاقتلوں" کا "وہ مقدس مقامات والی سر زمین" پر قیام نہیں جذبات کی پامالی سے کم نہیں تھا اور اس کے خلاف اس نے تکلیم کھلا اور بڑی جرأت سے آواز بلند کرنی شروع کر دی تھی۔ سعودی شاہی خاندان اس صورتحال سے ناخوش تھا اور آخر کار بن لادن کو ملک چھوڑنے پر مجور کر دیا گیا۔ سوڈان میں پناہ لیتے ہوئے اگلے کئی برسوں کے دوران اس نے ایک ایسی تکمیل کر دیا جو بعد میں القاعدہ کے نام سے معروف ہوئی۔ تاہم امریکہ کے خلاف اس کے جوش خطابات اور امریکی تھیبات کو نشاندہ

بانے کی مسلسل حکمیتوں کی بدولت وائٹ ہاؤس میں مختلط حکمتوں کی تشویش میں اضافہ ہوتا چلا گیا جس کے نتیجے میں سو دوسری حکومت پر بادوڑا لایا گیا کہ وہ اساس بن لادن کو علک سے نکال دے۔ اس پر آخر سو دوسری حکومت نے رضامندی خاہ بر کردی اور بن لادن نے اپنی محدود ترجیحات کو سامنے رکھنے ہوئے ایک انکی جگہ تین پیچے کافیصلہ کر لیا جہاں اس کا خیال تھا کہ اسے کھلے دل سے خوش آمدید کہا جائے گا۔ وہ ۲۰ ستمبر ۱۹۹۸ء میں واپس افغانستان آگیا، طالبان کے کامل داخل ہونے سے صرف چار ماہ تک۔

بن لادن پہلے پہل پاکستانی سرحد سے تھوڑے سے فاصلے پر واقع افغانستان کے ٹھالی حصے میں جلال آباد شہر کے اپنے پرانے محلانوں پر نیام پنیر رہا، لیکن اس علاقے میں جو اس وقت طالبان کی عملداری سے باہر تھا۔ سینیں سے اس نے اپنے امریکہ مخالف فتوؤں میں سے پہلاؤ تویی جاری کیا تھا۔ ۱۹۹۷ء کے آغاز میں وہ طالبان کے دل میں اپنا مقام ہاپکا تھا اور یوں وہاں سے ان کے اصل شہکار نئی نئی ہو گیا۔ اس نے جلال آباد کے جنوب میں خوست کے اندر قائم کردہ ایک تربیتی مرکز کی سمجھی رسمی حاصل کر لی تھی۔ اس تربیتی مرکز کو پہلے سے ہی اس پاکستانی جہادی تنظیم حركت الجہادین کے لئے ایک تربیت گاہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا جو آئی ایس آئی سے ملنے والی مالی معاوضت کی بدولت اسے کشیدہ میں اپنا پہل سپاہ کی تیاری کے لئے استعمال کر رہی تھی۔ بن لادن نے اس تربیتی مرکز کے ایک حصے کو خود اپنی القاعدہ کے جہادیوں کے استعمال کے لئے وقف کر دیا تھا۔ وہاں ایک تنظیم الطواہری بھی اس کے ساتھ آن ملا جس نے خود اپنی تنظیم بیان انجمن اسلامک جہاد کو بھی القاعدہ میں ضم کر دیا تھا۔ فروردی ۱۹۹۸ء میں بن لادن نے امریکہ کے خلاف ایک عدداً اور نئوی تیار کیا جس پر ان دونوں نے اپنے اپنے وظائف شہرت کر دیئے تھے۔ اس نتوء کے تحت مسلمانوں پر زور دیا گیا تھا کہ وہ امریکیوں کو مارڈا لیں اور جہاں کہیں بھی ان کی تھیبیات نظر آئیں اجھیں جہاں کرڈاں یں۔ تھیا راجحانے کی اس پاکرنے امریکہ کے اندر خطرے کے احساس کو اور تیز کر دیا جس نے امریکی سفیر برائے اقوام متحده میں رچڑڑ کے طے شدہ دورہ کا مل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس محاٹے کو طالبان کے سامنے رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ ان کا رد عمل بیانوی طور پر حیرت اور تجھب کے مظاہرے پر مبنی تھا۔ بن لادن کوئی ملنا نہیں تھا اور اس طرح کے قتوے یا احکام جاری کرنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا تھا۔

میرے پاکستان فتنے کے چار روز بعد، بن لادن نے اپنے فتوے کے عین مطابق نیروں اور دارالسلام میں امریکی سفارت خانوں پر بم دھماکے کروادیے۔ یہ 7 اگست 1998 کا دن تھا۔ ان دھماکوں میں بارہ امریکیوں سمیت 200 سے زائد افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ اس کے عواقب جلد فاہر ہونے والے تھے۔ دو ہفتوں کے بعد امریکہ نے احتیاطی مذاہیر اختیار کرتے ہوئے پاکستان میں اپنے سفارت خانے خالی کروائے۔ سفارتی عملے کے تمام گھر انوں اور غیر ضروری ارکان کو ملک سے باہر روانہ کر دیا گیا۔ ان کی روائی کے دوں بعد پاکستان کے ساحلوں سے پرے کھڑے ہوئے امریکی بھری چہازوں سے کروز میزائل پرواز کرتے ہوئے خوست کے اس ترقیتی مرکز میں جا گئے جہاں مبینہ طور پر اسامہ بن لادن موجود تھا۔ مگر یہ حملہ اتنا موثر تھا ہتھ ہوا۔ ترقیتی مرکز میں موجود بہت سے افراد ہلاک ہو گئے مگر ان میں سے کوئی بھی القاعدہ کارکن نہیں تھا۔ جیسا کہ پہلے لکھا ہوا گر کیا جا چکا ہے، ہلاک ہونے والوں کی اکثریت کا تعلق بلاشبہ حرکت الجہادین سے تھا۔ بن لادن، بظاہر یہ لگانہ تھا کہ جملے سے کئی کھٹے پہلے ہی کہیں اور جا چکا تھا۔ امریکہ نے سو ڈن میں اس کی میکل قیادتی پر بھی بمباری کر دی تھی جس کے ہمارے میں یہ یقین پایا جاتا تھا کہ اس کا تعلق بن لادن سے ہے۔

شرقی افریقہ میں ہونے والی بمباری اور خوست پر کیے جانے والے ناکام انتقامی جملے امریکہ کی تین سالہ ان ناکامیاپ کوششوں کا باقاعدہ آغاز کا پیش خیبر تھے جن کا مقصد بن لادن کو انصاف کے کثہرے میں لاکھڑا کرنا تھا اور جن کا انجمام ۱۱ ستمبر کو وللہ زریعہ سخراور یعنی 11 گون پر ہونے والے مشہور زماں حملوں کی صورت میں لکھا۔ امریکہ مشرقی افریقہ پر کے جانے والے حملوں کے جواب میں طالبان سے جنگ کرنے پر تیار تھیں تھا۔ بن لادن اور طالبان کی قیادت کے درمیان تعلقات کی بالکل درست نوعیت کا کسی کو علم نہیں تھا، اور محل اشتھان کی بنیاد پر کارروائی کا کوئی خاطر خواہ جواز نہیں تھا۔ امریکی حکومت یا عوام کی طرف سے اس طرح کے اجتماعی اقدام کے حوالے سے بھوی طور پر کوئی شروع خواہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کی بجائے امریکہ نے بن لادن کو حلاش کرنے کی کوشش میں افغانستان میں کارروائی کے مقام پر موجود خفیہ و سماں سے استفادہ کرنے کے ساتھ ہی بھیرہ عرب میں اپنے بھری بیڑے کو بھی تیار رکھا تاکہ اگر اس کے نکالنے کا علم ہو جائے تو اس پر کروز میزائلوں سے حملہ کیا جاسکے۔ مبینہ طور پر اس کو دیکھنے جانے کی اطلاعات بھی ٹھیک نہیں تھیں، تاہم

اگرچہ داعش میں بکھر لوگ خطرہ مول یعنی پر تیار تھے، البتہ قابل بھروسہ معلومات کے نہداں کے ساتھ ہی راستے سے گزرتے یا قریب کر کرے ہوئے بے گناہ لوگوں کو مارنے کا خطرہ بھی اتنا غیر اہم نظر نہیں آتا تھا کہ جعلے کا بھرپور جواز فراہم کیا جاسکا اور وہ بھی خاص طور پر خوست محلوں کی ناکانی کے بعد۔ نہ ہی امریکہ طالبان کی خلافت میں ایک ایسے مقصد کے لئے جس کا حصول ممکن نظر نہیں آتا تھا، غالباً اتحاد کے ساتھ الحق کرنے پر تیار تھا۔ سعودی فوجوں کے لئے تو ٹابت قدم رہتا ہی مسئلہ ہوتا چاہرہ اتحاد اور صورتحال کو اپنے حق میں کرنے کے لئے اس کے پاس افرادی قوت کی کمی حالانکہ امریکہ نے اپنی غیر چابداری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسے مادی و مسائل فراہم کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔

داعش زیادہ سے زیادہ بھی کرنے پر تیار تھا کہ طالبان کو حق سے خبردار کر دے کہ اگر القاعدہ نے کوئی اور حملہ کیا تو اس کی ذمہ داری طالبان پر ہی عائد ہوگی۔ میرے اسلام آباد قیام کے تین برسوں کے دوران طالبان کے ساتھ ہونے والی ملاقاتوں میں یہ دھمکی تقریباً ایک ضرر پڑھنے کی رسم ہی بھی تھی۔ یہ امر تو واضح نہیں ہے کہ انہوں نے اس بھم قسم کی دھمکی کے ہمارے میں کیوں سوچا، مگر اس کا ان پر کوئی خاص اثر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ بن لادن کے خلاف کسی قسم کی کارروائی سے الکار کے لئے پیش کی جانے والی وجوہات و تھاؤ تھا بدلتی رہتی تھیں۔ جو وجہ بار بار دھرائی جاتی تھی وہ یہ کہ وہ ایک سہماں تھا اور بخوبیں والی شوابط کے مطابق پیشون روایات کے مطابق پروٹوپلیس کیا جاسکتا تھا۔ اس کو یکم مسٹر دھمکی نہیں کیا جاسکتا تھا کیونکہ بخوبیں روایات کے مطابق سہماں کی خلافت ایک اہم فریضہ ہے۔ بعض دوسرے موافق پر طالبان بن لادن کے خلاف کارروائی کرنے پر کم از کم مصنوعی قسم کی آمادگی ظاہر کر چکے تھے انہوں نے مشرقی افریقی میں کئے جانے والے بم دھماکوں میں اس کے ملوث ہونے کے ثبوت فراہم کرنے کے مطالبے کے ساتھ ہی یہ امکان بھی ظاہر کر دیا کہ وہ اس حوالے سے مذہبی علماء پر مشتمل ایک کمیشن قائم کریں گے جو صورتحال کا جائزہ لے لے گا۔ یہ دھماکوں کے فوری بعد انہوں نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ انہوں نے خود ہی بن لادن اور اس کی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دی تھیں اس کے بعد آنے والے فروری کے میئینے میں انہوں نے اعلان کیا کہ وہ کسی نامعلوم مقام پر روپوش ہو گیا ہے۔ سب سے بجید از قسم جواز وہ یہ پیش کرتے تھے کہ اگر انہوں نے اسامہ بن لادن کو ملک بدر کرنے کی کوشش کی تو افغان حکوم

ان کے خلاف انہوں نے ہوں گے۔ اس عرصے کے دوران جبکہ وہ ایک کے بعد ایک مغلوب تجویز چیل کرتے چلے جا رہے تھے، یہ امر واضح ہوتا گیا کہ ان کا بنیادی مقصد صرف یقنا کر دہ پریشانی کا باعث بنتے کے ساتھ ہی وقت ضائع کرتے رہیں تا کہ امریکہ کو اپر سے تعاوون دینے کا تاثر دے کر اسے دھوکے میں جلا کرے رکھیں۔ طالبان کو امریکہ سے سب سے زیادہ جس چیز کی طلب تھی وہ یقینی کہ انہیں تسلیم کر لیا جائے۔ باوجود اس حقیقت کے کہ افغانستان کے ۸۰ فیصد سے زیادہ علاقے پر اپنا نظم و نسق قائم کر چکے تھے، انہیں افغانستان کے قانونی حکمران کی حیثیت سے تسلیم کرنے والے صرف تمیں ممکن تھے، یعنی پاکستان، تحدہ عرب امارات اور سعودی عرب۔ سعودی حکومت طالبان کے اوپرین حامیوں میں شمار ہوتی تھی اور جب انہوں نے بعد ازاں اس اس سے بن لادن کو تعاوون سے نواز تو اگرچہ اس پر انجامی ناخوش تھی مگر اس نے بھی بھی ان کے ساتھ تعلقات منقطع کرنے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ اس میں مظہریں امریکہ کی طرف سے طالبان کو تسلیم کرنے کا فیصلہ ایک طرح سے انجامی اہم مضرات کا حال ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں ان کو شدت سے درکار وہ ہیں اللائق ای عزت و احترام میں جاتا ہو کر میدان جنگ میں حاصل ہونے والی کامیابی کے برادر تھا۔ تاہم نہ تو امریکہ بن لادن کے پدے کسی قسم کے سفارتی تعلقات قائم کرنے پر آمادہ تھا اور نہ ہی طالبان نے ان دونوں کے درمیان کبھی کوئی واضح تعلق ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ اگرچہ امریکہ کو بن لادن بری طرح مطلوب تھا مگر وہ ایک ایسی حکومت کو تسلیم کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں تھا جو کہ ساتویں صدی کے لفاظ کو ایک خوبی ہا کر پیش کر رہی تھی۔ اس طرح کرنا گویا انجامی مایوس کن ذہنیت کی عکاسی ہوتی۔ اس کے علاوہ ایک ایسی حکومت کو تسلیم کرنے سے خود امریکے کے اندر بھی شدید روگی ہوتا ہو کر خواتین کے حوالے سے انجامی رجحت پسندانہ اقدامات کرتے ہوئے اُرکیوں کے اسکول بند کروانے کے علاوہ انہیں مگر سے باہر بر قع پہنچنے اور گھر کے اندر پر دہ کرنے پر مجبور کرنی نظر آتی تھی۔ تاہم یہ یقین کے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ طالبان اس طرح کی سودے ہازی پر کبھی تیار نہ ہوتے۔ جب میں پاکستان پہنچا تھا تو بن لادن اور ملا عمر کے درمیان تعلقات کی نوعیت ابھی تک واضح نہیں تھی۔ پہلے پہل بخون و لی کے ضوابط کے حوالے سے دل میں کچھ وزن نظر آتا تھا۔ مگر سفارت خانے میں اپنے پہلے سال کے دوران ہم نے طالبان کے اپنے وقار اسے ذرا لاغر ایجاد کو جاری کر دہ خبریں اکٹھی کرنا شروع کیں تو ان میں سعودی سر زمین پر امریکی

فوجوں کی موجودگی کی نہست کی گئی تھی۔ نہ صرف یہ کہ اس طرح کے اور اس سے متعلق جملے اعلانات طالبان کے منہ سے پہلے بھی بھی نہیں سنے گئے تھے بلکہ یہ اس طرح کے اور اس طرح کے موقف کی ترجیحی کرتے نظر آتے تھے جو طویل عرصہ سے القاعدہ کے حوالے سے ظاہر کیا جاتا رہا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ برآہ راست القاعدہ کے صحافی تھیلے سے کالا گیا ہو۔ یہ اس طرح کے انداز والطوارکو ظاہر نہیں کرتا تھا جن کی آپ طالبان کی قیادت کرنے والی ان سیدھی سادھی اور پسندیدہ پشتوں شخصیات سے توقع رکھ سکتے ہوں جنہیں ان کے حوالے پر بچوڑ دیا گیا ہو۔ آخر ملا عمر کو کیا صیحت ہے کہ وہ اس بات پر پریشان ہوتا پھرے کہ سعودی حکومت نے اپنی سرزی میں پر کس کو اڑائے دیئے ہوئے ہیں؟ یہ نہ صرف اس امر کا شوٹ تھا کہ طالبان القاعدہ کے خلاف سے متعلق تھے بلکہ یہ بھی کہ بن لادن ملا عمر کے ایک باعزت مہمان سے زیادہ اس کے سیاسی قائد یا رہنمای حیثیت اختیار کر پکا تھا۔ اور اس کے ساتھ یہ پاکستانی اخبارات میں یہ خبریں بھی آنا شروع ہو گئیں کہ بن لادن نے اپنے ایک بیٹی کی شادی ملا عمر کی بیٹی سے کر دی تھی، یا پھر اس کے اٹ: یہ پوری طرح بھی واضح نہ ہو سکا۔ اگرچہ یہ بات اتنی قابلِ یقین نظر نہیں آتی کہ ایک امیر اور تعلم یافتہ سعودی پاکستانہ اپنے کسی بیچ کی شادی کسی ان پڑھ دینہ باتی پشتوں سے کرنے پر رضا مند ہو گیا ہو گا، مگر اس طرح کی انواعوں میں اس وقت کافی صداقت نظر آری تھی۔

saf ظاہر ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت عیاں ہوتی چلی گئی کہ ملا عمر اس مہینے لا دن کا ساتھ ہر حال میں نبھانے پر تلاہوا تھا خواہ انجام کتنا ہی خوفناک کیوں نہ ہو۔ تاہم اس بات پر کوئی بھی اس وقت تک یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا جب تک کہ یہ حقیقت نہ ہوئی اور یہی وجہ یہ امر یکہ نے دونوں شخصیات کو ایک درست سے علیحدہ کرنے کی کوششیں آخر ہو تک جاری رکھیں۔ اور اس امر پر حیرت نہیں ہوئی چاہئے کہ اس حوالے سے نہ صرف خود طالبان پر داؤ ڈالا گیا بلکہ ان کے بنیاد خبر اندیش پاکستان پر بھی۔ مشرقی افریقہ میں کرانے جانے والے بھم دھماکوں نے پاکستان کو بھی مشکل میں ڈال دیا تھا۔ اس نے افغان خانہ جگی میں طالبان کی حمایت کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کے نتائج بھی خاطر خواہ طور پر اس کے حق میں جا رہے تھے۔ پاکستان کی اچھی خاصی حمایت اور تعاون کی بدولت طالبان تقریباً تقریباً اسارے ہی ملک پر اپنا لفڑم نشی نافذ کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ اس امر کا اچھا خاصاً امکان نظر آرہا تھا کہ مسعود اخرباڑھیا رہ ڈال دے گا اور

پاکستان کے لئے اس تصadem کا انجام اس کی مغربی سرحد پر ایک ایسے دوست ملک کی صورت میں نکلے گا جو بھارت کیمائن چنگ کی صورت میں اسے وہ چیز عطا کرے گا جیسے وہ تزویری صحرائی (Strategic depth) کہنا پسند کرتا تھا۔ تاہم افغانستان کی سر زمین پر اسامہ بن لادن کی موجودگی ایک ایسا انتہائی وجہیہ عنصر تھا۔ پاکستان کو اس کی موجودگی سے کچھ حاصل ہونے کی بجائے اتنا پچھا خاص انقصان اٹھاتا پڑا۔

مشرقی افریقہ میں ہونے والے یہ دھماکوں کے بعد امریکہ نے پاکستان پر دباؤ بیڑھانا شروع کر دیا کہ وہ قید ہماریں اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے بن لادن کو انصاف کے کثیرے میں اتنے میں مددوے۔ تاہم عملی طور پر اس کا مطلب غالی خوبی و ڈھکیوں سے بڑھ کر کارکروگی کا مظاہرہ کرنا تھا۔ جیسا کہ تم دیکھ پچھے ہیں امریکہ نے 1998ء کے ایسی دھماکوں کے جواب میں پاکستان پر پہلے ہی پر سلر ترمیم کے تحت پانیدیوں کا دباؤ و نفاذ کرنا شروع کر دیا تھا اور اس کے ترکش میں ابھی کچھ کام کے تیر باقی تھے۔ پاکستان نہ صرف اس سے اچھی طرح آگاہ تھا بلکہ اسے اس سر پر بھی غم و خسر تھا کہ امریکہ کا باب پھر ایک اور مسلکی بحکار کرنے کا موقع ہاتھ آگیا تھا۔ اس حقیقت سے بھی کہ واشنگٹن نے ابھی حال ہی میں کشمیر میں جہادی ٹکنیکیوں کی حمایت کے طعنے والے کراں کارگل سے پہلی پر مجبور کر دیا تھا، ان کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اس عرصے کے دوران میر اپا کستانی حکام کے ساتھ جن موضوعات پر جاولہ خیال ہوا، ان میں سے افغانستان کا موضوع ایک ایسا موضوع تھا جو انہیں فوراً جوانی بیان دینے پر مجبور کر دیتا۔ مجھے ابھی تک وہ لکھنگو اچھی طرح یاد ہے جو میری اس وقت کے ڈائریکٹر ہرzel آرمی ملٹری ائیلی جس اور بعد ازاں آئی انس آئی کے سر برہا احسان الحق کے ساتھ ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ملاقات کا وقت لیتا ہوئے شیرلانے سے کم نہیں ہوتا تھا کیونکہ اعلیٰ فوجی افسروں معمول کی سرکاری ملاقاتوں کے علاوہ امریکی عہدیداروں سے ملے میں ہمیشہ چھپا ہٹ محسوس کرتے تھے۔ اس نے اپنی راولپنڈی والی رہائش گاہ پر میر استقبال کیا اور ہماری ملاقات اس وقت تک خوفگوار رہی جب تک کہ میں نے بن لادن کا موضوع بھیں چھپا دیا۔ اس کے انداز سے جلدی چھپا ہٹ کی حد تک بے چلتی ظاہر ہونے لگی۔ ”مجھے میں نہیں آتا کہ تم امریکی افغانستان کے حوالے سے اچھے فکر مند کیوں رہتے ہو؟“ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا۔ ایک اور موقع پر پاکستانی فوج میں میرے بہترین شناسانے، جو کہ پر دباؤ

مشرف سے قریبی تعلقات رکھنے والا ایک رئیسِ جزوی بجزل تعاون فوج اور اس کے مقاصد سے متعلق میرے ساتھ ہڑپ بے تکلف گفتگو کرتا تھا، مجھے بتایا کہ ان کی کچھ سے یہ بات بالاتر ہے کہ امریکہ کے سرپر اسامد بن لادن کا بھوت کیوں ہوا رہے۔

یہ بھٹکھلاہٹ کی بات تھیں تھیں۔ ان افراد کی کچھ میں یہیں آتا تھا کہ امریکہ بن لادن کو تھیں تھیں جیسے کیوں لیتا تھا۔ اگرچہ یہ درست تھا کہ القاعدہ امریکہ کے دو سفارت خانوں میں بم دھماکے کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں، تاہم یہ بھی تھا کہ نہتھا ایک چھوٹی سطح کی تنظیم تھی جس سے مریکہ کو کسی طرح کا سنجیدہ خطرہ لاحق نہیں تھا۔ پاکستان کے حکمران طبقوں میں اس اور اک کے ساتھ وہ سچ نیا نے پر یہ غصہ بھی پایا جاتا تھا کہ امریکہ ایک اسی چیز کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو ان کے نزدیک ان کے ملک کے دفاع کے لئے اجتنابی ناگزیر اہمیت کی حامل تھی اور یہ کہ انہوں نے اس کے حصول کے لئے سخت محنت کی تھی۔ ان کے خیال میں افغانستان پر روشنی قبضے کے خلاف جدوجہد کے دوران ساری تکلیفیں بھی انہوں نے برداشت کی تھیں اس لئے ان کو یہ حق حاصل ہو گیا تھا کہ کابل میں ان سے دوستائی تعلقات رکھنے والی حکومت ہو۔ تاہم ان کے سامنے ایک ہر لخاظ سے طاقتور ملک امریکہ موجود تھا جس کی فوری تحریک ہر موڑ پر ان کی منتظر ہوتی، خواہ یہ ان کا ایسی پروگرام ہو، کارگل کا معرکہ ہو، چہادیوں کی تربیت اور انہیں شہر کے اندر سرمایت کر جانے میں مدد یعنی کام عاملہ ہو، اور اب ایک نئے مسئلے کی تھیں میں ان کے لئے باعث تکلیف بنا ہوا تھا۔

یہ امر واضح نہیں ہے کہ پاکستانیوں نے بن لادن کے معاملے میں طالبان پر کس حد تک دباؤ ڈالا تھا۔ افغانستان میں طالبان کے ساتھ آئی ایس آئی کے افراد کی اچھی خاصی تعداد کام کر رہی تھی، اور اگر وہ چاہئے تو القاعدہ کے قائد تک رسائی حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر سکتے تھے۔ کارگل بھر جانے کے بعد، نواز شریف، میمنہ طور پر، اس امر پر راضی ہو گیا تھا کہ بن لادن کا تباہ کرنے کے لئے ایک عدالتکار و یونٹ کی تکمیل کی جائے، تاہم قل اس کے کہ اس کے خلوص کی آزمائش کی جاتی، مشرف نے بغاوت کے ذریعے اس کا تختہ اٹھ کر کھو دیا۔ اس حوالے سے رضامندی ظاہر کرنے کے باوجود بغیر کسی تکلف کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا ملکوں لگ رہا تھا کہ پاکستان اصل میں بن لادن کی کھوچ لگانے کی کوشش کرتا ہوئکہ اس طرح ان کے طالبان کے ساتھ تعلقات شدید تر کا شکار ہو سکتے تھے۔ بن لادن اور پکھڑو

یا انہوں میراث کا معزز مہمان ضرور تھا۔ وہ پاکستانیوں کی طرف سے اسے ان کی سر زمین پر قتل کر دینے یا بھران کے ہاتھ سے بڑے بے ربط اندماز میں چھین کر لے جانے کے عمل کو کبھی بھی نظر اندمازوں کر سکتے تھے۔ اگرچہ طالبان اس مشکل پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکتے تھے، یونکہ آخر کار ان کو اور کبھی سے بھی تعادن و امداد ملنے کا امکان نہیں تھا مگر اس کے لئے پاکستان کو ضرورت سے زیادہ خطرہ مول یتباہ ہتا۔

تاہم پاکستانی حکام نے ملا عمر پر اسلام بن لادن کے حوالے سے دہاؤائی کے لئے قندھار کے وعدہ ملی الاعلان اور یہ کہے: ایک تو اس وقت جب نواز شریف وزیر اعظم تھا اور دوسرا مشرف کی بیویوں کے بعد پہلا دوڑہ آئی اُس آئی کے چیف خیاء الدین کی طرف سے اور دوسرا اس کے جائشیں اور دوبارہ شدت پسند نہایت نظریات اپنا لینے والے فوجی محمود احمدی کی طرف سے کیا گیا تھا۔ دونوں جرثیں واٹکشن کا درود کرنے اور امریکی نائب وزیر خارجہ نام کر گئی کی جانب سے چھاڑ پائے جانے کے بعد تعادن کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ دونوں ہی مرتبہ انہیں خالی ہاتھ واپس بھیج دیا گیا، اسی طرح کے پریشان کن اور ناگوار جوابات کے ساتھ جس کے لئے ملا عمر ہائل جائز طور پر مشہور ہوتا جا رہا تھا۔ مگر پاکستان نے معاہدے کو آگے پڑھانے سے الگ رکر دیا۔ وہ افغانستان میں القاعدہ کی موجودگی کے مسئلے پر طالبان سے کسی طرح نہ اتفاقی مول یعنے پر تعاریفی تھے۔ مجھ پر یہ کہ اس وقت واضح ہو چکا تھا کہ بن لادن کے حوالے سے ان کی پالیسی بنیادی طور پر امید پر بنی تھی۔ پاکستان کو امید تھی کہ القاعدہ امریکہ پر دوبارہ حملہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا، اور اگر کامیاب ہو کبھی گیا تو پھر بھی امریکہ اس طرح کا رد عمل ظاہر نہیں کرے گا جس کے نتیجے میں افغانستان میں طالبان کے عروج کو تقصیان پہنچ سکے۔

پاکستان کسی حد تک تقصیان سے بچنے میں کامیاب ہو گیا۔ 1999 کے اوائل میں نئی ہزاروی کی تقریبات قریب آنے کے وقت القاعدہ نے بہت سی سطحی خیز دہشت گردی کا روانیاں کرنے کی کوشش کی۔ بن لادن کا ایک تربیت یافتہ کارکن کیڈا سے واٹکشن واٹل ہونے والی کاروں سے لدی ہوئی کشٹی پر ہارو دسے بھری ہوئی گاڑی سمیت پکڑا گیا تھا۔ اس کا منسوبہ یہ تھا کہ گاڑی کو لاس ایبلس کے میں الاؤای ہوائی اڑے پر دھاکے سے اڑا دے گا۔ ادون کی تحریک ایجنسی نے عمان میں اس ریڈی سن ہوٹل کو ہم سے اڑا دینے کے مخصوصے کو برقرار کر دیا۔

کوکنگ (Short circuiting) ناکام بنا دیا، جہاں تھی ہزاریہ کا جشن منانے کے لئے اسرا یگی اور امریکی سیاسی پروپی تعداد میں اکٹھے ہونے کا منصوبہ ہمارے ہے تھے۔ جنوری 2000 کے اوائل میں القاعدہ نے سلیوز نامی ایک عدالتی چاہ کار جہاڑا (destroyer) کو یمن کی بندرگاہ عدن پر بم سے اڑا دینے کی کوشش کی تھی۔ خوش قسمتی سے بارود سے بھری کشتی اپنے بھاری وزن کی بنا پر ہدف کے ساتھ کھلانے سے قبل ہی پانی میں ذوب گئی۔ یہ حقیقت کہ اس طرح کی کوشش کی تھی کی برسوں تک نامعلوم ہی رہی۔ اکتوبر 2000 میں بن لادن کے تربیت یافتہ کارکنوں نے آخر کار اس حقیقت کو اس وقت ورسٹ طور پر عیاں کر کے رکھ دیا جب انہوں نے اسی طرح کا ایک اور حملہ یوائیں ایس کول پر کرتے ہوئے اس کی ایک سوت میں دھاکے سے بہت بڑا سوراخ کر دیا جس کے نتیجے میں 17 امریکی طلاج بلاک ہو گئے تھے۔ یہاں بھی پاکستانی خوش قسمت ناٹت ہوئے کیونکہ امریکی خبریہ اداروں کے انہا کا اس واقعہ کی کمزی یعنی طور پر القاعدہ کے ساتھ ملانے میں ناکام ہو گئے۔ تاہم 11 ستمبر یعنی نائن الیون کو قسمت ان کا ساتھ چھوڑ گئی۔

اگرچہ پاکستان میں میری قیمتی کے نئن برسوں کے دوران طالبان ڈیورڈلائیں کے اس پر اپنے اسی علاقے تک مدد و در ہے، تاہم جس چیز کو طالبان نے یعنی کہا جاتا ہے وہ آہستہ آہستہ منتظر عام پر آنے لگی۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو طالبان کر رہے تھے بلکہ پاکستان کے شدت پسند جہادیوں کی طرف سے لوگوں پر اپنے انتہاء پسند نظریات نافذ کرنے کی کوشش تھی۔ ان کا تھوس طریقہ کارو بیوی کی دوکانوں یا سینما گھروں اور اس طرح فاشی کے وسرے علمی ملکانوں پر حملہ کرنا تھا جو مغربی ثقافت کے اثرات پھیلارہے تھے۔ اس طرح کی سرگرمیاں ان علاقوں میں خاص طور پر واقع ہو رہی تھیں جہاں انجام پسندوں کی مساجد یا مارس یونیورسٹی سے ہوام کے مذہبی نظریات تبدیل کرنے یا پھر ان پر اڑا انداز ہونے کا کروار ادا کر رہے تھے۔ پاکستان میں میرے قیام کے دوران یہ تھوس صور حال صرف اور صرف صوبہ سرحد تک ہی مدد و تھی جہاں اس طرح کی سرگرمیوں کی خبریں مقامی اخبارات کی زینت بھی رہتی تھیں۔ تاہم مجھے سرا یگی پی کے علاقے کے حوالے سے کم از کم ایک خبر ضرور یاد ہے۔ یہ خبر مجھ تک جوئی چناب کے ایک سیاستدان کی وساطت سے پہنچی جس نے مجھے شکایت آمیر لیجے میں تباہی تھا کہ طالبان نے میں اس کے علاقے میں بھی جزوں پکڑتی جا رہی ہے۔ میں نے جب اس حوالے سے تفصیل پوچھی تو اس

نے اعتراض کرتے ہوئے بتایا کہ ان سرگرمیوں کا را ایک مقامی مدرسے کے طالب علموں سے جا ملنے کا امکان ہے۔ اس کو یہ غیر احتجاجی کہ ان کی سرگرمیاں مقامی آبادی کے اندر کچھ نہ کچھ مبتولیت حاصل کرنے لگی ہیں۔

طالبان از پیش کا عمل ان دفعہ بندی مساجد اور مدارس کے تجزیٰ سے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ زور پکڑتا چارہ تھا جن کو افغانستان سے روئی افواج کی والیہ کے بعد کسی طرح کے ضوابط کے تحت لانے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ اگرچہ ان مساجد و مدارس کی زیادہ تعداد صوبہ سرحد اور سرائیں پیٹ کے علاقوں میں تھی، تاہم یہ تقریباً ہر جگہ ای پائے جانے لگے تھے۔ مجھے قراقرم کے پہاڑوں میں واقع شہری پاکستان کے دور و راز علاقوں میں ایک انجمنی بارون سرحد تھے 15 گلکٹ کا اپنا ایک دورہ آج بھی نہیں بھولا۔ میں اپنے مقامی گائیڈ یا رہبر کے ساتھ شہر کے وسط میں واقع دریائے سندھ کے ایک بڑے پل کے کواد پر سے گزر رہا تھا جب اس نے پل کے بالکل آخر میں نظر آئے والی بڑی سی عمارت کی طرف اشارہ کیا۔ ”وہ“ اس نے کہا ”ہماری اساسی نظریات والی مسجد ہے“ مجھے بعد میں پہنچا کر گلکٹ میں شیعوں کی اکثریت آباد تھی اور بیہاں کی تاریخ فرقہ و راد فسادات سے پر تھی جس کی وجہ سے فرقہ و راد نہیں رکھتے والے دیوبندیوں کے لئے یہ علاقہ بہت کشش کا حامل تھا۔ کسی کو بھی یقینی طور پر علم نہیں ہے کہ اس وقت یا اب بھی پاکستان میں اسی مسجدیں کتنی تعداد میں موجود تھیں یا ہیں کیونکہ اس حوالے سے اپنے تک کوئی جامع سرو نہیں کیا گیا۔ تاہم اگر انجام پسند نظریات فروع دینے والی مساجد گلکٹ میں بھی موجود ہیں تو پھر غالباً پاکستان کے کسی بھی بڑے یا چھوٹے شہر میں موجود پائی جا سکتی ہیں۔

یہی صورتحال مدرسوں کی ہے 2003ء میں پاکستانی حکومت کے تجھیں کے مطابق ملک میں دس ہزار سے زیادہ مدارس موجود تھے جن میں اکثریت دیوبندیوں کی تھی۔ 2005ء میں مشرف حکومت نے آخر کار ان کو حشرہ کروانے کا فیصلہ کر لیا۔ 2007ء تک ایک دھوکے کے مطابق 14000 سے زیادہ مدارس و مساجد رہمڑا کرنے لگے تھے۔ کسی کو بھی یقینی نہیں تھا کہ حکومت ایسے تمام مدارس اس مساجد کو حشرہ کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی اور یہ تجھیں عام تھے کہ ان کی تعداد میں ہزار کے قریب جبکہ بھض و مگر تھیوں کے مطابق اس سے بھی زیاد تھی۔ تاہم حقیقت تو یہ ہے کہ کسی کو بھی ابھی تک صحیح تعداد کا اندازہ نہیں ہے۔ شاید یہ امر واضح ہے کہ کتنے ایسے مدارس ہیں جو انجام

پسندی کی ذمیں میں آتے ہیں، بھی جہاں چہار اور فرقہ و ران نفرت کی ترغیب کے ساتھ طلباء کی اس حوالے سے بھی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ ان چہاری تھیوں میں شمولیت اختیار کریں جن کی اکثریت ان ساجد امارات کے ساتھ خلیفہ ہوتی ہے۔ عام اعداد و تمار کے مطابق یہ تناسب دستا پندرہ فیصد تک ہتا ہے، تاہم اسے زیادہ سے زیادہ ایک ماہر اسلامی اندراز وہی کہا جاسکتا ہے۔ یہ بندی ای امارات کے شدت پسند ذمیں اوارے ہی تھے جو افغانستان میں طالبان کے عروج کے زمانے میں ان کے لئے اور میری تھیانی کے تین برسوں کے دوران پاکستان کے اندر محرك چہاری اور فرقہ و ران تھیوں کے لئے بھی بھرتی کے اہم مرکز تھے۔ یہ وہی ملا اور ان اواروں کے قارغ اقصیل طلباء ہی تھے جن کے طاقت اور وحشی پرمنی حریبوں نے صوبہ سرحد کے پنجھ علاقوں کے علاوہ سر ایجنسی پی کے علاقوں میں بھی طالبان کی اصلاح و تعمیل پر تعارف کروادیا تھا۔

پاکستان چلانے والے طبقے کو طالبان ایجنسی جیسی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، تاہم یہ ان کی اپنی ہی پالیسیوں کا ناگزیر نتیجہ تھا۔ مدرسون کی تعداد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ، وہاں تھا مگر سرکاری طور پر ان کی روک تھام کے لئے کسی طرح کے اقدامات نہ کئے گئے۔ کوئی بھی طالیا دیوبندی تھیم شدت پسند نظریات کے فروع کے لئے بلا کسی رکاوٹ یا سرکاری مداخلات کے کوئی بھی مسجد یا مدرسہ جب اور جہاں چاہے قائم کر سکتا ہے سرکاری طور پر ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنے یا حتیٰ کہ انہیں کسی قسم کے ضابطے میں لانے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں دکھائی گئی کیوں کہ طالبان اور چہاری تھیمیں جن کے لئے بیہاں سے افرادی قوت فراہم کی جاتی تھی پاکستانی ریاست کے نام نہاد اہم مفادات کی تحریک کرتی نظر آتی تھیں۔ یہ محض دیوبندی نظریات پر منحصر نہیں تھا۔ لٹکر طبیب کو بھی جو بخاوب اور سندھ کے بازاروں سے سرکاری اسکولوں سے بھاگے ہوئے بھجوں کی طلاق میں سرگروں ایضاً نظر آتی تھی، میدان میں اکیلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ ان دو تھیوں کو قانون کے دائرے میں لانے کی کوئی بھی کوشش پاکستان کے نام نہاد خارج پالیسی مقاصد کی تحریک کے منصوبے کو سمجھا ڈکر کے رکھ دینے کے خطرات سے پر تھی۔

تاہم ایک مسئلہ اور بھی تھا۔ وہی انتہاء پسند مسجدیں اور مدرسے جو کشمیر اور افغانستان میں پاکستان کے مفادات کی تحریک میں معاونت کر رہے تھے، وہ ملک کے اندر فرقہ و ران نفرتوں کو بھی ہوادے رہے تھے۔ ان کے دشمنوں کی فہرست میں نہ صرف وہ طائفیں شامل تھیں جو ان کے

خیال میں مسلمانوں پر مظالم ڈھارتی تھیں، مثلاً ہندو، یہودی اور عیسائی وغیرہ، بلکہ وہ نام نہاد مسلمان بھی جوان کے خیال کے مطابق دراصل مسلمان نہیں تھے، مثلاً شیخ اور احمدی۔ اگرچہ شدت پسند یوں بندی مارن سے بہت سے طلباء باہر جہاد کے لئے جا چکے تھے، تاہم چیچے رہ جانے والے طلباء سپاہ صحابہ ہلکہ اس کی اور بھی زیادہ تشدید پسند قسم کی شاخ لٹکر حنکوی جیسی تھیوں میں شامل ہو گئے۔ شروع شروع میں پاکستان حکمران دیوبندی تحریکات کے پرچار کوشیوں کی ان بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے قوڑ کے طور پر دیکھ رہے تھے جو ایرانی انقلاب کے بعد مظہر عالم پر آئی تھیں۔ اور اگر بات تینیں تھک مدد و رحمتی کہ ان کے اہداف کا نشانہ صرف انتہاء پسند شیعہ حامی تھیوں، مثلاً سپاہ سے مسلک شدت پسند ہی ہوتے تو کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ تاہم ان کے لئے برداشت کا جذبہ اس وقت تحریک میں تبدیل ہو گیا جب لٹکر حنکوی نے شیخ فرقے کی مشہور شخصیات کو ہدف بنا نے اور قتل کرنے کے ساتھ ہی ان کے مذہبی جلوسوں اور تقریبات کو بھی نشانہ بنا نا شروع کر دیا۔ اس صورتحال نے شیخ فرقے میں شدید خطرے کا احساس پیدا کر دیا، جن کی اکثریت جا گیرہ اسلامی نظام کے اندر اہم حکومتی عہدوں پر فائز تھی۔

ایک خالص عملی نگارہ نظر سے مسلکے کو جزو سے اکاڑا نہ مشکل نظر آتا تھا۔ حکومت پاکستان فرقہ ورانہ تھیوں کو افرادی وقت فراہم کرنے والی مساجد اور مدرسوں پر دھاوا بولنے کے لئے اس لئے تیار نہیں تھی کیونکہ ان کے کشمیر اور افغانستان میں کام کرنے والی جہادی تھیوں کے ساتھ روابط تھے۔ صورتحال اس وقت اور بھی پیچیدہ ہو گئی جب سپاہ صحابہ نے افغانستان میں طالبان کے شانہ بیٹاۓ لڑنے کے لئے خود اپنے جہادی روانہ کرنا شروع کر دیئے اور مزید پیچیدہ اس وقت جب جہادی اور فرقہ ورانہ دونوں مقاصد کے بیک وقت فروع کی خصوصی نیت کے تحت جو شیعہ محدثین تھیں دی گئی۔ جیسا کہ ہم نے باب نمبر ۰۳ میں ملاحظہ کیا سپاہ صحابہ نے اتحادی سیاست میں دوچی تقریباً اپنے قیام کے وقت سے ای لئی شروع کر دی تھی۔ پاکستان حکام نے اس کے اندر پائے جانے والے انتہاء پسند ان رجحانات کی حوصلہ لٹکنی جنکی کی بلکہ سیاسی سرگرمیوں میں اس کی دوچی کی بھروسہ رحمائیت کی۔ سپاہ صحابہ ہنچی حوصلہ افرادی کی تھی کہ وہ پنجاب کی صوبائی آسمبلی کے لئے اپنے امیدوار میدان میں لائے اور حتیٰ کہ اس کا ایک کامیاب امیدوار تو اس صوبائی حکومت میں وزارت کا عہدہ حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا جو کہ اس وقت پہنچ پارٹی کے ہاتھوں میں

تحمی۔ مگر اس کے ساتھ ہی حکومت نے لٹکر جھنگوی کے خلاف سخت کارروائی کا آغاز کر دیا کیونکہ اس نے شیخ فرقے کے خلاف اپنی پرتشدد بھرم دئے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

میرے پاکستان پہنچنے تک لٹکر جھنگوی کے خلاف کارروائی اپنے عروج پر تھی۔ اخبارات میں اس طرح کی خبریں وقایتوں قیاش کی ہوتی رہیں تھیں کہ لٹکر کا فلاں کارکن پولیس کی تھویل سے فرار ہوتے ہوئے گولی کا نشانہ بن گیا۔ یہ واقعات اتنے عام ہو گئے تھے کہ ذرا لمحہ ابھر میں ان کو ”جلی مقابلوں“ کا نام دیا جانے لگا۔ لٹکر جھنگوی کا جو تصور ابھر کر سامنے آیا اس کے مطابق وہ سپاہ صحابہ کے ایک سابقہ جوئی قاتل ریاض برسہ کی قیادت میں متحرک ایک چھوٹی گربہ رحم تھی۔

جو صریح حال بعد کے پرسوں میں ایک جانی پہچانی حقیقت ہن کر رہ گئی تھی اس کے مطابق لٹکرنے حکومت کے جانب سے اپنی سرگرمیوں کو محدود تر کر کے رکھ دینے کی کوششوں کے جواب میں ریاست خلاف کارروائیاں شروع کر دیں۔ اس نے تنظیم کے ارکان کا پیچھا کر کے انہیں مارڈائیں کی دھمکیاں دے دیں، اور بعض صورتوں میں تو ان وحکیموں پر عمل بھی کروالا تھا۔ لٹکرنے اعلیٰ سطح کے مرکاری افراد و تھیساں کو بھی نشانہ ہنانے سے دریغ نہ کیا۔ جنوری 1999 میں وزیر اعظم نواز شریف لٹکر کے ہاتھوں قتل ہونے سے بال بال فاٹ گئے۔ ریاض برسہ افراہ ہو کر افغانستان پہنچ گیا اور وہاں کچھ عرصہ تک روپیش رہنے کے بعد واپس پاکستان آگیا اور آخ کارا سے علاش کرنے کے بعد مگر 2002 میں پولیس کے ہاتھوں ایک اور جملی مقابلے میں مارا گیا۔

لٹکر جھنگوی کے خلاف کی جانے والی سخت کارروائیوں کا مقصد بظاہر اچھی اور بری انتبا پسند تھیمیوں کے درمیان تغیریں کرنے کی پاکستانی کوش تھی۔ اچھی تھیمیں وہ تھیں جو ملک کے خارجہ پالیسی مقاصد کی محیل میں معاون تھیں، خلا لٹکر طیبہ اور جیش محمد۔ اگرچہ جیش محمد خود پاکستان کے اندر شیخ اہماف کو کاٹر دیتے تھے فرقہ درانہ حلوب کا نشانہ ہنا تھی مگر حکام بالای سب کچھ اس لئے نظر انداز کر رہے تھے کیونکہ وہ کشمیر کے جہاد میں شریک عمل تھی۔ اس میں کوئی نیک تھیں کہ آئیں آئی وقایتوں مسعود اظہر کے ساتھ گلکھوکر تی رہتی تھی اور اس کے نزدیک اتنا ہی کافی تھا۔ دوسری جانب بری تھیمیں وہ تھیں جو پاکستان کے خارجہ پالیسی کے مقاصد کی راہ میں حائل تھیں یا پھر دیسے ہی ریاست کے لئے تھیں دھمکی جاتی تھیں۔ لٹکر جھنگوی اس زمرے میں آئے والی اولین حکیم تھی، مگر یہ آخری تھیں تابت ہونے والی تھی۔ ایک عصر جو مستقل تھا وہ حکام

کی طرف سے انکی تمام مساجد و مدارس کے خلاف کارروائی سے بچکا جاتا تھا جو اچھی اور بُری دونوں طفیلیوں کے لئے افرادی قوت کی فرائی کا دليل تھے۔ جیسا کہ ہم باب نمبر ۰۷ میں ملاحظہ کریں گے اس حوالے سے ایک اہم اسٹٹی ۲۰۰۷ کی گزیوں میں اسلام آباد کے مرکز میں واقع لال مسجد اور اس کے ساتھ متعلق مدد سے پر حکومت کی طرف سے کی جانے والی وہ عظیم کارروائی تھی جس کا نتیجہ بہت سے افراد کی ہلاکتوں اور تعلقات عامد کے عمل میں شدید پھاڑکی صورت میں نکلا۔ اس طرح کی کارروائی پھر کچھ نہیں دہرائی تھی، مگر اس لئے تمکن کہ ایسا کرنے کا نتیجہ ہر یہ پر تندید کارروائیوں کی صورت میں نکلا گا اور وہ بھی مکمل طور پر وسیع یا نے پر اگر یہ وقوع بہت سے اهداف کو نشانہ بنا یا جاتا، بلکہ اس لئے کہ اس طرح انہیں فراہم کئے جانے والے اچھے جہادیوں کی رسد روک دی جائے گی۔ پاکستان کو یہ بھی میں بہت مشکل پیش آئی کہ اچھی چیز کے ساتھ بُری چیز بھی لگنے پڑتی ہے۔

میرے پاکستان میں قیام کے پرسوں کے دوران طالبانائزیشن کے حوالے سے وقار فوقاً سامنے آنے والی خبروں سے یہ تاثر ملتا تھا کہ شدت پسند نظریات رکھنے والے دین بندی مدرسون کے طباء مغربی ثقافتی اثرات رکھنے والی قریبی آبادیوں کا صفائی کرنے کی بے ساختہ کوششیں کر رہے تھے۔ تاہم وہ پاکستان میں دین بندی نظریات سے محاصل شرعی حکمرانی کی باقاعدہ وسیع اور منظم کوششوں کا حصہ نہیں تھے، کیونکہ اس وقت اسکی کسی چیز کا وجود نہیں تھا۔ اس حوالے سے واحد اسٹٹی صوبہ سرحد میں واوی سوات تھی۔ یہاں ۱۹۸۹ میں جماعت اسلامی کے صوفی محمد نام کے ایک محرف نے ایک عظیم کی بنیاد رکھ دی تھی۔ صوفی محمد جماعت کی طرف سے نکام کے اندر رہ کر بنیادی تبدیلی لانے کے ٹلفے سے دلیر داشت ہو چکا تھا۔ وہ اُن ایسیں ایکم کو استعمال کرتے ہوئے سوات کے اندر شریعت کی حکمرانی روپا رہ بحال کرنے پر تیار ہو چکا تھا، چاہے اس کے لئے طاقت کا استعمال اسی کیوں نہ کرنا پڑے۔ مگر ایسا کہنا کرنے کی نسبت آسان تھی، سوات وقت میں ایک اور واوی نہیں تھی۔ قدیم درختوں پر مشتمل خوبصورت جنگلات اور بُلہیں کی طرح کے کلش پیاراؤں میں گھری یہ حسین واوی پاکستان کے عموم کے لئے عموماً اور جاگیر واروں کے لئے خصوصاً انتہائی مقبول تفریضی مقام کی حیثیت رکھتی تھی۔

1970 میں مکمل طور پر صوبہ سرحد کے اندر ختم ہونے سے قبل سوات کے صوبائی انتظام

میں نے والے قبائلی علاقوں (PATA) میں نافذ کردہ عدالتی نظام و راصل شرعی قوانین کے تابع تھا۔ 1998ء میں صوفی محمد نے ایک عدو اسلامیہ جاری کرتے ہوئے یہ مطالبہ کر دیا کہ شریعت نہ صرف وہاں بلکہ پورے مالا کنڈہ ڈویژن میں دوبارہ نافذ کرو جائے کہ سوات کا ایک نبہٹا چھوٹا سا حصہ تھا۔ جب اس مطالبے کو پاکستانی حکام کی طرف سے کوئی پذیرائی نہیں ملی تو اس نے معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اپنے ہمدرکاروں کو حکم دیا کہ وادی کے اندر سرکاری عمارتوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ جیسا وہ پریشان حکام بالائے قبضہ چھڑانے کے لئے وہاں سرکاری فخری روائے کردی، مگر وہ طویل عرصہ تک لانے کی صلاحیت سے محروم تھا۔ اس کی بجائے انہوں نے صوفی محمد کے شریعت کی بحالی کی بنیادی مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ یہ اسے والے برسوں میں حکومت پاکستان کی طرف سے انتہاء پسندوں کے ساتھ کے جانے والے ان بے ثنا معاملوں میں سے پہلا معاہدہ تھا جن میں وہ بنیاد پرستوں کے مطالبات کا گے سر تسلیم فرم کرتے رہے اور یوں اس طرزِ عمل کا نتیجہ مختلف علاقوں میں ریاستی اختیار کے کمزور ہو جانے کی صورت میں نکلا کیونکہ حکومت اُنکی سے اخراج کرنا چاہتی تھی۔

جب میں پاکستان میں خدمات سر انجام دے رہا تھا تو اُن ایں ایم ایم مندرجہ حقوق کے لئے درس بنی ہوئی تھی، مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں نافذ شریعت کے معاملے کے بعد آئی ایں کو یہ فریضہ سونپ دیا گیا کہ وہ صوفی محمد کی ہمدردی کرنے کے ساتھ ہی اس کے ضرورت سے زیادہ بلند عزم کی شدت میں بھی کچھ کمی لائے۔ اس عرضے کے دوران ایک صوفی پرتو اس نے اسلام آباد کی طرف پیش قدمی کا اعلان بھی کر دیا۔ میں نے اپنے ایک انجمنی یا خبر شناس سماں میں فوجی افسر سے سوال کیا کہ سرکاری طور اس صورت حال سے منٹے کے لئے کیا اقدامات کے جارہے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ آئی ایں آئی صوفی محمد سے پردے کے یچھے ملاقات کرے گی اور اسے قاتل کرے گی کہ اس طرح کی پیش قدمی کرنا اس کے مقابلہ میں نہیں ہے۔ اسے بہت کی دھمکیوں کا سامنا کرنا پڑے گایا پھر اس کا اشارہ دے دیا جائے گا۔ میں نے پوچھا کہ اگر قی این ایم کے قاتم نے ان دھمکیوں کی پرواہ بھی نہ کی اور اپنے پیش قدمی کے منصوبے پر ڈنار ہاتھ پوچھ کر کیا ہو گا۔ جز ل مسکر دیا اور بولا کہ ساری بات تینک آکر ختم ہوتی ہے کہ اس پیش قدمی کو ہر صورت روک دیا جائے۔ یہ تھا آئی ایں آئی کا طریقہ کار۔ اگر پیش قدمی ہو جاتی تو اس کا مطلب تھا کہ فوج

صورت حال سے نئے میں ناکام ہو جاتی۔

مطروض طور پر آئیں آئی کامیاب ہو گئی کیونکہ یہ پیش قدمی عمل میں تائی۔ سوات کے معاملے کو گیارہ تبرا کے حلول تک زیادہ اہمیت نہ دی گئی۔ یہ دن تھا جس دن صوفی محمد نے امریہ کے بڑھتے ہوئے حلولوں کے مقابلے میں طالبان کے شانہ بشانہ لٹانے کے لئے اپنے ۷۰۰ جنگی و کار افغانستان روانہ کر دیئے تھے۔ ان میں سے اکثر بعد میں ہونے والی لڑائی کے دوران بلاک یا قید کر دیئے گئے تھے۔ صوفی محمد خود ندو سلامت رہا، مگر پاکستان حکام نے اس کی پاکستان والی پر اسے گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا اور بعد ازاں سوات اور مالاکنڈ کے باقی علاقوں پر بھی پنا انتظامی اختیار بحال کرنے میں کامیابی حاصل کر لی گئی۔ سوات میں شریعت کی حکمرانی نافذ کرنا نے کی کوشش میں صوفی محمد بھی لٹکر ہنگنوں کی طرح ریاست کے خلاف ہو گیا تھا۔ افغانستان میں اپنے جہادی پیشیج کر اس نے پاکستانی حکام کو اپنے خلاف کارروائی کا بہانہ فراہم کر دیا تھا۔ اس طرح سے وہ صرف ایک درد سے نجات حاصل کرنے کے قابل ہو گئے بلکہ اس طرح سے امریکہ کو اپنائی طور پر یہ ثبوت بھی فراہم کر دیا گیا کہ وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس کے ساتھ تعاون کرنے میں سمجھا ہے تھے۔ کہانی یہ ہے پر ختم نہیں ہو جاتی، اگرچہ صوفی محمد خود تو جیل میں چلا گیا تھا مگر اس کے داماد مالک اللہ نے اس کی غیر موجودگی میں تی این ایں ایم کو از مرتو استوار کرنے کے بعد پاکستانی طالبان کے ساتھ تعاون کر لیا۔

اگرچہ آئیں آئی صوفی محمد کو اسلام آباد کی طرف پیش قدمی نہ کرنے کی ترغیب دینے میں کامیاب ہوتا جا رہا تھا کہ یہ شدت پسند ہی نظریات رکھنے والوں کو جب بھی چاہے اپنی مردمی کے تابع نہیں کر سکتی تھی۔ طالبان اور القاعدہ کی مشلبیں پہلے ہی سامنے آپنی تھیں۔ پاکستان کی طرف سے طاعمر کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوششیں کہ وہ اسامہ بن لادن کو اس کے خواہے کر دے، پہلے ہی ناکام ہو گئی تھیں۔ خود پاکستان کے اندر لٹکر طیبہ اور جیش محمد کو پروان چڑھانے کے لئے ان کی ہر طرح سے حوصلہ افزائی کی گئی تھی، مگر جلد ہی یہ ثابت ہو گیا تھا کہ یہ کسی طرح بھی تکمیل طور پر اپنے سرپرستوں کے تابع فرمان نہیں تھیں۔ یہ جہادی تیکیں جس واحد مقصد پر اپنے سرکاری سرپرستوں سے تتفق ہوتی نظر آئی تھیں وہ کشیدہ کو بھارتی تسلط سے نجات دلانے کی خواہی تھی۔ لٹکر طیبہ خاص طور پر اپنے جنم اور طاقت دونوں میں تیزی سے اضافہ کرتی نظر آ رہی تھی؛ مجھے

حیرت ہوتی تھی کہ اگر یہ عظیم سمجھی ریاست کی حفاظت پر اتر آئی تو اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے۔ پھر انی فرقہ دوائی تھیں بھی موجود تھیں جو مسلسل نفرت پھیلانے کے کام میں مصروف تھیں اور جس کے لئے وہ بندوق کا استعمال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتی تھیں۔ وہ ایک ایسے پاکستان کے ساتھ کس طرح مستغل اس سے رہ سکتی تھیں جہاں روازداری اور عدم اشناختی خصوصیات سے مالا مال صوفی اسلام کے چیزوں کی اکثریت کے لئے قوپ کے چارے کے طور پر افرادی قوت فراہم کرنے والی انتہاء پسند نظریات کی حامل مساجد اور مدارس کس حکم کی روک تھام اور ریاستی قوانین کی پابندیوں سے آزاد یوجنی پروان چڑھتے رہے تو ایک یا دو پھر تین عشروں کے بعد کیا صورت حال ہوگی؟

اسلام آباد میں ایک امریکی سفارت کار کے طور پر رہتے ہوئے مجھے ایک نمایاں خطرے کا احساس لاحق رہتا تھا۔ ایک موقع پر، اپنے گھر پر منعقد کی جانے والی ایک بڑی استقبالی تقریب کے بعد، ایک اخباری نمائندے نے جو کہ اس تقریب سے روانہ ہوتے وقت بہت نئے کی عالت میں تھا، اپنے دفتر واپس پہنچ کر اس تقریب کے حوالے سے رونما دیاں کرتے ہوئے نہ صرف میرے گھر کا پڑھ دیاں کر دیا بلکہ اس حقیقت کی طرف بھی توجہ لاوی کی میر اسرائیل مکمل گفت اس وقت امریکی ملکہ خارجہ میں تیرے اہم عہدے پر فائز تھا۔ اس اہم اکتشاف پر مجھے اور میری بیوی دونوں کو سخت خطرے کا احساس ہوا کیونکہ اس طرح نہ صرف ہمارے گھر کے محل وقوع کا وہنڈو را پیش دیا گیا تھا بلکہ القاعدہ یا حرکت الحجہ دین یا اس طرح کی کسی اور عظیم کو ہمارے گھر پر حمل کرنے کی اضافی ترغیب بھی دے دی گئی تھی۔ ہماری حفاظت پر مامور سفارت خانے کے حنافی علیکوں کو بھی ہمارے گھر کے ساتھ ملک علاقوں کی طرف روانہ ہونے دیا گیا تاکہ کسی ملک طور پر مخلکوں سرگرمی کا پڑھ چلا سکیں۔ انہیں فوری طور پر کسی ایسی سرگرمی کی توقع تو نہیں تھی مگر یہ دیکھ کر انہیں شدید حیرت و پریشانی ہوئی کہ بہت سے لوگ ہماری رہائش گاہ کا جائزہ لیتے نظر آ رہے تھے۔ میں اور میرے اہل خانہ فوری طور پر سفارت خانے کے احاطے میں واقع ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں نخل ہو گئے جبکہ ہماری حفاظت پر مامور ملک مخلکوں ایک شخص کی تصدیق کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گیا۔ اس سوال کا جواب حاصل کرنے میں انہیں پانچ بیٹھے گے۔ پاکستانی حکام نے آخر کار اکتشاف کرتے ہوئے تباہ کہ مجرم دراصل طالبان کے سفارت خانے پر

متعین محافظت ہے جن کو ہمارے ساتھ کوئی دفعیہ نہیں تھی بلکہ وہ تو خود بھی اس امر کی کوچن لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ کہیں ان کا اپنا سفارت خانہ بھی ملکوں افراد کی زندگی تو پہنچتا۔ چنانچہ یہ جان کر مجھے یہ احساس ہوتا شروع ہوا کہ میں غالباً اسلام آپا دیکی ایک محفوظ ترین سڑیت میں رہ رہا تھا، بھی ایک ایسکی جگہ جہاں ہر کوئی ایک درسرے پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔

یہ تھا وہ پہنچ مظہر جس کے ساتھ میں اس امر کی تحقیق کرنے بینہ گیا ہے کہ ملک سے باہر خدشات انجام دینے والے ملکہ، خارجہ کے کسی بھی افریکی طرف سے واٹکسون بھیجے جانے والے طویل ترین بر قی مراحلوں میں سے غالباً ایک مراسلہ کہا جا سکتا تھا، اور جس میں پاکستان کے اندر انتہا پسند اسلامی نظریات کے فروغ اور اس کے نتیجے میں ریاست کو لاحق خطرات سے متعلق اندازوں کا بیان کیا گیا تھا۔ اور حالات مجھے اس وقت بھی ایسے ہی محسوس ہو رہے تھے جیسے کہ اب نظر آتے ہیں۔ پاکستان کے مقتدر سیاسی حقوقوں نے، سولیجن اور فوجی دونوں، انتہا پسند اسلامی جہادیوں کو ریاستی مقاصد کی بھیل کے لئے پھٹلے پھولنے کی اجازت دی تھی۔ ان کے خیال میں انتہا پسند نہیں عناصر خارجہ پالیسی مفادات کے حصول کا، خاص طور پر امنیا کے حوالے سے، ایک ستا اور بظاہر انتہائی موثر و ملیت ہے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ ان کے نام فرمان رہیں گے، اگرچہ اس کے برکس صورتحال کی ابتدائی علامات پہلے سے ہی ظاہر ہو چکی تھیں۔ اگرچہ یہ جہادی قوتوں پاکستان کے مقتدر طقوں کے ساتھ بعض مشترک مقاصد کی وجہ وی پر تحقیق نظر آتی تھیں مگر ان کا باہمی اتحاد بہت کمزور بیانیوں پر قائم تھا جو کہ ہر وقت نوٹنے کے خطرے سے دوچار تھا، جیسا کہ اس سے قبل لٹکر ہنگوی کے ساتھ ہو چکا تھا۔ ریاست کی طرف سے ان کو پر و ان پر ہٹھ یا بھٹکنے پھولنے کی بھتنی زیادہ کھلی جیسی ملتی جاری تھی انہیں نام فرمان رکھنا اتنا ہی مکمل ہوتا جا رہا تھا۔ مجھے اس طرح کے کوئی قابل فہم آثار نظر نہیں آ رہے تھے کہ دکھ کے مارے ہوئے سولیجن و فوجی اہلکار، خصوصاً پالیس اس طرح کے کسی خطرے سے ہٹنے کے اہل ہو سکیں گے۔ آخر کار یہ ذمہ داری فوج پر ہی آئی تھی، جو پاکستان کا پیشہ و رانہ بیانیوں پر استوار واحد قومی ادارہ ہے، اور جسے اپنے گھمنڈ میں یہ یقین تھا کہ وہ ان ساری طقوں کو کمزور کر سکتی تھی مگر اسے گرد و منڈلاتے خطرات کی مناسبت سے موقع کی نزاکت کا احساس نہ ہو سکا۔

اگر یچھے مزکر دیکھا جائے تو اس بر قی مراحلے کا سب سے دلچسپ پہلو یہ تھا کہ یہ ایسے

وقت میں تحریر کیا گیا تھا جب کہ طالبان یا القاعدہ کا ایک بھی تربیت یا فتوکار کرن پاکستانی سر زمین پر موجود نہیں تھا۔ مستقبل کی مشین گولی نہ کی گئی تھی نہ کی جا سکتی تھی میرے تحریے کے پس پرده یہ مفرض کا رفرما تھا کہ طالبان اور القاعدہ تھیں افغانستان تک محمد و رہ جانے والی قومیں ثابت ہوں گی۔ مجھے خطرے کا جواہر اس ہو رہا تھا اس کا ان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کا مجرم تھیں وہ طاقتیں تھیں جنہوں نے پاکستان کی سر زمین سے ہی جنم لیا تھا اور یہاں پر پہلے سے ہی تحریک تھیں۔ جب میں جولائی 2001 میں اپنے ٹلن و اپنی لوٹ آیا، ایک مسحور کن ملک کو چھوڑتے ہوئے اداں مگر ساتھ ہی زندہ سلامت و اپنی بُنچی جانے کی خوشی کے ساتھ، تو مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ صورت حال بدتر ہونے لگی ہے۔ بہت ہی زیادہ بدتر۔

## قبائلی علاقہ جات نائیں ایون، اور پاکستانی طالبان کا ظہور

مقامات تبدیل ہوتے ہیں۔ جب میں پاکستان میں خدمات انجام دے رہا تھا تو قبائلی علاقہ جات سیاسی لحاظ سے بالکل غیر اہم تھے۔ وہاں کوئی خاص سرگرمی نہیں دیکھی جا رہی تھی، کم سے کم واٹکن کی توجہ کے قابل تو بالکل نہیں۔ اسلام آباد میں میرے قیام کے تین برسوں کے دوران، سفارت خانے کے سیاسی شبکے نے اس علاقے میں ہونے والے واقعات کے حوالے سے صرف اور صرف ایک ہی ٹیلی گرام پر کر کے پھجوایا تھا۔ اس میں کرم الجھنی میں فرقہ درانہ کشیدگی کی صورت حال کا بیان تھا جہاں کہ شیعوں کی ایک بڑی تعداد اس سئی اکثریت پر مشتمل آبادی کے درمیان رو رعنی تھی جن میں زیادہ تر دیوبندی نظریے کے ہیں و کارشال تھے۔ جیسا کہ پہلے یہ نکتہ عیاں کیا جا چکا ہے کہ برطانیہ نے قبائلی علاقہ جات بنیادی طور پر اس نکتہ نظر سے نکلیں دیے تھے کہ یہ برطانوی سلطنت اور افغانستان کے درمیان ایک سختی حدا ظرفی ذہال (Buffer zone) کا کام کر سکیں۔ برطانیہ اس علاقے کا انتظام ایک سیاسی نمائندے یا پختکل اجنبیت کے ذریعے چلاتا تھا، تاہم مقامی پتوں کو بڑی حد تک نظریہ عمل کی آزادی عطا کرتے ہوئے انہیں یا اختیار دے دیا گیا کہ وہ اپنے معاملات کا تعین مقامی قبائلی کو نسلوں کے ذریعے کر سکیں۔ یہ دو اجنبیوں کا تسلسل سے چلا آ رہا تھا، جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو پاکستانی حکام نے برطانوی پالیسیوں کا تسلسل چاری رکھا۔ قبائل کے ساتھ ہونے والے معاہدے کے تحت وہاں باقاعدہ پاکستانی قویں تھیں اس کی وجہ سے مکملی حدود کے دفاع کی ذمہ داری ایک ناقص تربیت یافتہ، مقامی طور پر بھرتی کروہ اس بھرا مکری قورس کے پرد کروی گئی جسے فرنٹکر کر (ایف سی) کا نام دیا گیا۔ تاہم اس کے افسروں کا

تقریباً قاعدہ فوج کے اندر سے کیا جاتا۔ جس کی صفوں کے اندر اس طرح کی تقریبی کے احکامات کو پیشہ دانہ ترتیب کے موقع کی صورت کیا جاتا تھا۔

میں نے دو مرتبہ قبائلی علاقہ جات کا دورہ کیا اور دونوں مرتبہ یہ دورہ تقریب کے طور پر نہایت پھری میلے اور ناہموار راستوں پر مشتمل تھا۔ کیونکہ درہ خیبر سے گزرتے ہوئے کیا۔ اپنے پہلے تقریبی دورے کے دوران جو کہ 1999 کے اوائل کی بات ہے، ہم لوگ چینی پوائنٹ تک گئے تھے جو کہ مورثم کے اس پارافغان سرحد کے اوپر اجتیہڈا، ذاتی ہوئی ایک راس کو (promontory) پر واقع ایفے سی کی ایک چھوٹی سی سرحدی چوکی ہے، جہاں سے کہ دوسری طرف واقع پھری میلے، پہاڑی انداز و بیہاںوں کا خوبصورت منظر صاف دکھائی دیتا ہے۔ یہ ایک خاموش اور پر سکون مقام ہے، طالبان سرحد سے بہت دور مصروف عمل تھا اور پاکستان ان کا سب سے قریبی حلیف تھا۔ اپنی زیست کا واحد اہم واقعہ اس وقت چیز آیا جب ہم والیں پشاور کی جانب گامز نہ تھے۔ ہم جیسے اسی خیبر سے اتریں اور چھتی ہوئی سڑک پر درے سے نیچے اترے تو مجھے دیکھنے لگا۔ جو بالکل ایسے لگ رہی تھی جیسے دورانی کے اس پارچی چوپتوں کی کوئی قطار جاں رہی ہو۔ ہم جیسے ہی نزدیک آئے تو آخر کار واضح ہو گیا کہ وہ مرد تھے، سیکڑوں کی تعداد میں ایک ہی قطار میں دورانے والے تک پہنچتے ہوئے جہاں تک نکلا جاسکتی تھی، اس پہاڑی سلسلے کے ساتھ ساتھ پہاڑیں رہے تھے جو ہماری سڑک تک آمد تھا۔

اپنی ابتدائی و سچی تعداد کے علاوہ، ان کی موجودگی کو جو ایک اور چیز نہیں بھارتی تھی وہ ایک ایسی چیز تھی جسے وہ اپنے ساتھ، زیادہ تر پیشہ پر باندھ کر، اٹھائے چل رہے تھے۔ یہ ایک پورا کا پورا چلتا پھرتا شعبہ جاتی ٹھور تھا۔ بالکل نیا شیریو ساز و سماں، اچھے سائز کے فی۔ وی سیٹ، خصوص قسم کے دیہی یورپیکارڈ، اور جنی کہ چھوٹے سائز کے یورپین ریفریگریٹریز کا جزو۔ ہم بہت سے سائیکل سواروں کے پاس سے بھی گزرے جس میں سے ایک نے تین یا چار اضافی سائیکلیں اپنی سائیکل کے اطراف اس طرح سے ہندھی ہوئی تھیں کہ ان میں سے بھی زمین پر ساتھ ساتھ حرکت کر رہے تھے۔ وہ سب اسکلر تھے جو کہ ان ہزاروں کی طرف بڑا ہرے تھے جو پشاور خیبر پاکستانی کی سطحی کے درمیان والی سڑک کے ساتھ ساتھ قطار میں لگے ہوئے افغان پناہ گزیں خیبوں کے اندر را چانک مددار ہو گئے تھے۔ میں نے بھی بھی اس بات کی تہ بٹک جانچنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ

سب سامان کہاں سے آیا تھا، اگرچہ افغانستان کے اندر کوئی گروہ، مغربی طور پر طالبان بھینا اس سارے کاروبار پر منافع کمارہ ہے ہوں گے۔ یہ پہلوں حقیقت سے واضح ہوتا تھا کہ پاکستانی حکام کو، وہ فرقہ جو بھینا کوئی پیسے نہیں کمارا باتھا، اسے روکنے کی کوششوں سے کوئی رنجیں نہیں تھیں۔ افغانستان پر روایی قبیلے کے دوران قبائلی علاقہ جات بالکل ہی مختلف انشہ پیش کرتے تھے۔ اس دور میں سخت پتھر لیے راستوں سے گزرتے ہوئے مرد رنگریزیز کی بجائے راٹلیں اٹھائے اُٹی سست میں رواں دواں ہوتے تھے۔ ذیور نڈلان کے اس پارسوسیت فوجوں کی موجودگی کے باوجود بھاگہرین کو افغانستان کے اندر رکھتے ہوئے کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی تھی کیونکہ دونوں ممالک کے درمیان سرحد اتنی سام دار تھی جیسے کہ جھٹپٹی۔ دو اہم چوکوں کے علاوہ، ایک طور خم پر اور دوسری بلوچستان میں چمن کے مقام پر کوئی سے قندھار جانے والی بڑی شاہراہ کے کنارے، میں ایسے مقامات سے گزرتا پڑتا ہے جہاں کشم اور پولیس کے حکام سے واسطہ پڑتا ہے۔ اگرچہ راستے میں سرکاری چوکیاں بھی آتی ہیں، مگر سرحدی علاقے کے ٹال کی طرف 111 عدد جانے پہنچنے مگر بغیر کسی عملے کے ایسے مقامات بھی آتے ہیں جہاں سے آپ کو گزر کر دوسرے علاقے میں داخل ہونا ہوتا ہے اور جو شاہراہ قبائلی علاقہ جات اور صوبہ سرحد کا احاطہ کرتے ہیں۔ اور اسی طرح جنوبی قبائلی علاقہ جات اور بلوچستان کا احاطہ کرنے والے مزید 229 مقامات ایسے ہیں جہاں پر آپ کو ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں داخل ہونا ہوتا ہے۔ راستے میں عملی طور پر تقریباً سیکنڑوں فٹ پا تھا اور کہریوں کی گزرا ہیں ایسی آتی ہیں جو آڑی تر چھپی ہو کر سرحد کے آر پار ہوتی ہیں، جن کو زیادہ تر وہ مقامی پتوں استعمال کرتے ہیں جن کے لئے ذیور نڈلان محل ایک تصویری چیز ہے۔ گیارہ تکرے حلبوں کے فوری بعد آنے والے بیٹوں کے دوران میں افراد اچھی خاصی تعداد میں آپ کو ایک پار پھر انہیں راستوں اور گلزاریوں پر چلتے نظر آتے ہیں۔ مگر یہ دو لوگ تھے جو اپنی جانبی بچانے کے لئے بھاگ رہے تھے۔

کینڈی الیسوی ایشن کی طرح بہت سے امریکیوں کو یاد ہے کہ جب ولڈریڈی سنفر کے ساتھ طیارے بکراۓ گئے تھے تو اس وقت وہ کیا کر رہے تھے۔ میں بھر خاچہ کے کافر اس روم میں ایک شاف میٹنگ شروع ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نیٹو (NATO) کے ایک فرقہ کا انتظام سنjalne کے لئے واٹکن و اپس آگیا تھا اور یورپین یورڈ افس کے اپنے ساتھی ڈائریکٹر کے

ساتھ بڑے صبر کے ساتھ پیشے ہوئے نائب وزیر خارجہ کی آمد کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ کمیٹی کی تائیور سے آئی اور مذکور کرتے ہوئے کہنے لگی کہ وہ اس لئے دری سے آئی تھی کیونکہ اسے خربلی تھی کہ ایک طیارہ ابھی ابھی ولڈ فریڈی سنٹر سے گرا گیا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آیا یہ دہشت گردی تھی تو اس نے جواب دیا کہ اسے جس معلوم ہے اپنا اجلاس جاری رکھا اور یہ ابھی اختتام کے قریب ہی تھا کہ ایک بیور و سکر فری بھائیسا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ ایک اور چہار بھی ولڈ فریڈی سنٹر سے گرا گیا ہے اور یہ کہ جیلان گون بھی محلے کی زد میں آ گیا ہے۔ تقریباً چھیس کوئی اشارہ پا کر لا دیا ہے پسیکر میں بھی اچاک مچان پر بھی اور ہمیں حکم دیا گی کہ ہم فوراً ہی عمارت سے باہر نکل جائیں۔

یہ ایک حیرت انگیز اتفاق تھا کہ آئی المیں آئی کا سر براد جزل محمود بھی اس اجنبی دہشتگار دن کسی مشادرت کے سلسلے میں واٹھن آیا ہوا تھا۔ اس صبح کو وہ بینٹ اٹیں جس کمیٹی کے اکان کے ساتھ اجلاس کے لئے کھیول بل میں موجود تھا۔ وہ عمارتیں خالی کرنے کے لئے خبردار کرنے والے اعلانات سے جو کہ اس صبح واٹھن کی تمام سرکاری عمارتوں میں شائع دے رہے تھے، سراسر ہو کر پانی مانندہ وفاتی حکام کے ساتھ کہیں بھاگ گیا تھا۔ اسے اگلی صبح ہی وزارت خارجہ کی طرف سے ڈپی وزیر خارجہ چڑا آریچ کے ساتھ ایک ملاقات کے لئے طلب کر لیا گیا۔ اگرچہ اس ملاقات کے حوالے سے دیے گئے بعض اعلانات کے مطابق آریچ نے محمود کو واٹھ طور پر بتا دیا تھا کہ پاکستان کو یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ آیا وہ امریکہ کے ساتھ ہے یا اس کے خلاف، یا پھر اس نے دھمکی دی تھی کہ پاکستان پر بمباری کر کے اسے پھر کے درمیں پہنچا دیا جائے گا، تاہم اس ملاقات کا براہ راست علم رکھنے والے ایک پاکستانی وزیریے کے مطابق ماحول بہت الناک دکھائی دیتا تھا اور آریچ نے بس سبی کہا تھا کہ امریکہ کے ساتھ ہے اپنے دستوں کی طرف رجوع کرے گا۔

سکریٹری کوں پاول نے بھی بھی پیغام دیئے کے لئے اسی دن مشرف سے رابطہ کیا تھا۔ اس ملاقات کے دوران جو کچھ بھی کہا گیا، تاہم پاکستان نے تعاون کرنے کے قابل میں دیجیں لگائی۔ ولڈ فریڈی سنٹر پر عملیات ان کا سب سے ذرا ملکی دہشت گرد حملہ تھا۔ مشرف کو فرا احسان ہو گیا تھا کہ امریکہ کا عمل فوری اور انتقامی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی واضح تھا کہ افغانستان پر پاکستان کا موقف جو کہ طالبان کی حیات پر مبنی تھا، مستقل خطرے سے دوچار ہو چکا تھا۔ اگر تو طالبان بن لادن کو فوری طور پر امریکہ کے حوالے کرنے پر تیار نہیں ہو جاتے تو اس بات کا پورا

خطرہ موجود تھا کہ امریکہ جنگ کا آغاز کر دے گا۔ اس امر کا امکان کہ پاکستان نے طالبان پر جو سات سال تک طویل سرایا کاری کی تھی وہ ساری کی ساتھ خصائص ہوئی تھی کافی خوبی کے لئے تھا۔ تاہم امریکہ پاکستان کا دشمن بن جائے یا اس سے بھی بدتر امکان تھا۔ مشرف نے اپنی یادداشتیوں میں اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اسے یقین تھا کہ امریکہ درحقیقت پاکستان پر حملہ کر بھی سکتا تھا۔ تاہم اگر امریکہ نے پاکستان کو بمباری کر کے پھر کے پھر کے زمانے میں پہنچا دینے کی کوششیں بھی کی تو اس کے پاس بہت سے مقابل طریقے خود پر وہشت گرد ریاست کا شپہ لگوانے یا میں الاقوای مالیانی اور اول سے اپنی امداد رکاوادینے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس صورتحال میں بھارت غصہ کو بھی سامنے رکھنا تھا۔ بنوادی نے امریکہ کو افغانستان پر حملے کرنے کے لئے اپنے فوجی اڈے استعمال کرنے کی پیش کش کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی۔ پاکستان کو اس امکان سے بھی یقیناً شدید پریشانی لاحق تھی کہ ہو سکتا ہے امریکہ بھارت کے ساتھ میں کرپاکستان کے خلاف مشترکہ موقف یا حکمت عملی اپنالے اس لئے اس کے نزدیک بہتر بھی تھا کہ اس انتہائی بدتر صورتحال سے بہترین طور پر استفادہ کرنے کے لئے امریکہ کا ساتھ دے دیا جائے۔

پاکستان کو 13 ستمبر کے روز پیش کی جانے والی مطالبات کی فہرست سے اس امریکی تصدیق ہوتی ہے کہ امریکہ کارروائی میں لکھا سمجھیدہ تھا۔ پاکستان سے مطالبہ کر دیا گیا تھا کہ وہ امریکہ کو اپنے علاقے کے اوپر سے پرواز کر کے گزر جانے کے بلا استثناء حقوق دے دے۔ امریکہ نے پاکستان سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے اپنی بندگا ہوں، ہوائی اڈوں، اور کلیدی نوعیت کی سرحدی چوکیوں تک رسائی فراہم کر دے۔ پاکستان کو بتا دیا گیا تھا کہ اسے طالبان سے تعلقات منقطع کرنے پڑیں گے اور مدارس کے طلباء کو افغانستان کے اندر جس کو سرحد کے اس پار طالبان کی مفہوم میں شامل ہونے سے روکنا ہوگا۔ امریکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ پاکستان القاعدہ کے لئے اپنی سرحدیں بند کر دے اور اس تنظیم کو ہر طرح کی رسید کی فراہمی روک دے۔ یہ آخری مطالبہ جس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان بیشہ سے ہی القاعدہ کی بڑی چیز کو رحمایت کرتا رہا ہے، اس امر کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ اس وقت امریکہ پاکستان کے ارادوں اور طرزِ عمل کو کس طرح لٹک کی ٹکاہ سے دیکھتا تھا۔ جیسا کہ میں نے گذشتہ باب میں ویلی وی ہے یہ لٹک تقریباً یقینی طور پر کسی بھی بنیاد سے محروم تھا۔ نائیں ایون سے قبل پاکستان کے پاس ہر طرح سے یہ جواہ موجود

تحاکر وہ بن لادن سے دور رہے کیوں کہ امریکہ کے خلاف القاعدہ کے مخصوصے اور عزم کوئی راز نہیں تھے، اور اگر ان پر عملدرآمد ہو جاتا تو اس سے افغانستان کے اندر پاکستان کا مظاہر بھی یقیناً بخودج ہو جاتا تھا۔

پاکستان بعض انجامی شدید توجیہت کے امریکی مطالبات، خاص طور پر اس کی فضائی حドادیں آزادانہ پرواز اور اڑوں کی سہولت جیسی فرمانٹوں سے چکرا کر دی گیا تھا۔ چنانچہ اس کے جواب میں ذرا محدود تر گمراہی بھی فراغدانہ سہولتوں کی پیش کش کروی گئی جن پر امریکہ نے فوراً ہی آتا گئی ظاہر کر دی۔ تاہم شرف حیرت انگیز طور پر ایک سختے پر مسلسل یہ مصدر ہے: امریکہ اس وقت تک حملہ کا آغاز نہ کرے جب تک پاکستان اسامہ بن لادن کو حوالے کرنے کے لئے ملا عمر کو آمادہ کرنے کا ایک آخری موقع حاصل نہیں کر لیتا۔ چنانچہ یہ موقع فرائم کر دیا گیا اور پاکستان والوں پر مشرف کو ایک بار پھر قندھار روانہ کر دیا گیا۔ ماضی کی طرح اس بھی کوئی تجھہ برآمدہ نہ ہوا۔ اس مرتبہ ملا عمر نے حملوں میں القاعدہ کے ملوث ہونے کا ثبوت طلب کر لیا تھا اور یوں ایک مرتبہ پھر وقت کا خیال دیکھنے میں آیا۔ تجھر کے آخر میں ایک دوسری اور جتنی کوشش بھی نہ کام ہو گئی۔ پاکستانی صحافی احمد شید کے خیال کے مطابق محدود نے، جو کہ دوبارہ پیغام پرستی کے راستے پر جل پر اتفاق، دراصل ملا عمر کو ثابت قدم رہنے کی تلقین کی تھی: تاہم اس امر کا امکان اس لئے تھی کہ یونکہ محدود کو بھی یہ علم تھا کہ اگر طالبان اپنی راہیں القاعدہ سے جدا کر لیتے تو اس سے پاکستان کو بہت فائدہ ہوتا اور اس کے برکت صورت میں اچھا خاص انقصان۔ بہر حال اصل میں جو کچھ بھی ہوا، تاہم یہ ایک حقیقت تھی کہ ملا عمر نے اسامہ بن لادن کا التکلیف و انجام تک ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور یوں امریکہ کے لئے طالبان حکومت پر حملے کی راہ بھوار ہو گئی جو ۲ آئتوبر کو نائن الیون کے واقعے کے ایک ماہ تکمیل ہونے سے پہلے ہی شروع کر دیا گیا۔

جیسے جیسے آپ پیش انیڈ یورنگ فریڈم کے مرحلے میں ہونے لگے، یہ امر واضح ہوتا چلا گیا کہ امریکہ دراصل غالباً اتحاد کے فضائل دستے کے طور پر کام کرتے ہوئے طالبان کے سامنے کے مجازوں پر جاہ کن حملے کرتا جا رہا تھا جن کی رو میں آکر طالبان کے قدم اکٹھنے لگتے تھے۔ یہ نکتہ زہن میں رہے کہ اس وقت طالبان ایک میدانی موقع کی طرح تھے یا پھر جیسا کہ وہ بعد ازاں جلدی ہن گئے تھے۔ ۹ نومبر تک مزار شریف کا شال مغربی کلیدی مجاز بھی پسپائی اختیار کر گیا۔ تین

روز بعد کامل بھی طالبان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔ 7 دسمبر کو فتحدار میں بھی ہتھیار ڈال دیئے گئے تھے اور اس سے اگلے ماہ خود طاعم بھی گرفتاری سے بال بال بچتے ہوئے صوبہ بلند کے پیاسوں میں واقع اپنے خفیہ لمحاتے سے موز سائکل پر بینچ کر فرار ہو گیا۔ اس دوران وہ شخص جس کی وجہ سے اقتدار سے محروم ہونا پڑا تھا خود بھی اپنی زندگی بچانے کے لئے بھاگ رہا تھا۔ اس اس بن ادنی شامی اتحاد کی فوج کے قریب آئے وقت افغانستان کے شمالی شہر جلال آباد میں مقیم تھا۔ وہ اور اس کے کچھ ساتھی، اپنے طالبان مخالفوں کی گرانی میں جنوب کی طرف واقع تورابورا کے نام سے معروف پہاڑی غاروں کے ایک وسیع سلسلے کی طرف پہنچا ہو گئے۔ جلدی شمالی اتحادوں نے اس جگہ کا حصارہ کر لیا اور امریکی جنگی جہازوں سے بھم کر کے رکھ دینے والی بمب اری شروع کر دی گئی۔ ایک موقع پر تقریباً 1500 پاؤ نژاد فوجی بھی 130 کارگو طیارے کی کچھلی جانب سے لٹھا کر پھینک دیا گیا۔ بن لادن یقیناً اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا۔ مگر جب دو ہاتھوں کی تاہر توڑ بمب اری کے بعد آخر کار رہوان صاف ہو گیا اور مخصوص لوگ غاروں سے باہر نکل آئے تو بن لادن کا کوئی نام و نشان بھی نہیں تھا۔

پہنچی احتیار کرتے ہوئے بعض طالبان جنوبی افغانستان کے دور دراز پہاڑی سورچوں میں پناہ لینے میں کامیاب ہو گئے۔ تاہم زیادہ تر طالبان اور القاعدہ جہادی ڈیورنڈ لائن کی طرف جنوب اور شرق کے علاقوں میں فرار ہو گئے۔ تاہم جو بات پوری طرح واضح نہیں ہو سکی وہ یہ ہے کہ اس طرف کوئی چیز یا طاقت ان کی لختگی۔ اس امر کا کچھ ثبوت موجود ہے کہ اس عرصے کے دوران پاکستان نے قائمی علاقوں کی طرف کچھ فوجیں رواندہ کی تھیں جن کا واضح مقصد سرحدوں کی گرانی کرنا تھا اگرچہ تعینات کردہ فوجیوں کی تعداد کے حوالے سے شدید اختلافات پایا جاتا ہے۔ تاہم تعداد کچھ بھی تھی، وہ اپنے مقصد میں بظاہر اتنی کامیابی حاصل نہیں کر سکے تھے۔ احمد رشید کا دعویٰ ہے کہ اگرچہ القاعدہ کے چند ایک سپاہیوں کو قید کر لیا گیا تھا، تاہم فرار ہوتے ہوئے طالبان فوجیوں کو بغیر احتساب پہنچائے جانے دیا گیا تھا۔ افغانستان میں تعینات امریکی افروزوں نے اسے کچھ عرصہ بعد بتایا تھا کہ ان کو یقین تھا کہ پاکستان نے زیادہ تر سرحد چان بوجوچ کر گرانی کے بغیر چھوڑ دی تھی۔ تاہم یوں ایس سفر لے کر اس وقت پاکستان کی طرف سے کی جانے والی کوششوں کو تھیں کی تلاوہ سے دیکھا تھا اور سفر لے کر اسے اسلام آباد میں تھیں رابط افسرنے

پاکستان کی طرف سے تعاون کی کوششوں کا بہت اسی سائنسی احوال میرین کو روز (Marine Corps Gazette) میں "پاکستان۔ این ایڈیورنگ فرینز" کے عنوان سے پیش کیا تھا۔ افغانستان کے لئے ان کی محرانی کا کام جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا۔ تاہم پاکستان کے تعاون کے حوالے سے امریکہ کی طرف سے قلیل از وقت میانہ آرائی کے باوجود اس امر کا کوئی بخوبی ثبوت نہیں ملتا کہ پاکستان نے ہر کوئی طرح کی کوئی معمولی کوشش بھی کی ہوگی۔

شوہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس اسی بن لادن اور ابوراسے فرار ہو کر جنوب کی طرف کچھ میل کے فاصلے پر ڈیورنڈ لائن کے دوسرا طرف کرم ایجنسی میں چلا گیا ہو گا۔ بعض واقعات کے مطابق وہ پکھو دیر کے لئے دوبارہ افغانستان واپس ہو کر وہاں سے شمالی وزیرستان چلا گیا تھا جہاں اس پر مقدمہ کی کارروائی بالکل اسی سر دخانے کی نذر ہو کر رہ گئی۔ القاعدہ کے دیگر اہم تریتی یافتہ کارکن بھی ڈیورنڈ لائن کے دوسرا طرف چلے گئے تھے، تاہم لگتا ہے کہ وہ قبائلی علاقہ میں زیادہ عرصہ قیام پڑ رہیں رہے تھے۔ اس کی بجائے وہ پاکستان کے اندر تباہیاں مقامات کی طرف چلے گئے، اور آخر کار اپنے قطری انجام یعنی انساف کے کثیرے میں لائے گئے۔ القاعدہ کے اندر دو فوجی حلقوں کا اہم رکن ابو زبیدہ زیر حاست لیا جانے والا پہلا حصہ تھا۔ وہ بخار کے شہر بھل آباد میں مارچ 2002 میں فائرنگ کے تباہی میں شدید زخمی ہو گیا تھا۔ یوں ایسیں ایس کوں پر ہونے والے بیم و خاکے کے ایک اہم مشتبہ کردار خالد الحش کو اس سے اگلے ماہ کراچی سے گرفتار کر لیا گیا۔ القاعدہ رہنماء مریزی بن الشھد سپریٹر میں کراچی سے پکڑا گیا۔ سب سے بڑی چھپلی اور القاعدہ کی تیسری اہم شخصیت خالد شیخ محمد کا جو کہ گیارہ سپریٹر کے حلقوں کی منصوبہ بندی میں پیش کیا تھا۔ آنے والے مارچ میں اسلام آباد سے آتے ہوئے روپنڈی میں تلاش بسیار کے بعد اس وقت سرانجام گیا جب اس کے بزر سے یک لخت اخھالیا گیا۔ بعد ازاں پاکستان حکام نے ان کو اور درجنوں اور کم اہم القاعدہ جہادیوں کو جو کہ ان کے ساتھ ہی گرفتار کئے گئے تھے امریکہ کے حوالے کر دیا تھا۔

یہ گرفتاریاں بظاہر ایسا لگتا ہے کہ پاکستانی حکام کے مکمل تعاون سے عمل میں لائی گئی تھیں۔ وہ غالباً کم سے کم بھی کچھ کر سکتے تھے اور ابھی تک اپنے امریکی سر پرستوں کو یہ یقین دلاتے رہے ہیں کہ وہ وہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں ان کے ساتھ تعاون کر رہے تھے۔ ان

سب گرفتاریوں کو جو حقیقت ایک ہی کڑی میں مسلک کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ یہ سب گرفتاریاں خود پاکستان کے اندر، کراچی اور پنجاب کے دیگر بڑے شہروں سے کی گئی تھیں۔ القاعدہ کے بعض اہم عہدیدار یا کارکنوں ان بڑے شہری علاقوں کی طرف اس نے کھپٹے چلے آئے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا اس طرح باہر کی دنیا سے ان کا رابطہ بھی زیادہ تجھی سے ملکن ہو گا اور دوسرے ان کو غالباً یہ غلط فہمی تھی، جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا، کہ یہ چھپنے کے لئے محفوظ پناہ گاہیں تھیں۔ وہاں ان کی مدد کے لئے باہمی تائید و تعاون کا ایک بظاہر مربوط سلسلہ عمل موجود تھا پاکستان میں میرے قیام کے تین برسوں کے دوران ایک یہ مفروضہ بھی عام تھا کہ القاعدہ کے تربیت یافتہ کارکنوں جب بھی چاہیں بلارک توک یہاں آ جاسکتے ہیں۔ یہ پریشانی بھی رہتی تھی کہ القاعدہ اگست 1998ء میں اپنے نہ کرنے پر ہوتے والے کروز میراں کے اس حملے کے جواب میں پاکستان میں امریکی سفارت کاروں کو انتقامی کارروائی کا شاندار ماحصلتی ہے جس نے واٹگن کو حملے سے کچھ حصہ پہلے اپنا سفارت خانہ ورتوں نسل خانے کی عمارتیں خالی کروائے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ پریشانی بھی تھی کہ القاعدہ اس ایئر فورس و ان طیارے کو گرانے کی کوشش بھی کر سکتی ہے جو مارچ 2001ء میں صدر کائنٹن کے درہ اسلام آباد کے موقع پر بہت سے طیاروں کو بیک وقت لے جانے کی حکمت عملی یا چال پر منی تھیں مخصوصے پر عملدرآمد کرنے والی سیکرٹ سروس کی قیادت کر رہا تھا۔ اس کا کوئی رسی یا غیر رسی تھیں سلسلہ عمل موجود تھا یا نہیں، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ القاعدہ نے نائن الین و والے قوئے والے برس میں خوست کی ترمیتی مرکزی تھیں جو ہوں پر پاکستانی چہاویوں سے استوار ہوتے والے تعلقات کا اچھا خاصاً فاکرہ اٹھایا تھا۔ القاعدہ اور طالبان کے درمیان جن کی صفوں میں بہت سے پاکستانی بھی شامل تھے، قریبی رہا کی بناء پر القاعدہ کو خود پاکستان کے اندر موجود بنیاد پرست دیوبندی سماج دار مدارس کے ایک ویسی سلسلے کے رسمی حاصل ہو گئی تھی۔

نائن الین کے بعد پاکستان کے شہری علاقوں کی طرف فرار ہوتے والے القاعدہ کے تربیت یافتہ کارکنوں نے مجھ سے بھی یہاں آرام سے بینہ جانے پر اکتفا نہیں کیا۔ انہوں نے ملک کے اندر مغربی صمالک کی عمارتوں اور فاتحیات کو نشانہ بنانے کی مخصوصہ بندی شروع کر دی تھی۔ ان کا پہلا اور انتہائی پدنام زمانہ شکار امریکی صحافی و سینکڑل پر ل تھا ہے فروری 2002ء میں کراچی سے انخواہ کیا گیا تھا۔ خالد شیخ محمد جیسا خطرناک آدمی اس مخصوصے میں برادرست ملوث تھا اور کئی برس

بعد امریکہ کی ایک خصوصی فوجی عدالت میں بیان دیتے ہوئے اس نے ہرے فخریہ انداز میں کہا تھا کہ اس نے پول کا سر "اپنے اس خوش نصیب دائیں با تھے" سے خود ان سے جدا کیا تھا۔ مگر یہ سب کچھ محض القاعدہ کی کارروائی تھیں تھیں۔ مقامی چہادیوں اور فرقہ و رانہ تنظیموں کے ساتھ اپنے روابط کی بناء پر اس اور اسی طرح کے دوسراے حملوں میں پاکستان کا ہاتھ بھی تھا۔ برطانوی نژاد عمر شیخ جس کے چھٹیں محمد کے پانی سعید اظہر کے ساتھ قریبی روابط تھے، اسے اخواہ کا ایک اہم فریق تھا اور اسی طرح اجنبی فاروقی بھی جو چھٹیں کا ایک اور کارکرکن تھا۔

پول کے اخواہ کے بعد کے بیجوں میں مغربی ہمارکی عمارتیں اور عمدہ اضافی حملوں کی زدش تھے۔ مارچ کے میتھے میں امریکی سفارت خانے کے قریب واقع ایک پردشست چرچ پر کئے گئے گریڈ ملٹے میں پانچ افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ ہلاک شدگان میں سے دو افراد، ایک ماں اور اس کی نوجوان بیٹی کا اعلیٰ امریکی سفارت خانے کے لازم کے خاندان سے تھا؛ اس کے علاوہ ایک باپ اور اس کا نوجوان بیٹا ملٹے میں زخمی ہو گئے تھے۔ اس واقعے نے امریکے کے تمام سفارتی عملے اور ان کے اہل خانہ میں خوف کی اہم دڑاکی تھی۔ امریکہ ملکہ خاچہ نے اگرچہ نائن الین کے واقعے کے فوری بعد عملے کے اہل خانہ کوہاں سے نکلوالیا تھی، مگر تھوڑا ایسی عرصہ گزرنے کے بعد انہیں ہزاری میں واپس جانے کی اجازت دے دی تھی۔ چرچ ملٹے کے بعد انہیں ایک مرتبہ پھر واپس طوایا گیا تھا اور اس کے بعد وہ لوٹ کر نہیں آئے گئے نہ یہ فصلہ کریا تھا کہ پاکستان کے اندر اپنی تمام سفارتی سہلاتوں کو غیرہمراو تقریباً (Unaccompanied post) قرار دے دے، جس کا مطلب یہ تھا کہ عملے کے ساتھ اہل خانہ کو جانے کی اجازت نہیں ہو گئی اور سیکھی صورت حال ابھی تک برقرار چلی آرہی ہے۔ تاہم القاعدہ کے تخلیق کردہ منصوبوں کا نشانہ صرف امریکی سفارت خانے کا عملہ نہیں تھا۔ چرچ پر ملٹے کے صرف دو ماہ بعد کراچی میں ایک کار بم (Bom) کے میں فرانسیسی بحری عملے کے گیارہ اور کان ہلاک ہو گئے تھے۔ اس سے اگلے ماہ کراچی میں امریکی قونصل خانے کے ہاہر ہونے والے ایک بم (Bom) کے میں راستے سے گزرنے والے 12 پاکستانی ہلاک ہو گئے تھے۔ اگست میں اسلام آباد سے قریب واقع برطانوی حکومت کے دوسری میں موسم سرما کے لئے بنائے جانے والے عارضی پہاڑی وارکھومت مری میں غیر مکمل طباء کے مشربی اسکول میں چھوٹو پاکستانی ملازمین مارے گئے تھے۔

یہ حقیقت کہ ان حملوں میں پاکستانی بھی ملوث تھے حکام کے لئے باعث نہ مانتی تھی۔ اس سے بھی زیادہ شرمناک یہ حقیقت تھی کہ ان میں سے اکثر یہ کاظم جوشِ محیجسی ان تھیں میں سے تھا جو کشمیر میں پاکستانی مقادرات کی حیروانی میں صورت تھیں۔ اپنی حلیف تھیں میں سے تھے تو جو ہٹانے کے لئے حکومت نے ان حملوں کی امنداری لٹکر جھنگوی پر عائد کر دی تھی۔ جس کے ساتھ وہ طویل عرصہ سے حالت جنگ میں تھی اور جس پر اس نے نائک الیون سے قتل رکی پاہندی بھی عائد کر دی تھی۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ مشرف نے بھی جوشِ محمد اور لٹکر طیبہ پر جووری 2002 میں پاہندی عائد کروئی تھی مگر اس کا مفتری اہداف پر القاعدہ کے ان حملوں سے کوئی اعلیٰ نہیں تھا جو ابھی شروع ہی نہیں ہوئے تھے، پر اس کے انخواہ کا واقعہ ایک ماہ بعد پیش آیا تھا، بلکہ یہ ایک ماہ پہلے نہ دہلي میں بھاری پارلیمنٹ ہونے والے فراہمین حملوں کے نواب میں عائد کی گئی تھی۔ جیسا کہ ہم نے باب ثبر، میں ملاحظہ کیا، ان تھیں میں پر پاہندی ایک خالص اسلامی اقدام تھا جس کا مقصد واکٹشنس میں مشرف کے نئے حلیفوں کو خوش کرنا تھا۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ وہ ملکی شدت پسندی کے خلاف تھا جبکہ ساتھ ساتھ اپنی پسندیدہ اسلامی انجام پسند تھیں میں بھی جو اسی وجہ سے وہی گئی جو اس نے جیت لی تھی۔

نایاں امریکہ کی حمایت کی قیمت بھی چکائی تھی۔ مشرف حکومت کو جماعت اسلامی اور بجے یہ آئی کے زیر احتام کے جانے والے مظاہروں میں بذریعہ آنے والی تیزی کا سامنا بھی تھا۔ اسے القاعدہ سے بھی شرعاً تھا۔ حلیم کے بہت سے اعلیٰ عہدیداروں کی گرفتاری میں حکومت پاکستان کا کروار اس کی نظریوں سے پوشیدہ نہیں تھا اور مارچ 2003 میں خالد شیخ محمد کی گرفتاری اور کی پیشہ پر آخری تھکان نظر آری تھی۔ اب القاعدہ اور اس کے پاکستانی حلیفوں نے اپنے اہداف مفری نمکانوں / شخصیات کی بجائے بڑے بڑے پاکستانی عہدیداروں کو بنا شروع کر دیا۔ دہبر 2003 میں پروین میں پر دیوبندی مشرف پر دیوبندی علیحدہ قاتلانہ حملے کے گئے۔ پہلا حملہ جوش میں سے نسلک جہادیوں نے کیا تھا۔ دوسرے کی مخصوصہ بندی ابڑا جانشینی نے کی تھی جو کہ خالد شیخ محمد کے جانشین کے طور پر القاعدہ میں تیسرے ثبر کا عہدیدار بن گیا تھا۔ اس کا سب سے اہم شریک کار

امجد فاروقی تھا، جو کہ جیش کا وہ رکن تھا جس نے پول کے انواہ میں تمایاں کروار ادا کیا تھا۔ جون 2005ء میں کوئی کاٹر کراچی پیغمبربازی حزبِ احسن حیات پر القاعدہ سے قتل رکھنے والی ایک بیویٰ سی تحریم ہام جدال اللہ کی طرف سے حملہ کیا گیا۔ اس کے ایک ماہ بعد جیش سے تعلق رکھنے والے ایک خودکش بمبارے نے وزیر اعظم شوکت عربِ ناقل کرنے کی کوشش کی۔

اگرچہ ان معلوم میں ملوث بہت سے پاکستانی جیشِ محمد سے تعلق رکھتے تھے، تاہم نہ تو اس وقت اور نہ ہی پھر بھی اس تحریم کے خلاف تحریمی بیوی کا رواںی کی بھی ہے۔ سپاہ صحابہ<sup>9</sup> کے اعظم طارق کی طرح جیشِ محمد کے قائد مسعود اغبر کو بھی اس کے گھر میں اس وقت نظر بند کر دیا گیا تا جب مشرف نے جوئی 2002ء میں شدت پسند اسلامی تحریموں پر نام نہاد پابندی عائد کر دی تھی۔ تاہم مسعود اغبر پر پابندیاں بعد ازاں اسی سال تحریم کردی گئیں اور اسے مشرف اور دیگر کے خلاف قتل کے واقعہ میں بھی ذاتی طور پر بھی ملوث نہیں کیا گیا۔ اس کی تحریم کشمیر میں آج بھی فعال و سرگرم ہے۔ اصل میں بالآخر یہی ہوا کہ جیشِ محمد کے کچھ ارکان نے جیسا کہ امجد فاروقی کی مثال سے ثابت ہوتا ہے، اپنی وقاریوں کا رخ اپنی باقی تحریم سے موڑ کر القاعدہ کی طرف کر دیا۔ اس کی وجہ معلوم کرنا کوئی اختلافل کام نہیں ہے۔ پاکستان کی جہادی قومی نظریاتی طور پر پاکستان کے مقندر حلقوں کی لبست خود کو القاعدہ سے زیادہ قریب مستھو کرتی تھیں۔ پاکستانی حکومت کے ساتھ ان کا تعاون، اس اس حد تک تھا جس حد تک وہ اس کے ساتھ کشمیر کو اٹلیا کے ٹکٹے سے آزاد کروانے پر اتفاق کرتی تھیں۔ تاہم جیشِ محمد اور اس کی طرح کی دوسری تحریموں کے ارکان کے نزدیک پاکستان کی طرف سے امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس کا ساتھ دینے کا فیصلہ اور بعد ازاں القاعدہ کے بعض اعلیٰ عہدیداروں کو پکڑنے کی کوششوں نے ان کو حکومت پاکستان سے اور بھی دور کر دیا تھا۔ اپنی بانی تحریموں اور آئی المیں آئی کے درمیان جاری و ساری تعاون پر تاخوش ہو کر انہوں نے اپنی وقاریاں تبدیل کر دیں اور ریاست کے خلاف تھیاراٹھا لیے۔

اگرچہ شہری علاقوں میں القاعدہ کے روپوں ارکان کی کھوی لگانے میں امریکہ کے مدد کرتے ہوئے پاکستان بہت خوش نظر آرہا تھا۔ تاہم قبائلی علاقوں میں اس طرح کی کوشش یا تعاون مفتوح تھا۔ اور القاعدہ کے ارکان کی اکثریت انہیں علاقوں میں روپوں تھی، مگر یہاں پر وہ ان طالبائی جہادیوں کے ساتھ گھمیں مل چکے تھے جو خود بھی مفتر و ہو کر یہاں چھپے ہوئے تھے۔ قبائلی

علاقوں میں القاعدہ کے ارکان کی تلاش میں یہ خطرہ مضمرا میں تھا کہ اس طرح سابق طیفونوں کے ساتھ دست بدست لڑائی ہو جاتی جس سے کہ پاکستان احتراز کرنا چاہتا تھا۔ ان کے نزدیک رہشت گروہ کے خلاف جنگ میں ان کا کردار یہ تھا کہ وہ القاعدہ کے رہنماؤں کی گرفتاری میں امریکہ کی مدد کریں۔ اور یہ کردار وہ پاکستان کے شہری علاقوں میں ادا کر رہے تھے۔ طالبان کے ساتھ مسلح تصادم اس معابرے کا حصہ تھا۔ نہ یہ محض ان کی اپنی تغیرتی۔ امریکہ پاکستان طالبان سے ہر طرح کے روایات ختم کر دے اور ان کی ماوی انداد کا سلسلہ بھی منقطع کر دے۔ جیسا کہ تم نے ملاحظہ کیا ہے، آپریشن اینڈ یور مگ کے ابتدائی مرحل میں سفرل کماڑ پاکستان پر دادو چھیس کے ذوبھرے پر سارہ تھا۔ حتیٰ کہ اس کی طرف سے ان مشکلات کا ذکر بھی کیا گیا جو پاکستان کو القاعدہ اور طالبان کے فرار ہوتے ہوئے ارکان کو اپنی حدود میں داخل ہونے سے روکنے پر پیش آ رہی تھیں۔ طالبان کے حوالے سے امریکہ کے بے گلری پرنی رویے کے پس پرده کسی حد تک یہ یقین کا رفرما تھا کہ طالبان پہلے سے ہی ایک ٹکست خوردہ چھیڑتھی۔ امریکہ کے اعصاب پر سب سے زیادہ القاعدہ کا خوف سوار تھا۔ جب تک پاکستان اس حوالے سے متانگ خاہر کر رہا تھا اس وقت تک ہر یہ کارروائی دکھانے کا مطالبہ بے جواز تھا۔

پاکستان کے پاس طالبان کے ساتھ دشمنی کی خواہیں نہ رکھنے کے بہت مناسب جواز موجود تھے۔ سب سے پہلا جواز تو یہ تھا کہ طالبان محض ایک افغان طاقت کی نمائندگی نہیں کر رہے تھے۔ بہت سے پاکستانی رضا کار بھی، جن میں اکثریت پشتو نوں کی تھی، کئی برسوں سے ان کی صفوں میں شمولیت اختیار کرتے چلے آ رہے تھے اور آپریشن اینڈ یور مگ فریزم کے ابتدائی مرحل کے دوران یہ سب بھاگ کر واپس اپنے دھن کی سرزی میں پہنچ گئے تھے۔ چنانچا اپنے ہم وطنوں کے خلاف انتہی انجام انجامی ناپسندیدہ فعل ٹاہر ہو سکتا تھا، نہ صرف فوج کی نہاد میں جسے کہ یہ لڑائی لڑنی تھی بلکہ عوام کی نظرؤں میں بھی۔ افغان طالبان بھی پاکستانی عوام میں بہت مقبول تھے جو کہ انہیں طویل عرصہ سے اپنا قاتل اعتماد ساتھ بھجتے چلے آ رہے تھے۔ القاعدہ کے خلاف کارروائی کرنا ایک چیز تھی؛ جبکہ طالبان کے ساتھ گرفتاری ایک اور ہی محاولہ تھا۔ طالبان کو سب سے زیادہ مقبولیت اپنے ساتھی، پشتو نوں میں حاصل تھی، اس حد تک کہ امریکہ اور شامی اتحاد کے یا ہم ایک کی ٹکست کا صوبہ مرحد میں اکتوبر 2002 میں منعقد ہونے والے صوبائی اکسلی کے انتخابات میں

شدید ردعمل دیکھنے میں آیا۔ جب یوائی نے جس کے مدرسی سے اتنے زیادہ طالباں نکل کر آئے تھے تو برسٹ فلچ حاصل کرتے ہوئے اپنی روایتی صوبائی حریف اور صوبے کی بڑی سیکولر جماعت عوامی نیشنل پارٹی کو بھری طرح رکیدہ للا۔ یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ جب یوائی کی نی صوبائی حکومت کو تو طالباں سے حاذ آرائی کرنے میں شرف سے بھی کم وجہی تھی۔

تاہم پاکستان کو تحریک دینے والا بیانی عضراً افغانستان کے متعصب کے حوالے سے لائق پریشان تھی۔ اگرچہ طالباں قابل بھروسہ ثابت نہیں ہوئے تھے، مگر وہ کم سے کم حلیف ضرور تھے۔ یہ بات شامل اتحاد کے کرین کے لئے نہیں کی جاسکتی تھی، جو اس وقت کا بہل میں اقتدار کے حزے لوٹ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے مخالفین پہلے پہل حکمت یا راور پھر طالباں کے لئے پاکستانی حمایت کے بعد کے طور پر افغان خان جنگی کے دوران اپنا سارا وزن اٹھایا کے پڑے میں زال دیا تھا۔ جب اٹھیا نے افغانستان میں جگہ ہاتے ہوئے اچھی خاصی تعداد میں اپنی موجودگی کا احساس دلانا شروع کر دیا تو پاکستان کی تھلات میں اضافہ ہونے لگا۔ انہوں نے نہ صرف کامل میں اپنا سفارت خانہ کھول لیا بلکہ وہ حکومت سے باہر بھی چاراہم صوبائی مرکز (جال) آباد، قندھار، هرات اور مزار شریف) میں اپنے قوصل خانے قائم کرنے تھے۔ وہ واحد و سر امکن جہاں اٹھیا نے اتنی تعداد میں سفارتی چکیاں قائم کی ہوئی تھیں امریکہ تھا۔ پاکستانیوں کا یقین تھا کہ اٹھیا قندھار میں اپنی سفارتی سرگرمیوں کے ذریعے بلوچستان کے ان باغی قبائل کو ادا فراہم کر رہا تھا جو اپنے علاقے میں قدرتی وسائل کی تقسیم پر طویل عرصے سے حکومت پاکستان کے ساتھ حالت بیگن میں تھے۔ افغانستان میں اچھی خاصی سفارتی سرگرمیوں کے ساتھ ہی بھارت نے مالی امداد کی چیزیں بھی کر دی جو کہ حقیقت میں ایک ارب ڈالر پر بھی کمی تھی۔ نائیں ایون کے واقعے کے اگلے برس بھارت نے افغانستان کو دس لاکھوں گندم عطیہ کر دی، جو کہ در لفڑی پر ڈرام کی تاریخ کا سب سے بڑا عطیہ تھا۔ اس کے بعد آنے والے کئی برسوں میں اس نے دہل سر زیکیں، بھل کے خار خانے، سیلانیت ٹرانسٹر زاویتی کے کامل میں پارلیمنٹ کی نئی عمارت بھی تعمیر کر کے دے دی۔ جہاں تک پاکستانیوں کا تعلق تھا، اس ساری بھارتی سخاوت کا واحد محکمہ محکمہ محکمہ پاکستان دیکھنی تھی۔ وہ افغانستان میں اپنے اثر و رسوخ میں اضافے کی چالیں چل رہے تھے اور ان کا سفارت خانہ اور چاروں قوصل خانے جا سوں کے گزدہ تھے۔

حامد کرزی کے افغان صدر کی حیثیت سے مظہر عام پر آنے سے بھی ان کے لئے امید کا کوئی سبب پیدا نہ ہو سکا۔ کرزی ایک نسلی پشتون تھا، یا ایک حقیقت تھی، اور اس کے ساتھ ہی ملک کے ایک بڑے پشتون قبیلے کا قائد بھی۔ قندھار سے تعلق رکھنے کی بناء پر وہ شروع میں طالبان کی حمایت کرتا رہا تھا مگر ان کے اندر القاعدہ کے بڑھتے ہوئے اثر و سوچ کی بناء پر ان کے خلاف ہو گیا تھا۔ افغانستان چھوڑ دینے پر مجبور ہو جانے کے بعد وہ پاکستان میں نشپاڑتے ہوئے بھی جلا وطن کی زندگی گزارنے لگا۔ وہاں بلوچستان کے دار الحکومت کوئٹہ میں 1999ء میں طالبان کے ایک تربیت یافتہ رکن نے اس کے باپ کو آئی ایس آئی ایمنیت معاہدات کے ساتھ، یا پھر یہ کرزی کا خیال تھا، موت کے لحاظ اتنا روایا تھا۔ اگرچہ اس نے خود کو قتل ہونے سے بچا لیا اور وہ زندہ بر سر کوئی میں قیام پذیر رہا، تاہم آئی ایس آئی کے ایک عہدیدار نے نائیں الیون سے پہنچنی عرصہ قبیل اس سے ملاقات کر کے ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ پاکستانی حکام اور کرزی کے درمیان ناپسندیدگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس پس مظہر میں اور اس کے ساتھ ہی دوسرے عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کوئی حیران کن امر نہیں ہے کہ پاکستان طالبان کا پڑستہ سنبھال کر رکھنا چاہتا تھا۔ ایک دن امریکہ افغانستان سے نکل جائے گا۔ اور امریکہ کو القاعدہ کے اہم رہنماؤں کی موجودگانے کے کام میں مدد ہے سے وہ دن جلد زدیک آجائے گا۔ مگر وہ اپنے اس طیف سے بہت زیاد وہ قابل ترجیح تھے جو ڈیورٹ لائن کے اس طرف تکمیل پار ہا تھا۔ مہتر بھی تھا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور مناسب دنوں کا انتظار کیا جائے۔

اس دوران امریکہ نے اس ساری صورتحال کو پہلے سے ہی اندازہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ میں نے اس کا پہلی مشاہدہ اس وقت کرنا شروع کر دیا تھا جب اکتوبر 2001ء میں امریکہ نے طالبان پر بم بر سانے شروع کر دیئے تھے۔ امریکی محلہ خارجہ میں نیٹو کے دفتر کے نئے ڈائریکٹر کے طور پر میں اس فوجی اتحاد کے پرسلز میں واقع ہیڈ کوارٹرز کا پہلا دورہ کرنے گیا تھا۔ وہاں تعینات اعلیٰ امریکی عہدیداروں سے ملا قدمی کرتے کرتے میں نے خود کو آخر کار امریکی مشیر دفاع گاہبراخھ کے دفتر میں پایا۔ سیاسی سفارش پر بھرتی ہونے والا یہ عہدیدار ریکن کے دور حکومت میں فرانس کا سفیر بھی رہا تھا۔ ایک بصورت و مگر معمول کی گفتگو کے اختتام پر اس نے ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہ نائیں الیون کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد واشنگٹن میں تھا اور ری ہبکیں

پارٹی میں خارجہ پالیسی امور کے سب سے باریوں میں اور رچڈ پول کی سرکردگی میں ہوتے والے اعلان میں شریک تھا۔ اگرچہ کالبرائخ نے اس کا ذکر نہیں کیا مگر میرے اندازے مطابق یہ غالباً اس وقت پول کی سربراہی میں ہونے والے ڈبلیوس پالیسی بورڈ کا اعلان تھا۔ کالبرائخ نے تیا کہ پول نے دلیل دیتے ہوئے کہا تھا کہ امریکہ کو نائن الیون کی صورت میں جو موافق ماتحتا اسے استعمال کرتے ہوئے عراق پر حملہ کر کے صدام حسین کا تختہ اللہ دینا چاہئے۔ وہ اس تجویز کے حوالے سے میر امکنہ نظر معلوم کرنا چاہتا تھا۔ مجھے یہ سن کر شدید حیرت و صدمہ کا احساس ہوا۔ مجھے نہ اذہن میں تھا کہ روپی ہمیں کے خارجہ پالیسی حلقوں میں عراق اس قدر راہیت اختیار کر چکا ہے۔ مگر چونکہ میں جارحانہ تجویزیں اپنائنا چاہتا تھا اس لئے میں نے سبکی جواب دیا کہ ہمیں کسی بھی اور جگہ پر حملہ کرنے سے پہلے افغانستان اور القاعدہ کا مسئلہ حل کر لینا چاہئے۔

لہذا جب بیش انتظامی نے قوم کو عراق کی جنگ کے بخارش بتانا شروع کر دیا تو مجھے زیادہ حیرت بھی نہیں ہوئی۔ مارچ 2003 میں جب جنگ شروع ہوئی تو یہ ایک طرح سے ہے صدمے اور رہیت کی صورتحال تھی اور امریکہ کی اس ملک کو جلدی سے آزاد کروادے دہان سے رخصت ہو جانے کی نامہ نہاد خود اعتمادی کا پرده چاک کرنی تھی۔ اب تو پارٹی کو اقتدار سے بے دخل کرنے کے لئے امریکہ نے ملک کے اندر نظم و نسق کا تقرر یا ہر شان جاہ کر کے رکھ دیا تھا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ ایک حسم کی ایسی انارکی صورت میں برآمد ہوا جو کہ القاعدہ کی طرح کی تکلیف اختیار کرتی ہوئی خطرناک بغاوت کے مظہر عالم پر آنے کے باعث اور بھی خطرناک ہو کر وہ بھی تھی۔ چنانچہ امریکہ کو مجبور ہو کرنے صرف ملک کا نظم و نسق سنبھال پڑے گیا بلکہ صورتحال کو مزید بھرنے سے بچانے کے لئے زیادہ فوجیں بھی ملک میں بھجوائی پڑیں۔ ایک برس کے اندر اندر عراق کے اندھے 130,000 فوجی موجود تھے جو کہ اصل محلے کے وقت استعمال ہونے والی فوج سے دو گنی تعداد تھی۔ یہ صورتحال افغانستان کے بالکل برعکس ڈرامائی صورتحال تھی، جہاں امریکہ صرف 15000 (پندرہ ہزار) فوجیوں کی معمولی کی تعداد سے کام چلا رہا تھا۔ اب عراق کے مرکزی اہمیت اختیار کر جانے کی بنا پر افغانستان فوجی اور خارجہ پالیسی کے تکمیلہ نظر سے پس پرود و منظر بن کر رہ گیا تھا۔

آپ ریشن اینڈ یونگ فریڈم کو جلد از جلد تکمیل کی طرف لے جانے کے لئے سیکر ڈری

دقائیق ڈنالڈ رمز فیلڈ نے اسی ماہ کامل کام تحریروں بھی کردala جس مادہ خداونے تھیا رہا اول دینے تھے تاکہ افغانستان میں بڑے پیلانے پر ہونے والی جگلی کارروائیوں کے خاتمے کا اعلان کر دے۔ ستم فروری تھی ہے کہ اس نے یہ اعلان میں اس وقت کیا جب طالبان اپنے قدم دوبارہ ہٹانے کی کوششوں کا آغاز کر رہے تھے۔ آخری مرتبہ صوبہ بلخ سے موژ سائیکل پر سوار ہو کر فرار ہوتے وقت دیکھا جائے والا ملا عمر پاکستان کے صوبے بلوچستان پہنچ گیا تھا جہاں اس نے کوئی کے لواح میں کوئی دوکان بھول لی تھی۔ اس کے ساتھ زندہ ہجج جانے والے بہت سے ساتھیوں نے بھی وہیں پناہ لے لی تھی یا پھر و شمال کی طرف تبلیغی علاقوں میں گئے تھے جہاں انہوں نے اپنی طاقت بحال کرنے کے لئے ازسرنوا کام شروع کر دیا تھا۔ اب وہ افغانستان واپس تحریک بیان کرنیں بلکہ باقی بن کر جا رہے تھے، اپنے ان جاہدین پیش روں کی طرح جنہوں نے، ان کی یادداشت کے مطابق، ایک نسل پہلے روپیوں کو مار بھگایا تھا۔ جنوب میں بہت سے طالبان بھی بکل کران کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔ جنوب میں بہت سے طالبان کمانڈروں نے ملیبرادر اور داد اللہ کی قیادت میں طالبان طاقت کے دوبارہ عروج کا عمل تیز کر دیا۔ مشرق میں طالبان کی کوششوں کا مرکز دھیمکم تھی جو بعد ازاں حقانی نیست ورک کے نام سے معروف ہوئی۔ شمال و زرخستان کے تبلیغی علاقوے میران شاہ سے ابھر کر سامنے آنے والے اس نیست ورک کی قیادت جلال الدین حقانی اور اس کے بیٹے سراج الدین کے پاس تھی۔ سو ویسے خالف جہاد کے دوران بڑے ہتھی کو ایک معروف جہادی کی حیثیت حاصل تھی جس کے مبنی لاون سے ذاتی تعلقات تھے۔ حزب اسلامی کے ایک اہم وہڑے کے اعلیٰ عہدے دار کے طور پر اس کے آئی میں آئی سے بھی قریبی روابط رہے تھے۔ افغان خان جگلی کے دوران اس نے دراصل وفاداری تبدیل کرتے ہوئے 1999 میں اس وقت طالبان کی طرفداری شروع کر دی تھی جب وہ پہلے ہی کامل کے دروازوں پر پہنچ چکے تھے۔ گلہدیر حکومت یا ر بھی ان کی صفوں میں شامل ہونے کے لئے پر قول رہا تھا۔ ایران میں جاہلی کے اختتام پر وہ واپس پاکستان پہنچ گیا تھا جہاں اس کے سابقہ طالبان کو گذشتہ لڑائی میں افرادی قوت کا تھسان پورا کرنے کے لئے تھی جہریوں کے حوالے سے کسی طرح کی ہٹکل کام منائیں تھیں تھا۔ یہاں پختون قوم پرستی کی ایک نمایاں خصوصیت کام کرتی نظر آ رہی تھی، کیونکہ تی کرزی حکومت اور جنی تیار شدہ فوج میں فاتح قومی اتحاد (نیشنل الائنس) سے تعلق رکھنے والے نسلی ناجک اور ازبک

باشدوں کی اکثریت تھی۔ جیسے یہ مفترق طاقتوں پر مشتمل ان کی طالبان جمادیوں نے ڈیورڈ لائن کے اس طرف واپسی کا سفر شروع کیا تو اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ پاکستان کی طرف سے انہیں روکنے کی کوئی کوشش کی تھی۔

طالبان کے دوبارہ حمودار ہونے کے باوجودہ، امریکہ کی توجہ بھی زیادہ تر القاعدہ پر مرکوز تھی۔ واشنگٹن القاعدہ کے خلاف تعاون کرنے پر پاکستان کا بے حد مخلوق تھا مگر خالد شیخ محمد کی گرفتاری کے ساتھ ای پاکستان کے شہری علاقوں میں گرفتاری کے لئے دستیاب القاعدہ کے اعلیٰ عہدیداروں کی رسدا کا سرچہرہ بنتک ہونے کے قرب تھا۔ سب سے بڑی بھلی، اسماء بن لاون ابھی تک مفروہ، غالباً کہیں تباٹی علاقوں میں چھپا ہوا تھا۔ اور یہ امر باعث نہ اس تھا۔ کسی کو بھی یقینی طور پر جو علم تھا وہ القاعدہ کی بیان بڑے یا نے پر موجود ہو گئی تھی۔ یہ صرف مخصوص عرب جمادیوں پر مشتمل طبقہ تک محدود تھی بلکہ اس میں وہ بیرونی جہاوی بھی آجاتے تھے جو نا ان ایون سے قتل طالبان کے شانہ بشانہ ان کے ساتھ لڑنے افغانستان آئے ہوئے تھے۔ ان میں انجمناء پندرا اسلامک مومنت آف از بکستان (AlM) سے شلک از بک جمادیوں کے علاوہ مخصوص تھپن جہاوی اور جنی کریمین کے صوبے زنجیاگ سے یونگھر زباشدوں کی مختصر تعداد بھی شامل تھی۔ پاکستان میں جلد ہی ان کو بحیثیت جموعی غیر ملکی جمادیوں کا خطاب دے دیا گیا۔ القاعدہ کے اعلیٰ عہدیداروں کے برلنکس جو کہ پاکستان کے شہری علاقوں میں روپوٹن ہوتے پھر رہتے تھے، یہ جہاوی فرار ہو کر تباٹی علاقوں میں چلے گئے تھے اور وہیں غیرہ رہے رہے۔ اگرچہ ان کی وہاں موجودگی کوئی اتنا بڑا راز نہیں تھا، مگر پاکستان نے ان کا کوئی بندوبست کرنے کے بارے میں سوچا تک ہی نہیں تھا۔ تباٹی علاقوں میں القاعدہ کا بھی کوئی ایک اعلیٰ عہدیدار بھی گرفتار نہیں کیا گیا تھا۔ یہ حقیقت واشنگٹن کے لئے مسلسل ٹکرے پر بیٹھنی کا باعث نہیں جا رہی تھی۔ اسماء بن لاون کو پکڑنے میں ناکامی پر انجامی مایوسی اور بچھپا ہٹ کے ساتھ تھی پاکستان کی سر زمین پر القاعدہ کی سچی سالم حالت میں موجودگی سے بیزاری کا شکار ہو کر امریکہ نے اسلام آباد پر کارروائی کرنے کے لئے دباؤ بڑھانا شروع کر دیا۔

پاکستان اس حوالے سے کوئی کارروائی کرنے میں سخت بچھپا ہٹ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ تاہم وہ امریکہ سے اپنے تعلقات خراب کرنے کا خطرہ بھی مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ کیونکہ ان

تعلقات کا فائدہ اسے پہلے ہی قرضوں کی بڑے پیانے پر معافی اور تین ارب ڈالر کی اقتصادی و فوجی امداد کے وعدے کی صورت میں مل چکا تھا۔ اسلام آباد میں بیٹھے مقنودر حکتوں کو یہ خوف بھی لاحق تھا کہ امریکہ کبھی خودا پہنچنے پر طور پر کارروائی کرنے کا فیصلہ نہ کر دے۔ احمد شید کا خیال تھا کہ کولن پاؤل نے پہلے دراصل اس طرح کی حوصلی دی بھی تھی، تاہم امریکہ کے ساتھ معاہلات طے کرنے کا طویل تجوہ پر رکھنے والے ایک سابقہ اعلیٰ پاکستانی عہدیدار نے اس کی تردید کرتے ہوئے بھیجے تھا کہ امریکہ اس طرح کے طرزِ عمل کا مظاہرہ نہیں کرتا۔ میراپنا بھی یہ تجوہ تھا۔ امریکہ پاکستان کو کم یا زیادہ وضاحت کے ساتھ اپنا لامحٹل چیل کرنے کے ساتھ ہی اس پر کارکروگی دکھانے کے حوالے سے دباؤ بھی ذات رہتا۔ یا اب پاکستان کے اپنے ہی تصور پر محصر تھا کہ وہ اس امر کا حصہ کرتا کہ ایسا کرنے میں ناکامی کی صورت میں تباہی برآمد ہو سکتے ہے۔ اس مثال میں پاکستان کو یہ خوف تھا کہ قبائلی علاقوں میں امریکہ کی طرف سے کسی بھی قسم کی یک طرف کارروائی کی صورت میں عموم کے اندر اشتعال پھیل سکتا ہے اور یوں مشرف حکومت کی مقبولیت کو دچکا لگ جائے گا۔ یہ مشکل ہی درست نظر یہ تھا۔ پاکستان کے قیام کے ساتھی کشمیر سے محرومی کے بعد پاکستانی عموم کے ذہنوں میں یہ تھادیا گیا ہے ان کی سرزی میں کے حوالے سے بھارت کے عزائم اچھے نہیں۔ بھی وجہ ہے کہ وہ اپنی بھلی خود بھاری اور سرحدوں کی مکمل خلاف ورزی کے حوالے سے بہت حساس ہن گئے ہیں۔ یہ خدشات بعد ازاں اس وقت درست ثابت ہو گئے جب قبائلی علاقوں میں امریکہ کے پری وزیر میر اکمل حملوں کا تیجہ اسی روڈل کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تاہم مشرف نے بعد ازاں قبائلی علاقوں میں القاعدہ کے خلاف خود اپنی ذاتی وجوہات کے چیل نظر کارروائی کا حصہ فیصلہ کر لیا: اسی حکم نے اس پر قابضانہ حملہ کیا تھا۔

مارچ 2001 میں پاکستان نے آخر کار خودا پہنچنے پر طور پر کارروائی کا آغاز کر دیا۔ فریضہ کور کے مقامی دستوں نے جنوبی وزیرستان میں کلوش کے مقام پر طالبان کے ایسے مٹکوں نمکانے کا حصارہ کرنے کے بعد اس پر حملہ کر دیا تھا جس کے ہارے میں انہیں بیٹھن تھا کہ اس میں القاعدہ کے جہادی اور دوسرے غیر ملکی عناصر پچھے ہوئے تھے۔ یہ حملہ کوئی آسانی آفت نہیں تھی جو اچاک نازل ہو گئی تھی۔ پاکستانی حکام نے محلے سے ایک ماہیں ہی مقامی قبائلی رہنماؤں کو آگاہ کر دیا تھا کہ وہ علاقے میں القاعدہ کے خلاف ایک عدد ”ذخوڑا اور گھیرہ“ قسم کی کارروائی شروع کرنے کا

ارادہ رکھتے ہیں۔ بدستور سے بہت ناقص طور پر تربیت یافتہ فرنٹنگر کو کے جوان جنہیں کلوش آپریشن کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ ایک ایسے مقام کی طرف چلیں قدمی کر پہنچے جو حاصل میں خالقین کی طرف سے جال کے طور پر استعمال کیا ہے رہا تھا اور یوں انہیں شدید جانی لفڑان سے دو چار ہونا پڑ گیا۔ چنانچہ ہر یہ کمک طلب کر لی گئی اور یوں 700 کی ابتدائی فزی میں اضافہ ہوتے ہوتے یہ تعداد 7000 تک جا پہنچی۔ اگرچہ پاکستان آخر کار اس ٹھکانے کا محاصرہ کر کے اسے چاہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر اس کے درمیں میں پاکستانی فوج کے ڈلوں اور علات میں واقع دورہ از چوکیوں پر حملے ہونا شروع ہو گئے۔ فرنٹنگر کو کے بے شمار فوجی دستوں نے میدان جنگ چھوڑ دیا کیونکہ وہ اپنے پشتون بھائیوں سے لڑنے میں بچکچاہت محسوس کر رہے تھے۔

سودے بازی میں تو فوج سے زیادہ فائدہ حاصل کر کے اور اس خدشے کے پیش نظر کر صورت حال قابو سے باہر ہو سکتی ہے پاکستان نے معاملے کی پیش کش کر دی۔ ان کے درمیان مکالمہ کر رہا تھا والا بھی ایک پاکستانی تھا۔ اس کا نام نیک محمد تھا اور وہ طالبان چہادیوں کا قائد تھا۔ فرنٹنگر کو نے کلوش میں جہاں حملہ کیا تھا وہ اس کی رہائش کا احاطہ ہی تھا۔ لڑائی کے دوران اس نے جس جرأت کا مظاہرہ کیا تھا اور جس طرح آئی ایک بیوی کے قائد ظاہر میڈاشیف کو پاکستانی فوجی چوکیوں سے پچاٹے ہوئے مخفوظ مقام پر پہنچا دیا تھا، اس کی بناء پر اسے پہلے ہی بہت شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ بعد ازاں ٹکنی ناہی ایک قریبی دیہات میں پاکستانی حکام اور اس کے درمیان جس معاہدے پر اتفاق رائے ہوا اس سے اس کی شہرت و سماں کو ہر یہ انتظام حاصل ہو گیا۔ فوج نے القاعدہ کے جنگجوں کا احتفاظ کرنے کی کوشش کے خاتمے اور اپنے دستوں کو بیرون تک محدود رکھنے پر رضا مندی ظاہر کر دی۔ اس کے بدلتے نیک محمد نے مخفوظ فوجوں پر حملہ کرنے کے فرار ہو جانے کی کارروایاں روک دینے کے ساتھ ہی اس امر کی یقین دہانی بھی کروادی کہ اس کی پناہ میں موجود غیرملکی چہادیوں کو مقامی حکام کے ساتھ جہڑا کر دیا جائے گا۔

ٹکنی کا معاہدہ پاکستان کی طرف سے ایک نہایاں پہاڑی کی علامت تھا اور نیک محمد کی فوج تصور کیا گیا۔ یہ حقیقت کو فوج نے اس دیوبندی مسجد میں نذر اکرات منعقد کرنے پر آمد گئی ظاہر کر دی تھی جس میں طالبان عبادت کرتے تھے ایک بڑی رعایت تصور کی گئی۔ نیک محمد کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ فوج کے جذبے سے سرشار ہو جانے کے بعد اس نے اپنے غیرملکی

سامنہ ہوں کو جزیریں کے لئے پیش کرنے کی کوئی کوشش نہ کی اور یوں فوج نے شرمندگی و گھبراہت کے احساس کے تحت تلاش کرنے اور گھبراڈائی کی کوششوں میں چار ہاتھ تیزی کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ مزید تصادموں کی صورت میں لکھا۔ یہاں طرح ثبوت کردہ جانے والے معاہدوں میں سے پہلا معاہدہ ٹابت ہوا۔ چند ماہ بعد نیک محمد ایک ایسے حلے میں مار گیا جو بعد ازاں پاکستان میں امریکہ کے پری ذمیر میراں کا ولین عملہ ٹابت ہوا۔ اس وقت پاکستان نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ کارنامہ ان کی اپنی فضائیے کے طیارے نے سراجام دیا تھا۔ اس کی اس بے مکمل تحریک یہ نظر آتی ہے کہ امریکہ نے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر نیک محمد کو تلاش کرنے میں اس کی مدد کی جائے تو وہ اسے خود ہی نشانہ بنادے گا۔ پاکستان اس پر رضا مند ہو گیا مگر اس کا اصرار تھا امریکہ اس کا رائی میں ملوث ہونے کی تشبیہیں کرے گا۔ قبائلی علاقوں میں القاعدہ کے چادیوں کو جن جن کردا ہے کی کوششوں کے دوبارہ آغاز کے فیصلے سے حوصلہ فراہمی پا کر اور امریکہ کو پاکستان کی سرمذیں پر پڑی ذمیر میراں کے حلے کی اجازت پر بڑے آرام سے رضا مند ہو گیا۔ ایک اور مثال قائم کردی گئی تھی۔ جہاں تک نیک محمد کا تعلق ہے اگرچہ ہوتے کہہ میں جا چکا تھا مگر اس کے چھوڑے ہوئے نتوں درپر ثابت ہوتے نظر آ رہے تھے۔ اس نے ایک اسکی طاقت کی بنیاد رکھوئی تھی جو بعد ازاں طالبان کے نام سے معروف ہوئی۔

اس کے بعد دوسرا اہم طالبانی قائد جو مظہر عام پر آیا وہ بیت اللہ محمود تھا۔ جنوبی وزیرستان کے شہل میں آباد محسود قبیلے کا رکن، یہ وہ شخص تھا جس نے اپنے پیروں سے بھی زیادہ بدنام زمانہ کارنا سے سراجام دیئے تھے مگر جس کی زندگی کا انجام بالکل اسی طرح ہی ہوا۔ اس نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز تقریباً اسی جگہ کیا تھا جہاں نیک محمد نے اختتام کیا تھا، یعنی القاعدہ کے ارکان اور دوسرے غیرے ملکی چادیوں کو پناہ دینے کے ساتھ ہی ان کی تلاش کرتی ہوئی پاکستانی فوج کے ساتھ وفا فتا جھڑپیں کرنا۔ فوج کے لئے یہ سب کچھ پرانی کارروائیوں کا نئے سرے سے اعادہ تھا۔ تصادم کی کارروائیاں جاری رکھنے یا نئے فوجی دستے روشن کرنے میں پچھاہت کے باعث اس نے ٹکنی کی مثال کو پھر سے دھرا نے کا فیصلہ کرنے ہوئے اس کے ساتھ ایک نئے معاہدے کی کوشش شروع کر دی۔ اس معاہدے کے تحت جس پر کوشش معاہدے کے تقریباً ایک برس بعد، فروری 2005ء میں دھنلا کے گئے تھے، پاکستان جنوبی وزیرستان سے اپنی باقاعدہ فوج کو نکالنے کے

ساتھ ہی فریجیگر کو کو اس کے سرکاری ملکاں تک محدود رکھنے پر رضامند ہو گیا تھا۔ محمود نے بھی فوجی مقاموں اور چوکوں پر حملے روکنے اور اس کے ساتھ ہی غیر ملکی جہادیوں کو پناہ دینے پر رضا مندی ظاہر ماندی ظاہر کر دی تھی۔ پاکستانی حکام کو غالباً ایسی کوئی خوش نہیں تھی کہ محمود القاعدہ کے حوالے سے کئے گئے وعدے پر کار بند رہے گا اور اسی لئے اپنے ہی فوجی وسٹوں کو بیرون تک محدود رکھنے کے وعدے پر تیار ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اس پر عملدرآمد کے کسی بھی طریقہ کار کی تجویز نہیں کی۔ جیسا کہ یہ محدث کے ساتھ گزشتہ معاہدے سے ظاہر ہوتا تھا، ان کا مقصود صرف اور صرف لاٹالی کا خاتمہ کرنا تھا۔ تاہم اس کا انہیں کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا، فوج کی طرف سے کسی بھی قوم کی مخالفت کی عدم موجودگی میں محمود نے جنوبی وزیرستان کے اکثر ملکاں پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ جو بھی تبلیغی رہنمائی سے روکنے کی کوشش کرنا اسے ملکا نے لگادیا جاتا اور اس کے ساتھ ہی اس نے طالبان طرز کا خام انصاف بھی متعارف کر دیا۔ جون 2005ء میں اس نے آخر کار فوج کے ساتھ اپنے معاہدے کو تکمیل طور پر بالائے طاق رکھتے ہوئے سرکاری فوجوں پر ملکوں کا دوبارہ آغاز کر دیا۔

اس دوران تبلیغی علاقے کے دیگر حصوں میں اس اس کے ساتھ ہی صوبہ سرحد کی وادی و سوات میں بھی اس کی مثالی کی پیدا ہوئی کی جانے لگی۔ حافظ گل بہادر نے شمالی وزیرستان میں حقول نیست ورک کے زیر انتظام علاقے کے اندر ہی پاکستانی طالبان کے نام سے ایک تکمیل قائم کر ذاتی تھی۔ یہ محدث کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے مولوی نذری نے محمود کی کمان وائے علاقے کے میں جنوب میں جنوبی وزیرستان کے ایک علاقے میں اپنی ایک نئی تکمیل تکمیل دے دی۔ با جوڑ میں سبی کام فتحی محمد نے کیا اور ملا فضل اللہ نے جو سوات میں تین ایس ایس کے رہنماء کے طور پر اپنے قید کی سزا بھکتے والے شر صوفی محمد کا جائشیں بننے میں کامیاب ہو گیا تھا، پاکستانی طالبان کی طرز پر اس تکمیل کو دوبارہ بحال کرنے کا کام شروع کر دیا۔ اگرچہ درج بالا کا شمار اس عرصے کے دوران مظفر عالم پر آنے والے انتہائی اہم پاکستانی طالبان رہنماؤں میں ہوتا ہے، مگر ان کے مقابلے میں دوسرے ایسے رہنماء بھی موجود تھے جو باقی ماندہ تبلیغی علاقے کے اکثر حصوں میں چھوٹی یا فراہم تکمیلیں چلا رہے تھے۔ شروع شروع میں وجود میں آنے والی ایسی اکثر تکمیلیں خود مختار تھیں کہ ایسے گروپ تھے جن کے مقاصد صرف اپنے ملکوں تک محدود تھے۔ تاہم اس حوالے سے فتحی محمد کو

اسٹولی حاصل تھا۔ ایک نوجوان کے طور پر وہی این ایس ایم کے رہنماؤں محمد کا یہ وکار رہا تھا اور سو سال میں کافی وقت گزار چکا تھا۔ بعض مثالوں میں نے پاکستانی طالبان کے حرکت میں آئے کی وجہ وہی حرکات تھے جنہوں نے نیک محمد کو اس راہ پر ڈالا تھا۔ فوج ان کی پناہ میں موجود القاعدہ کے چہار بیویوں کی خلاش میں لکھی تھی اور انہوں نے فوج کی اس کوشش کی مراحت کی تھی۔ بعض تو یقیناً جو پی و وزیرستان میں نیک محمد اور بیت اللہ محسود کی کامیابیوں سے اتنے متاثر تھے کہ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں بالکل انجی کی طرح بننے کی امید کے ساتھ سرگرمیاں شروع کر دی تھیں۔

یہ پاکستانی طالبان بہت سخت قسم کے ہججو تھے اور افغان خانہ جنگی کے طویل تجربے کے ساتھ یہ القاعدہ کے چہار بیویوں اور دوسرے غیر ملکی بیاندیں کی مدد حاصل ہونے کی بنا پر ان کو اپنے علاقوں کا انتظامی کنٹرول روانی قبائلی سرداروں سے چھین کر اپنے ہاتھ میں لینے کا فن آتا تھا۔ قبائلی علاقوں کے مدرسوں سے نکلنے والے طلباء جو چند برس قبل افغانستان میں طالبان کی صفوں میں شمولیت کرنے کے لئے نکل پڑتے، اب ان کے ہمندے تھے جن ہو رہے تھے۔ اور سبکی کچھ جو جسٹی محمد کی طرح کی ہبجا ب سے ابھرنے والی تھیموں کے تاریخ کارنوں نے کیا، جن کی اکثریت نے پاکستان کے شہری علاقوں میں پہلے سے اسی القاعدہ کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا تھا تاکہ نہ کہیں ایون کے فوراً بعد اگلے برس مغربی ایسااف اور پاکستانی حکام کو نشانہ ہانے کے لئے شروع کی جانے والی کارروائیوں میں ان کی مدد کر سکیں۔ اس امر کا امکان بھی لگتا ہے کہ ان تھیموں کی تکمیل میں القاعدہ کی حوصلہ افزائی نے اہم کردار ادا کیا ہو گا۔ القاعدہ کی قیادت کا پاکستانی حکومت کی طرف سے ان کو جز سے اکھاڑ پھیک دینے کی کوششوں کی مراحت سے دصرف ذاتی معاوضہ است تھا بلکہ اس کے خیال میں افغانستان پر دوبارہ اپنا تسلط قائم کرنے تک قبائلی علاقے ان کے لئے مجبوری بن چکے تھے کیونکہ اس کے علاوہ انہیں کہیں اور بناہ ملنی مشکل تھی۔ ان کی حوصلہ افزائی کے کامیاب نتائج برآمد ہوئے کیونکہ جب ریاست اور القاعدہ کے درمیان چناؤ کا وقت آیا تو، بہت سے پاکستانی طالبان نے بالکل وہی فیصلہ کیا اس سے قبل ان کے چنانی دیوبندی بھائیوں نے کیا تھا۔ یعنی القاعدہ کی رفاقت میں ریاست کے خلاف بیکٹ۔

ان مختلف تھیموں کی مشترک خصوصیت ان کی پاکستانی قومیت تھی۔ پاکستانی فوج نے

بظاہر افغان طالبان کو پاکستان کے اندر بیگنا و تجا چھڑ دیا تھا۔ اس ذیل میں نہ صرف ملا عمر آجاتا تھا جو کہ اپنے اعلیٰ عہدیداروں کے ساتھ جنہیں بحدشیں کوئی شوریٰ کا نام دیا گیا تھا، بلکہ پاکستان کے اپنے آبائی علاقے میں مقیم تھا، بلکہ تمدنی وزیرستان کے علاقے میراس شاد میں صدر دفاتر قائم کرنے والا حلقی نیست ورک بھی شامل تھا۔ اسی طرح تباگی علاقوں میں اپنی کمین گاہ قائم کرنے والے ٹلبڈین حکمت یار کوئی اکیلا چھور دیا گیا تھا۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ افغان طالبان کے زیر انتظام آنے والے علاقوں میں القاعدہ کے کوئی ارکان موجود نہیں تھے۔ ان کی موجودگی قائم اور ابھی بھی نہیں ہے، تاہم اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ وہاں پاکستانی فوج نے حقی نیست ورک یا حکمت یار کے خلاف کبھی کوئی کارروائی کی ہو۔ فوج نے حتیٰ کہ، میراس شاد میں فتحیگز کو کی ایک چوکی بھی قائم رکھی ہوئی ہے جس کے عملے اور حلقی نیست ورک کے درمیان بڑے گہرے اور بے تکلف نہ مراہم ہیں۔ یہ وہی چوکی ہے جہاں سے نیویارک ناگزیر کا نمائندہ ڈیوڈ روحمن 2005 میں خود کو جلال الدین حوالی کے اس بنیت کی قید سے چھڑا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا جس نے اس کو مرک کے کنارے کسی جگہ بیٹھا بنا کر چاہا تھا۔ پاکستان القاعدہ کے چاروں پر حمل صرف اور صرف پاکستانی طالبان کے تحفظ کی چھتری کے پیچے رہ کر کرتا نظر آتا ہے، ایسا پہلا حملہ گلوشنہ پر کیا گیا تھا، اس لئے نہیں کہ اس میں ملوث طالبان پاکستانی تھے بلکہ اس لئے کہ وہ افغانی نہیں تھے۔ اس راز کی تہہ تک پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ پاکستان نے افغان طالبان کو صرف اس لئے اکیلانہیں چھوڑا کر ان کے نزدیک انہوں نے مختلف میں افغانستان میں کوئی کروڑ اواکرنا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ وہ ان کی نگست کے نتائج کا سامنا کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہئے تھے۔ اگر افغان طالبان مظفر سے اچاک ہی غالب ہو جاتے تو امریکہ تقریباً یقینی طور پر افغانستان سے کلچکا ہوتا اور یوں اٹھیا اس جگہ پر ایک غالب ہر ولی طاقت کی حیثیت سے اپنے قدم ہمالیتا چھے کہ وہ پہلے ہی ایک خاص انسان افغان ریاست سمجھتے تھے۔

پاکستانی ناظر سے دیکھا جائے تو پاکستانی طالبان سے ہاتھ پالی ایک بدترین صورت حال میں بہترین ترجیح تھی۔ القاعدہ کی طالش میں آخر کار قباگی علاقوں کی طرف پیش قدمی کر کے انہوں نے امریکہ پر یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ اپنی کارکردگی دکھانے میں واقعی تجید ہے۔ وہ طالبان کے ساتھ کلر لے کر بھی امریکہ کی نظروں میں اپنا تاثر بہتر بنا رہے تھے کیونکہ افغانستان میں طالبان کی

بڑھتی ہوئی باغیانہ سرگرمیوں کی بناء پر وہاں موجود امریکی فوجی خطرات کی زد میں تھے۔ اگرچہ یہ درست تھا کہ وہ پاکستانی طالبان کے تعاقب میں شکار افغان و رائجی کو ایک جانب رکھ دیا گیا تھا۔ وقت کے اس موڑ پر اس امر پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ امریکہ اس تفریق یا پارکی سے آگاہ تھا۔ علاوہ ازیں اگرچہ پاکستان صرف پاکستانی طالبان کو ای نشانہ بنا رہا تھا، مگر یہ حقیقت کہ بعض طالبان طاقتیں قبائلی علاقوں میں پاکستانی فوج کے خلاف صاف آ رہیں، اس امر کی جانب اشارہ کرتی نظر آتی تھی کہ وہ افغانستان میں امریکی فوجوں کے خلاف نہیں لڑ رہے تھے۔ اور اس کے لئے امریکہ کو شکر گزار ہونا چاہئے تھا۔

اگرچہ قبائلی علاقوں میں ہونے والی بڑائی کا بدق افغان طالبان نہیں تھے مگر اس کی وجہ سے ان کی زندگی پھر بھی اچیرن ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے نتیجے میں وہ طاقتیں کمزور ہوتی جا رہی تھیں جو بصورت دیگر افغانستان میں لڑ رہی ہوتیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس بات پر بھی پاکستان سے ناراض تھے کہ اس نے قبائلی علاقوں میں اپنی فوجیں داخل ہی کیوں کی تھیں، تاہم وہ کسی طرح سے بھی مراحت کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھے کیونکہ پاکستان کی طرف سے ان کی وہاں اور بلوچستان و نوں بھیوں پر موجودگی کو برداشت کرنا اس لئے بھی اہم تھا کہ اس طرح وہ افغانستان میں پکھنے کو کرنے کے قابل ترہ گئے تھے۔ یہ ممکن ہے بلکہ تینی امکان ہے کہ آئی المیں آئی نہیں پہلے ہی اس امر کی یقین دہائی کر دی ہو کہ جب تک وہ اس علاقے میں چاری جنگ سے دور رہے ہیں انہیں خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اس حقیقت سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ ان کے پاکستانی طالبان ساتھی فوج کے ساتھ اس لئے مجاز آرام ہیں تاکہ القاعدہ کو تحفظ فراہم کیا جاسکے۔ تاہم اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ انہیوں نے پاکستانی طالبان کی بھی حوصلہ افغانی کی ہو کر وہ اپنے عرب مہمانوں یا اپنی مصیون میں موجود غیرملکی چاہیدین کے ساتھ تصادم کرتے رہے تھے۔ ان کی وجہ سے چونکہ افغانستان ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا اس لئے وہ انہیں چھوڑ دینے پر آمادہ نہیں تھے کہ وہ پھر واپس وہیں پہنچ جائیں۔

تاہم افغان طالبان کا سب سے عظیم خدا اسی میں تھا کہ قبائلی علاقوں میں چاری جنگ اپنے اختتام کو پہنچ جائے۔ جون 2008ء میں سراج الدین حقانی جو کہ نیٹ ورک کے روز مرہ معاملات کی اگرانی کے حوالے سے اپنے باپ کا جانشین ہیں چکا تھا، خود اتنی طور پر ملوث ہو گیا۔ وہ

اصحام کے ان واقعات کے جواب میں تحریر ہوتا نظر آ رہا تھا جو خود اس کے اپنے علاقے میں فوج اور حادثوں کے وقار اور جنگجوں کے درمیان تھیں آ رہے تھے اس نے ایک اعلاءیہ جاری کر دیا تھا جس کے مطابق اگرچہ افغانستان میں جاری جہاد "خون کے آخری قطرے تک" جاری رہنا چاہیے تھا مگر پاکستانی فوج کے خلاف جنگ "طالبان کی پالیسی سے مطابقت نہیں رکھتی تھی" بیت اللہ محمد نے اس پر بظاہر ثابت رو عمل کا اعلیماً کرتے ہوئے فوج کے ساتھ اپنی جنگ بندی کی حکمت عملی کا ازسرنو اعادہ کر دیا۔ جنوبی وزیرستان میں مولوی نذیر اور شاہی وزیرستان میں لگل بہادر نے اسی طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا۔ مومن الرد کر جنگ بندی نے شاہی وزیرستان کے اس امن معاہدے کی راہ ہمواری کی تھی جس پر تحریر میں عملدرآمد کیا گیا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ معاہدوں میں ہوا تھا، فوج ایک مرتبہ پھر اپنی جارحانہ غیران سرگرمیوں کو روکنے اور خود کو ہر کوں تک محدود رکھنے پر آمادہ ہو گئی تھی۔ جواب میں پاکستان طالبان نے فوج کے اوپر حملہ روک دینے اور سرحد پار افغانستان کے اندر روانیوں سے باز رہنے کی یقینی دہلی کروادی تھی۔ القاعدہ جہادیوں اور دوسرے غیرملکی جنگجوں کو شاہی وزیرستان چھوڑ دینے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ تاہم ایک الگ حق بھی رکھی تھی کہ: جو بھی نکل جانے کے قابل نہیں تھے وہ اس وقت تک بیہاں قیام کر سکتے تھے جب تک کہ ان کی سرگرمیاں پر امن اور معاہدے کی شرائیاکی پاسداری جاری رہتی۔

یہ انداز و لگنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ پاکستانی حکام کو یہ معاہدہ کیوں پسند تھا۔ اس میں اصادم قائم کرنے کا اعلان کر دیا گیا تھا کیونکہ فوج اور حمام دونوں ہی اسے ناپسندیدیگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ القاعدہ کے جہادیوں کا تعقب اور چیزیں، مگر طالبان نائں الیون سے بھی پہلے کے حلیف تھے۔ پاکستانی طالبان بھی ہم طن لوگ تھے، یعنی ایک ایسی حقیقت جس کے باعث صورتحال اور بھی بدتر ہو گئی تھی۔ اور اس سے بھی بدتر اس لئے کیونکہ یہ جنگ امریکہ کے ایمان پر لڑی جاری تھی اور طالبان کے ساتھ ہی القاعدہ کو بھی پاکستانی سر زمین پر دھکیلے کی ذمہ داری اسی ملک پر ہی عائد ہوتی تھی۔ یہ لکھتے بہت کم لوگوں نے ڈھن نشیں رکھنے کی کوشش کی تھی کہ یہ طالبان کو پاکستان کی طرف سے امداد و تعاون فراہم کرنے اور طالبان کی طرف سے نائین الیون کے مجرموں کو تحفظ فراہم کرنے کا نتیجہ ہی تھا۔ جیسے چیزے نائین الیون قصہ پار یہ دنہا جارہا تھا، ویسے دیسے دہشت گردی کی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینے والی طاقتیوں کی مقبولیت کا گراف تیزی سے نیچے گرتا جا

رباخا اور اس کے ساتھی اس شخص کی مقبولیت بھی جو اس حوالے سے تعاون کرنے میں پیش ہوئیں رہا تھا، یعنی پروردہ مشرف۔ اسے سیاسی تائید و تعاون کی اشد ضرورت تھی اور پاکستانی طالبان کے ساتھ اس معاہدے ہی اس کی خانست دے سکتے تھے۔ آنے والے مارچ میں با جوڑ میں فقیر محمد کے ساتھ اسی طرح کامعاہدہ کرنے کے ساتھ ہی ان معاہدوں کا سلسلہ پایہ تھکیل تک پہنچ گیا اور قیائلی علاقوں میں نیپٹا امن ہو گیا۔ مگر اس کی قیمت بھی چکانی تھی۔ یہ علاقہ بڑے موثر انداز میں حکومت پاکستان کے قابو سے باہر لکل چکا تھا۔ اب اس کا انتظام طالبان کے ہاتھوں میں تھا۔

امریکہ نے پہلے پہل شانی وزیرستان معاہدے کی حمایت کی تھی۔ صدر بیش نے اس پر فریقین کے دھنخٹ ہو جانے کے وہ خفجت بعد مشرف کے ساتھ کی جانے والی مشترکہ پریس کانفرنس میں خود بھی اس کی توہین کر دی تھی سایہا کرنے کی ظاہری وجہ غالباً اپنے مہمان کی قدر افواہی کرننے ہو سکتی تھی کیونکہ یہ یقین کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ امریکی حکومت میں کسی کو اس سے مثبت نہیں ہو رہا۔ ہونے کی توقع ہوئی ہو گی۔ افغانستان میں سرایت کر جانے پر پابندی کا انحصار صرف اور صرف طالبان کی نیک نیک پر تھا۔ اس حوالے سے عملدرآمد کا کوئی طریق کامعاہدے میں موجود نہیں تھا اور اصل مجرم یعنی افغان طالبان اس معاہدے میں شریک نہیں تھے۔ القاعدہ اور دوسرے غیر ملکی بھگجوں کے حوالے سے موجود نہیں اور بھی زیادہ سرزوں کا باعث تھی۔ اس کے مطابق انہیں شانی وزیرستان چھوڑنے کا حکم تو دے دیا گیا تھا، تاہم ساتھ یہ چھوٹ بھی موجود تھی کہ اگر وہ دوسرے طرز عمل کا مظاہرہ کریں تو وہاں قیام کر سکتے تھے۔ مگر امریکہ ایسے معاہدے کی ظاہری حمایت پر بھی کیوں آمادہ تھا؟ اس کی ایک ممکن وضاحت تو یہ ہے کہ دونوں فرقیں اس امر پر تلقن ہو چکے تھے کہ قیائلی علاقوں میں القاعدہ کے چہار بیوں کو آمادہ کرنے کے درست طریقے اپنائے جائیں۔ گزشتہ برس امریکہ نے وہاں القاعدہ کے اہم ترین ملکانوں کو دو مرتبہ پری ڈیپریمیٹر انکوں کا شانہ بنایا تھا، ایک مرتبہ نومبر 2005 میں اور دوسری مرتبہ جنوری 2006 میں۔ پہلے کامیاب حلے میں ابو جہڑہ رائیخ کو شانہ بنایا گیا تھا جو کہ اس وقت القاعدہ کی تیسری اہم شخصیت تھی۔ دوسرا شانہ ایمن اللہواہری تھا جو کہ القاعدہ میں دوسرے نمبر پر تھا۔ اس کوشش میں ایک رہائش گاہ کے احاطے کو شانہ بنایا گیا جس میں کم سے کم انحصار، افراد ہلاک ہو گئے تھے جن میں کہ ہوتیں اور پچھے بھی شامل تھے۔ غالباً اطلاعات کی فراہمی یا پھر بدعتی کے باعث اللہواہری اس وقت وہاں موجود نہیں تھا اگرچہ مرنے

والوں میں دو نچلے درجے کے القاعدہ عہد یاد ران شامل تھے۔ یہ حملہ جس کا امریکہ نے اعتراف کیا تھا کہ اس کی طرف سے کیا گیا تھا، پاکستان میں ابھی خاصے اشتغال کا باعث بن گیا، جنہیں اس لئے نہیں کہ اس میں مخصوص زندگیوں کا تھناں ہوا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ یہ پاکستان کی خود مختاری کو محروم کرنے کے مترادف تھا۔ شور و غواص اس قدر زیادہ تھا کہ پاکستانی حکومت کو اس کی نہ مدت پر مجبوڑ ہونا پڑا۔

اگرچہ یہ ممکن ہے کہ یہ حملے پاکستانی حکومت کے علم یا منظوری کے بغیر کئے گئے ہوں، مگر اس امر کا امکان نظر نہیں آتا کہ امریکہ ایک ایسے قلعے کو خطرے سے دوچار کر دے گا جو جنہیں میں اس کے اہداف کے حصول کے لئے نظر سے ابھی ناگزیر تھا۔ اس امر کا غالب امکان ہے کہ پاکستان نے جملوں کی نہ صرف بیرونی منظوری دے دی ہو بلکہ مطلوب اہداف کو نشانہ بنانے کے حوالے سے درکار فتحیہ اطلاعات بھی فراہم کرو ہوں۔ یہ دونوں حملے ابھی اہم اہداف کو نشانہ بنانے کے لئے کئے گئے تھے اور اگر انہیں اظہواہری پر ہونے والا حملہ کامیاب ہو جاتا تو اس کے ابھی شہبزت ہتھیگی برآمد ہوتے۔ اس حملے میں ناکامی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا شور و غواص اس خطرے کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے مولے کریم حملہ کیا گیا تھا۔ تاہم ہو سکتا ہے کہ یہ فیصلہ خود پاکستان نے کیا ہو کہ قیائلی علاقوں میں جا کر کارروائیوں کا خطرہ مولیے سے یہ بہتر تھا کہ وہاں پری ڈیپرٹمنٹ کیے جائیں۔ اس پالیسی کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ القاعدہ کے کسی اعلیٰ عہد یاد رائے کے رسائی میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا بلکہ پاکستانی طالبان بھی دشمن ہن گئے تھے۔ غالباً پاکستان کا اصرار یہ تھا کہ میراں جملوں کو کم سے کم سلسلہ پر کھا جائے اور ان کا نشانہ بھی صرف القاعدہ کی ابھی اہم شخصیات کو ہی بنا لیا جائے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کا تقریباً یعنی طور پر یہ اصرار بھی تھا کہ حکومت پاکستان کی شرکت یا رضامندی کو بالکل خفیہ رکھا جائے۔ امریکہ کو غالباً یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ خود پاکستان کی طرف سے ان جملوں کی شدید نہ مدت کی جائے گی تاکہ عوام کو یہ یقین دلا جائے کہ یہ حکومت پاکستان کی رضامندی کے بغیر کئے جا رہے ہیں۔ اگر اس طرح کی کوئی منصوبہ بندی کی گئی تھی تو اس میں برقی طرح ناکامی ہوئی۔ بہت سے پاکستانیوں کا، جو کہ تاریخی طور پر سازشی نظریوں کے شویں ہونے کے ساتھ ہی اس جا گیردارانہ انداز کے سیاسی نظام کی روشنی و دلیلیوں کے بھی عادی ہو چکے ہیں، اس امر پر تقریباً شروع سے ہی یقین تھا کہ حکومت اس ساری صورت حال

میں خود بھی ملوث ہے۔

اگرچہ قبائلی علاقوں میں القاعدہ کی موجودگی کا توزیع کرنے کے حوالے سے پرینہ سکر استعمال کرنے کی سہولت کی شکل میں امریکہ کے ہاتھ میں مکنہ طور پر ایک موثر تھیا راستہ تھا، تاہم شامل وزیرستان کے معابر سے امریکہ کو افغانستان کے اندر کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ محل ایک تدبیر تھی جس کو پاکستان نے تباہی علاقوں میں جاری لڑائی ختم کرنے کے لئے استعمال کیا تھا، کہ ایک ایسی سنجیدہ کوشش جس کا مقصد طالبان کو پاکستانی سر زمین سے ڈیور غذا اُن کے اس پارٹیلے کرنے سے باز رکھنا تھا۔ اور حقیقت میں اس کے بالکل ہی ایسے نتائج برآمد ہوئے۔ فوج کو تباہی علاقوں میں مصروف رکھنے کی ضرورت سے آزاد ہو کر پاکستانی طالبان اب اس قابل ہو گئے تھے کہ اپنی توجہ ایک مرتبہ پھر افغانستان کی طرف مہدیل کر سکتیں۔ اس لذک میں امریکی فوجوں کے کمانڈر لیغٹنینٹ جنرل کارل ایکٹنہری نے احمد شیرڈ کو بتایا تھا کہ شامل وزیرستان معابر سے کچھی میں تباہی علاقوں سے کئے جاتے والے با غایبان حملوں میں تین گناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ سورج حال پاکستان کے لئے بہت موافق تھی۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ طالبان افغانستان میں فوج سے ہمکنار ہوں یا کم از کم ٹکست ان کا مقدار نہ ہو۔ اور بالکل بھی کچھ ہو رہا تھا۔ آپ یعنی ایڈی یور گلف فریڈم کے آغاز کے پانچ برس بعد طالبان دوبارہ عروج کی طرف گامزن تھے۔ صاف افغانستان پر ان کی کم یا زیادہ مستقل حکمرانی قائم ہو چکی تھی۔ با غایبان حملوں کی تعداد میں بھی ہر ماہ اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ مارچ 2008ء میں حملوں کی تعداد 300 تھی؛ تیرپڑک یہ تعداد یہ 800 ہو چکی تھی۔ جس کے کامل میں تھیں امریکی سپاہیوں کو بھی مجبور ہو کر واٹکن کو اس امر سے آگہ کرنا پڑا کہ امریکہ اب کسی طرح بھی جنگ نہیں چیتھے گا۔ ایک ایسی جنگ ہے مفرط طور پر پانچ برس قابل اختتام پر یہ ہو جانا چاہئے تھا۔

سلسلہ، جیسا کہ شروع سے اسی نظر آ رہا تھا اعداد و شمار کا تھا، اور اس کی بنیادی ذہن داری عراق کی جنگ پر عائد ہوتی تھی۔ شامل وزیرستان کا محاہدہ ایک ایسے وقت میں سامنے آیا جب کہ عراق پر قبضے کے حوالے سے امریکہ کی قسمت کا ستارہ اپنے زوال کی انتہاء کو پہنچا ہوا تھا۔ وہاں پر تعینات امریکی فوجوں کی تعداد 140,000 سے تجاوز کر چکی تھی، مگر اس کے باوجود وہاں تندروں کی بڑھتی ہوئی ایئر پر قابو پانے یا حتیٰ کہ دارالحکومت بندراو کے اندر بھی استحکام نام کی کوئی پیزرو جو دیں

لانے کے لئے یہ تعداد ناکامی تھی۔ تاہم افغانستان میں تعینات فوجیوں کی صورتحال اس سے بھی بدتر تھی، اس وقت وہاں تری فوجیوں کی تعداد صرف ۲۰،۰۰۵ تھی۔ مدد کے لئے اشد پریشان ہو کر امریکہ نے اپنے نیٹ کے رکن ممالک سے درخواست کی کہ وہ اس ظیہم بوجہ کو اٹھانے میں اس کا زیادہ سے زیادہ ساتھ دیں۔ ان میں سے اکثر وہاں پہلے ہی سے انٹریکل سکپورٹی انس فورسز (ISAF) یا ایسااف کی امن فوج کے دستوں کی صورت میں اپنا کروار ادا کر رہے تھے، جن کو وہاں اگست ۲۰۰۳ میں اس وقت تعینات کیا گیا تھا جب میں امریکہ میں نیٹ کا وفتہ چھوڑ کر رخصت ہوا رہا۔ مگر اب امریکہ نیٹ میں شامل اپنے حلقوں سے یہ مطالبہ کر رہا تھا کہ وہ لڑنے والی فوج کے لئے بھی افرادی قوت فراہم کریں۔ یہ ایک مشکل سواد تھا کیونکہ ان کی اکثریت پہلے ہی عراق بھنگ کی خلافت کر بچلی تھی اور اب اس مطالبے پر خود بیزار تھی کہ امریکہ کو افغانستان کی ولڈل سے نکلا جائے۔ اور جبکہ حلیف ممالک مدد کرنے پر آمادہ ہو بھی گئے تھے تو پھر بھی ان ممالک کی حواس پاٹ پاریکٹس اپنی فوجوں کے استعمال کے حوالے سے شرائط عائد کرنے کے قوانین ہماری تھیں۔ ۲۰۰۶ میں اس طرح کی ۱۷ پابندیاں عائد تھیں۔ شامل کے طور پر جرمن فوجیوں کو رات کے وقت اپنے سورپھوں سے لکھنے کی اجازت تھیں تھی اور دن کے وقت بھی گشت کی صورت میں ایک پلوس گاڑیوں کا ہمراہ ہونا ضروری تھا۔ بہرحال ۲۰۰۶ کی خواں تک نیٹ کی حلیف فوجیں امریکی فوجیوں کو ملک کے بہت سے حصوں میں یا تو قوت فراہم کر رہی تھیں یا پھر ان کا بوجہ پہلکا کر رہی تھیں، اور ایسااف کی فوجوں نے جنوب میں فوجی کاروائیوں کی ذمہ داری خود سنبھال لی تھی۔

تاہم یہ سب کچھا بھی بہت ناکامی تھا۔

جس وقت یہ سب کچھا ہو رہا تھا، اس وقت امریکہ کے اس اہماز میں بھی بہت ناڑک محر اہم تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔ جس اہماز میں وہ طالبان کو دیکھتا آرہا تھا۔ وہ اصل دشمن تھیں تھے۔ امریکہ نے آپریشن اینڈیورنگ فریڈم کا آغاز القاعدہ کو جاہ کرنے کے لئے کیا تھا کہ طالبان کو کچلے کے لئے۔ طالبان پر نزل اس لئے گرا تھا کہ وہ راہ میں حائل تھے۔ اگر طالبان بن لاون کو بمباری شروع ہونے سے قبل ہی حوالے کرنے کے لئے تیار ہو جاتا تو ہو سکتا تھا کہ وہ تباہے کی زد میں ہی نہ آتے۔ مگر ۲۰۰۶ تک افغانستان میں زمینی حقوق میں اچھی خاصی تبدیلی آہی تھی۔ القاعدہ اب وہاں اتنی نمایاں موجودگی نہیں رکھتی تھی۔ اسلام بن لاون اور القاعدہ کی پچھی پچھی قیادت کو نکال کر

سرحد کے پار، غالباً پاکستان کے قبائلی علاقوں کی طرف دھکیل دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود امریکہ افغانستان میں طالبان کے خلاف جنگی حمایوں پر مسلسل بر سر پیکار تھا۔ نہ صرف یہ اس نے خود کے نزدیک مایوس کن کام میں بھی ابھیالیا تھا۔ اس نے مایوس کن حد تک بد عنوان کر زلی حکومت کی اصلاح کو ایک ترجیح ہاتے ہوئے شانی اتحادی کی بدھاں اور پیچی بھی فوجوں کو ایک بادقا را فغان فوج کی ٹھیں میں سمجھا کرنے کا عزم بھی کر لیا تھا۔ اس نے افغانستان سے مت کی تجارت کو بھی جڑ سے اکھانے کا تمی فیصلہ کر لیا تھا، اگرچہ اس طرح ہضم۔۔۔۔۔ یا پوست کے کاشکار اپنی روزی کا لائق ذطر کے پیش نظر طالبان کی ایک اور فوج بن کر رہ جائے۔ اس طرح امریکہ میں کام کرنے والی حقوق نسوان کی تحریکوں کا بھی دباؤ تھا کہ انجامی پسمندہ افغان معاشرے میں خواتین کو روایتی طور پر جو ٹانوںی و رجہ حاصل ہے اس حوالے سے بھی کوئی انقلابی تبدیلی لائی جائے۔ افغانستان، یوں گھوسنے ہوتا تھا جیسے ٹیکسیم اصلاحات کے طبیرداروں کی آماجگاہ میں کردہ تھی۔ اپنے ملک کاظم و نقش دوبارہ اپنے ہاتھوں میں لینے کی کوشش میں طالبان خود کو القاعدہ کے چاندھوں کی بجائے ان کا حقیقی دشمن ہا بیٹھے۔ اور امریکہ کے لئے طالبان کو کامیاب ہونے سے رد کنایی ایک مقصد بتا جا رہا تھا۔ بے شک افغانستان میں قیام کا حقیقی مقصد ایک انسکی ہاگ دوڑ طالبان کے پاس اور القاعدہ کو سرگرمیوں کی کھلی چھٹی دینا ہو، بمشکل ہی بنا یا گیا تھا۔

اس دوران، قیائلی علاقوں میں، پاکستانی طالبان شانی وزیرستان معاہدے سے پیدا ہونے والی نسبتاً اسن وaman کی صورت حال سے لطف اندر ہو رہے تھے "نیٹ" کا لفظ بیان اس لئے مناسب نظر آتا ہے کیونکہ جگہ بندی کے ان مختلف معاہدوں کی وفا تو قیامت خلاف ورزی کی جاتی رہتی تھی جن کا اطلاق محدود طور پر پورے ٹھلے پر ہونا چاہئے تھا۔ اس کی سب سے بدنام زمانہ مثال اس وقت سامنے آئی جب جنوری 2007ء میں جنوبی وزیرستان کے علاقے ہزاولہ پر ایک خودکش حلماً اور نے ایک عدد کار بیس بم شانی وزیرستان کے اندر بھر ملی کے علاقے کے قریب فوج کے ایک ٹالے سے گرا دی۔ اس ٹالے کی ذمہ داری بیت اللہ گھوسن پر ڈال دی گئی۔ اسی طرح جنوبی وزیرستان کی سرحد سے پرے صوبہ سرحد کے شہر ناک کے نواحی میں بھی جہز پیش دیکھی گئیں اس طرح کے واقعات صورت حال کی نزاکت کی عکاسی کر رہے تھے، تاہم یہ بھی کھارا ہی ہوتے تھے کہ باقاعدگی سے۔

پاکستان کی بہترین روایات کے مطابق حکام نے خود کو ایک مشکل صورتحال میں الجھا لیا اور اس کاصل ان کے نزدیک لازماً سمجھی راستے بہتر ہو گا۔ یہ حق تھا کہ قبائلی علاقوں پر ان کا موثر کنٹرول نہیں رہا تھا، تاہم انہیں اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہئے تھا کہ یہ کوئی اتنی بڑی محیثت نہیں تھی کیونکہ قبائلی علاقے بھی بھی مکمل طور پر پاکستان کے قلم و نقش کا حصہ نہیں رہے تھے۔ امریکہ کا مسئلہ، یقیناً بھی تجھے موجود تھا۔ امریکہ کو یہ اندازو ہو گیا تھا کہ شہابی وزیرستان کا معاهدہ بنیادی طور پر کسی قسم کی کارروائی سے گزیر کا ایک بہانہ تھا اور اسی نے اس نے پاکستان پر حزیبہ کارکردگی دکھانے کے لئے وبا وڈا ناشر وع کر دیا تھا۔ واشنگٹن اس کو مجبور کر رہا تھا کہ پری ذیہر میزاں محلوں میں اضافے کی اجازت دی جائے، جن میں سے کوئی حلہ بھی پاکستانی طالبان کے ساتھ ہونے والے معاهدوں میں سے کسی ایک یادو کی وحیاں ادا کر رکھ سکتا تھا۔ تاہم نکتہ یہ تھا کہ ان پر قائم رہنے کی کوشش کی جاتی۔ امریکہ کو ایک دن افغانستان سے نکل جانا تھا اور قبائلی علاقوں میں صورت حال معمول پر آئی شروع ہو جاتی۔ پاکستان جس لکھنے کو بھی میں ناکام رہا ہے یہ تھا کہ پاکستانی طالبان کے ساتھ اس کے تعلقات پہلے ہی اتنے ہجڑ پچھے تھے کہ ان کا معمول یہ آنہ مکن نہیں رہا تھا۔ یہ احساس آنے والی گرمیوں کی دھماکہ خیز طور اچانک آمد کے ساتھ آیا۔ یہ احساس قبائلی علاقوں میں پیش آنے والے واقعہات کے نتیجے میں نہیں بلکہ پاکستان کے وارثوں، اسلام آباد کے عین مرکز میں واقع لاال مسجد کے واقعے کے نتیجے میں اجاگر ہوا۔

## لال مسجد، فوج کی ناکامی، اور ملکی دہشت گردی کی مہم

لال مسجد، اسلام آباد کے میں مرکز میں اس جگہ سے زیادہ سے زیادہ ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے جہاں میں نے رہائش رکھی ہوئی تھی۔ دارالحکومت کی سب سے بڑی دیوبندی مسجد کا انتظام و انصرام دو بھائیوں عبدالعزیز اور عبدالرشید غازی کے پاس تھا جو کہ غازی برادران کے ام سے مشہور تھے۔ مسجد کے علاوہ دو مدرسے بھی ان کے زیر انتظام تھے، جن میں سے ایک چامدھ حصہ خواتین کے لئے تخصیص اور مسجد کے احاطے کے اندر واقع تھا۔ جبکہ مردوں کا مدرسہ وہاں سے کئی میل دور اسلام آباد کے شامی علاقے کی حدود کا حصہ کرنے والی سربراہ مارگہ پہاڑیوں کی تلہنی میں بڑی یقینی اراضی پر واقع تھا۔ غازی برادران کا شمار ان شدت پسند علمائیں ہوتا تھا جو پاکستان کی طرف سے نائیں الیون کے بعد امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف شروع کی چانے والی جنگ کی حمایت کے نیٹے سے شدید اختلاف رکھتے تھے اور حتیٰ کہ مشرف کو بھی غدار کے لقب سے نواز پچے تھے۔ دو برس گزر جانے کے بعد انہوں نے سپاہ صحابہ کے قائد مولانا عظیم طارق کے قتل کے خلاف جسے اسلام آباد کے اندر غائب اسپاہ محمد کے کارکنوں نے گولی مار کے ہلاک کر دیا تھا، ایک اجتماعی مظاہرے کا انعقاد کیا تھا۔ غازی برادران کو ہرید شہرت ایک برس بعد اس وقت میں جب انہوں نے ایک فتویٰ جاری کرتے ہوئے اعلان کیا کہ پاک فوج کے وہ جوان جو پاکستانی طالبان کے خلاف جنگ لڑتے ہوئے مارے گئے شہید تھیں ہیں۔ اگرچہ دارالحکومت کے میں مرکز میں ان کی موجودگی حکومت کے لئے نہادت و گھبراہست کا باعث تھی، تاہم ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گی۔

یہ 2007 کے ابتدائی ماہ تھے جب صورتحال قابو سے باہر ہونا شروع ہو گئی۔ مسئلہ یہ تھا کہ یونیورسیٹی مسجد کی تعمیر اسلام آباد کے اندر سرکاری زمین پر کی گئی تھی اور اس کے لئے حکومت سے کوئی اجازت بھی نہیں لی گئی تھی۔ لفاظہ دار حکومت میں انجام پسند مساجد کی بڑھتی ہوئی تعداد سے پریشان، مقامی حکام نے دو انجامی بدنام زمانہ مساجد کو گرا کر لیں دیں مگر مساجد کے خلاف بھی کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کے لئے جو جواز پیش کیا گیا اس میں کوئی لپٹ نہ رکھی گئی۔ ”خیڑا واروں“ کی روپورت کے مطابق گرائی جانے والی مساجد ایسا مشائی محل وقوع رکھتی تھیں جہاں سے وہشت گرد حملہ کرنا بہت آسان تھا۔ اس کے عمل میں، اور غالباً غازی برادران کے اکس نے پرجامدہ طلبہ کی طلبہ علم خواتین نے لال مسجد کے احاطے سے تھسل بچوں کے سرکاری کتب خانے پر دھماکا بول دیئے کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ اس ویدہ دلیری کے مظاہرے کے باوجود انتظامیہ خاموش تماشائی نہیں رہی۔ چنانچہ اس طرح مزید حوصلہ پا کر غازی برادران نے روپور مدارک کے طلباء پر مکمل ”پاکباز دستوں“ کی تھیلی شروع کر دی جنہیں شہر کے اندری ڈی اوی وی ڈی یعنی دالے دو کانڈاروں کے پاس بھیجا جاتا تھا کہ دہ انگلی ڈرائیکر کران چیزوں کے ساتھ ہی مفری تہذیب کی علامت دوسرا اشیاء کی فروخت سے بھی بازار کھیں۔ یہا خلائقیات کی گمراہی کی ہاںکل و سکی ہی مہم تھی جو اس سے گزشتہ عشرے کے دوران صوبہ سرحد میں مظہر عالم پر آئی تھی اور ان اولین گھلات کا باعث بن گئی تھی جو پاکستان میں بڑھتی ہوئی طالبناہریں کے حوالے سے لاحق ہوتی چاری تھیں۔ مجراب یہ سب کچھ پاکستانی دار حکومت کے میں مرکز میں خوام اور زرائی ابلاغ کی نظرؤں کے سامنے دن دھاڑے ہو رہا تھا۔ حکام بالا اگرچہ ان کا رواجیوں کی نہ مت کرنے کے ساتھ ہی جوابی اقدامات کی دھمکی دے رہے تھے مگر عملی طور پر کچھ نہیں کیا گیا۔

مارچ کے اوخر میں، پاکستان کے ایک پائے کے صحافی ظفر عباس نے ان واقعات سے تحریک پا کر لال مسجد کے حوالے سے پاکستان کے ایک انگریزی روزنامے ڈان کے لئے ”سرایت کرتی ہوئی بغاوٹ (Creeping Coup)“ کے عنوان ایک عدد مضمون لکھا ہوا۔ یہ میں اسی روز اخبار کی زینت بنا تھیں روز مولانا عبد العزیز نے حکومت کو خبر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ایک بیٹھتے کے اندر اندر پورے ملک میں شریعت نافذ کر دی جائے ورشتاجہ کن عناصر کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہے گرہ حکام بالا بھی بھی خطرے کا سد باب کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا وہ

بارود کے ذخیرے پر بیٹھے ہیں اور اگر کسی طرح کی خواہی کارروائی کی گئی تو حالاتِ حریمِ خطرناک رخ اختیار کر لیں گے۔ یہ حقیقت کو مورثیں اور لڑکیاں بھی اس معاملے میں ملوث تھیں صورت حال کو مزید پیچیدہ ہادیتی تھی۔ غازی برادران نے تشویش میں حریمِ اضافہ کرنے کے لئے حکومت کو خبر دار کر دیا کہ اگر ان کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی تو وہ پردے ملک کو خود کش حلولوں کی آماجہا ہا کر رکھ دیں گے۔ اپریل میں اسلام آباد انتظامیہ نے اخلاقی ضوابط کی تلقین کی سرگرمیوں میں ملوث مدرسے کے گیارہ طالب علموں کو گرفتار کر کے محمد و پیارے کی کارروائی کر دی۔ ایک ماہ بعد مدرسے کے دوسرے طالب علموں نے چار مقامی پولیس والوں کو اخواز کر کے لال مسجد کے اندر اپنی تحریک میں رکھتے ہوئے ان کی رہائی کے عوض اپنے ساتھی طالب علموں کی رہائی کا مطالبہ کر دیا۔ جون کے اول فریض ایک اور ”پاکباز دستے“ نے چینی باشندوں کی طرف سے چلائے جانے والے ایک سماج پارلر پر حملہ کر کے ان میں سے اکثر کوچھ دری مسجد کے احاطے میں قید رکھتے کے بعد چھوڑ دیا۔ اس کے رد عمل میں بیجنگ کی طرف سے کیا جانے والا احتجاج اتنا ہی اشتغال آئیز تھا جتنا کہ نیا باب۔ عام طور پر خٹکے مراج کے حال چینی بھی پاکستان کے درمیں حصوں میں چینی باشندوں پر ہونے والے حلولوں کے تازہ واقعات پر اطمینان ختنے کے بغیر نہ رہ سکے۔ بے شمار چینی انجینئرز کو بلوچستان میں ہلاک کر دیا گیا تھا اور اس کے علاوہ بے شمار دیگر کوئی کلائی علاقوں میں اخواز کر لیا گیا تھا۔ چینی کارکنوں کو اس نے ہدف بنا یا جارہا تھا کیونکہ جمن کے صوبے زنجیانگ میں مقامی یونور آبادی کے اندر ان انتہاء پسند مسلمانوں کو بھی حکومتی عتاب کا سامنا تھا جن میں سے چند ایک بھاگ کر پاکستان کے قبائلی علاقوں میں روپیش ہو گئے تھے۔ چین کی ناراضی ایک بیجیدہ مسئلہ تھا کیونکہ پاکستان اس کو اپنا ایک ایسا دیر پاٹیف سمجھتا تھا جس نے امریکے کے بر عکس ہر اچھے برے وقت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔

واقعات تجزی سے اپنے خونی انجام کی طرف جا رہے تھے۔ جمن کی طرف سے سخت الغاظ میں احتجاج اور اس طرح کے واقعات کے اعادے کی روک تھام کی نیت کے پیش نظر پاکستانی حکومت نے جو لاکی کے شروع میں لال مسجد کے گرد حاصل تھی حصار قائم کر دیا۔ ہر طرف یہ افواہیں گروٹ کرنے لگیں کہ مسجد کے احاطے کے اندر قبائلی علاقوں سے غیر ملکی جہادی اور مقامی دیوبندی تھیمبوں کے سلح و نتے اس کے دفاع کو مضبوط بنانے کی غرض سے سراہت کر پکھے ہیں، پروپر

مشرف نے جون کے آخر میں فوجیوں سے خطاب کرتے ہوئے اس صورت حال میں جسٹن محمد کے ملوث ہونے کا خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ تاہم اس نے مسجد کے احاطے کے اندر بڑی تعداد میں خواتین اور بچیوں کی موجودگی کے باعث کسی قسم کی کارروائی کرنے کے حوالے سے مسلسل پہنچاہت کا انعام کیا۔ تخدیک کی اولین لہر اس وقت بلند ہوئی جب 3 جولائی کو مدرسہ کے طالب علموں نے محققہ سرکاری عمارت پر پیغام کرنے کی کوشش کی۔ اس کے نتیجے میں فوجیوں کا چادر شروع ہو گیا جس میں 25 سے زائد افراد بلاک ہو گئے۔ بعد ازاں انظامیوں نے محاصرہ اور رخت کر دیا اور کارروائی کی گرفتاری کے لئے فوج کی ایمیٹ کمانڈو فورس طلب کری۔ اس امر کا احساس ہونے پر کہ حکومت اس مرتبہ کارروائی کرنے میں سمجھیدہ و کھائی دیتی ہے، مدرسہ کے 1200 طلبا نے اگلے دن یعنی عمارت خالی کروی جن میں مولانا عبدالعزیز بھی شامل تھا جو کہ برلن میں روپوٹن ہونے کی کوشش کر کرتے ہوئے تحقیک کا نشانہ بھی بنا تھا۔ اگرچہ اضافی قابضین اگلے گنی روز کے دوران چھوٹے چھوٹے گروہوں کی صورت میں برآمد ہوتے رہے تھے مگر اسکے نتیجے والے غازی برادر کے ساتھ رخت و شنید بے فائدہ رہی اور یوں 10 جولائی کو ہونے والی کمانڈو کارروائی کے لئے راہ ہمارا ہو گئی۔ خفیہ بھجوں پر رکھے گئے دھماکہ خیز مواد سے پر محمد و علاقے کے اندر ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک ہونے والی مرحلہ وار لڑائی کے کئی گھنٹوں کے بعد آخر حکومتی طاقت غالب آگئی سو سے زائد افراد بیشمول عبدالرشید غازی بلاک ہو گئے تھے۔ بلاک ہونے والوں میں عورتیں اور بنی بھی شامل تھے جنہیں یا تو یغال یا لیا گیا تھا یا پھر انسانی ڈھال کے طور پر استعمال میں لا یا گیا تھا۔ بلاک شدگان کی تلاش کے دوران حکومت کے دھوکے کے مطابق وہ غیر ملکی جہادیوں کے علاوہ ایک محل بھی دریافت کیا گیا جو کہ القاعدہ کے دوسرے نمبر پر آنے والے اعلیٰ عہدیدار ایمن انفو اہری نے غازی برادران کی حوصلہ فراہمی کے طور پر لکھا تھا۔

لال سجدہ کے واقعہ کی اہمیت سے انکار نہیں ہیں۔ اس واقعے نے پوری دنیا کو یہ باور کرایا تھا کہ طالبناہر یہیں کی اہم صوبہ مرحد سے بکل کر پاکستان کے شہری مرکز کے اندر دو دو رنگ پھیل گئی ہے۔ اگرچہ لال سجدہ بھی تک اس حوالے سے سب سے بڑی ڈرامی مثال کی حیثیت رکھتی تھی، مگر یا پنی نویسی کی واحد مثال نہیں تھی۔ جنوبی چناب کی سرائیں پنی سے اس طرح کی کئی خبریں آپھی تھیں جن کے مطابق انتقام پسند اسلامی نظریات رکھنے والی تحریکوں کے ارکان مغربی

ٹھافت کی علامت اشیاء کی فروخت کرنے والے دوکانداروں کو وحکاۃ پائے گئے تھے۔ اس سے یک عشرہ قلوب اس طرح کے انتخابات وہاں بہت کم دیکھنے میں آتے تھے مگر اب ایسا نہیں تھا۔ اس نلاٹے کے اندر انتہاء پسند نظریات کا پرچار کرنے والی سماج اور مدارس کی پتندیج بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر یہ صورتحال اب ناگزیر ہو چکی تھی مگر یہ سب کچھ محض سرایکی پینے کے عاقلوں تک محدود نہیں رہا تھا۔ طالبنازیشن کی ابتدائی علامات ہجات کے انتخابی اور غافلی دار حکومت لاہور سمجھ سراپیت کر چکی تھیں جہاں دوکانداروں کو پرچمکاریاں ملنے لگی تھیں کہ اگر انہوں نے اپنی دوکانوں کو غیر اسلامی حرم کی اشیاء کے ذخیرے سے پاک نہ کیا تو خطرناک نتائج ان کے منتظر ہوں گے۔ انہیں دھمکیوں کے نتیجے میں لاہور کے مقامی تاجریوں نے مجبور ہو کر اکتوبر 2008ء میں بال روز کے نلاٹے میں ہرے پیلانے پر سی ڈیزی چلا دی تھیں، ایک ایسا واقعہ تھا جس کی ہرے پیلانے پر تشریف کی گئی تھی۔

لال مسجد کے واقعے نے پروری مشرف کو فوری طور پر انتہاء پسند نظریات کا پرچار کرنے والی سماج اور مدارس کے خلاف کارروائی کرنے کے حوالے سے سخت موقف اپنائے پر مجبور کر دیا۔ مگر وہ عملی طور پر بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ آخری کارروائی کے نتیجے میں ہونے والی اموات اور جانشی نے عوام کے اندر پہلے ہی سخت رد عمل پیدا کر دیا تھا۔ بہت سے جتنے جو پہلے حکومت کو کمزوری دکھانے اور قوت ارادی کے فقدان کے طعنے دے رہے تھے، اب اس ساری کارروائی کو کھوئی انجام سے دوچار کرنے پر اسے دوبارہ کوئی رہے تھے۔ سابق وزیر اعظم نواز شریف نے بھی موقع کی مناسبت سے حکومت کی طرف سے صورتحال پر قابو پانے میں بد لطفی اور نا امیت دکھانے پر لندن سے جلاوطنی کی حالت میں مذمت بھرا یاں جاری کر دیا تھا۔ یہ نظریہ عام تھا کہ حکومت نے ضرورت سے زیادہ رد عمل کا مظاہرہ کیا ہے۔ پریم کورٹ کے حکم پر لال مسجد کی سرگرمیاں دوبارہ بحال کر دی گئیں۔ عوام کے شدید اشتعال کے پیش نظر حکومت نے اسلام آباد یا کسی بھی اور جگہ پر کسی غیر قانونی مسجد کو دوبارہ گرانے کی پھر کچھی کوشش نہ کی۔ لال مسجد واقعے کے ایک رس بعد حرف دار حکومت اسلام کے اندر کی چیز مسجدیں وجود میں آگئیں۔ مولانا عبدالعزیز کو آخر کار اپریل 2009ء میں ایک بار پھر پریم کورٹ کے حکم پر، قید سے رہا کر دیا گیا۔ لال مسجد واپسی پہنچ کر اس نے ان سینکڑوں اموات پر افسوس کا انہصار کیا جو اس کے خیال میں رائیگان نہیں گئی تھیں۔ ”آج اس

نے گرہدار اعلان کے ساتھ کہا پورا ملک نما ذمہ باریت کے مطالے سے گوئی رہا ہے۔ پورے پاکستان میں شدت پسند اسلامی نظریات رکھنے والی تنقیحیات میں لال مسجد کے اثرات نے جوش کی تی لہر دوڑا دی۔ اگر اس حوالے سے کوئی شک و شبہ باقی تھا کہ انتہاء پسند و یونہی جہادی اور دوسرا فرقوں سے تعلق رکھنے والے خود کو ایک ایسی واحد تحریک کا جزو خیال کرتے تھے جس کا مقصد اور منزل ایک ہی تھی تو لال مسجد کے اشتعال انگیزہ عمل نے اسے بالکل اسی خطہ پاہت کر کے رکھ دیا تھا۔ القاعدہ کے نمبر و پر آنے والے رہنمائیں اللہواہری نے لال مسجد محاصرے کے اختتام کے اگلے روز ایک دینی یوپیٹ چاری کروی جس میں موئین پر یہ زور دیا گیا تھا کہ وہ پاکستانی ریاست کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیں۔ قبائلی علاقوں اور صوبہ سرحد کے کچھ حصوں میں شدیدہ عمل کا مظاہرہ کیا گیا اور پاکستانی طالبان نے شامی وزیرستان معاہدے کی مسوغی کا اعلان کرتے ہوئے فوج کے ساتھ کے جانے والے جنگ ہندی معاہدوں کو غیر موثق قرار دے دیا۔ قبائلی علاقوں اور دوسرا جنگوں پر محاصرے کے خوفی اختتام سے قبل ہی تشدیکی لہر چل پڑی۔ 4 جولائی کو ایک کار بم دھماکے کے نتیجے میں شامی وزیرستان کے اندر 6 فوٹی ہلاک ہو گئے تھے۔ دو روز بعد ہندو قوں سے مسلح افراد نے راولپنڈی کے فوجی ہوائی اڈے سے پرواز کرنے والے اس طیارے کو مار گرانے کی کوشش کی جو پر دیر مشرف کو لے کر جا رہا تھا۔ اسی دن ایک عارضی نویت کے دھماکہ خیز مواد (IED) کی زد میں آ کر واہی سوات سے کچھ ہی فاصلے پر صوبہ سرحد کے علاۓ دیر میں چار فوجی ہلاک ہو گئے تھے۔

لال مسجد محاصرے کے خوفی اختتام کے بعد جلوں کی شدت اور تعداد میں اور بھی تیزی آنگی تھی، جن کا نشان فوج، پولیس اور سولیجن اپہاف تھے۔ 12 جولائی کو سوات کے اندر مختلف واقعات میں سات افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ 14 جولائی کو شامی وزیرستان کے اندر ہونے والے ایک کار بم دھماکے میں فرنٹیئر کور کے تین فوجی ہلاک ہو گئے۔ اس سے اگلے دن سوات اور صوبہ سرحد کے ایک ضلعی صدر مقام ڈیرہ اسماعیل خان میں جلوں کی زد میں آ کر فوج اور پولیس کے 49 جوان افسوس اجل بن گئے۔ 17 جولائی کی تشدیکی لہر کا رشتہ دوبارہ اسلام آباد کی طرف پلٹ گیا، جہاں ایک خودکش بمبارے نے خود کو پریم کورٹ کے مقابلے چیف جسٹس انقیار محمد چوہدری کے حق میں نکلنے والے جلوں کے قریب دھماکے سے اڑاتے ہوئے سڑہ جانیں تلف کر دیں۔ 19 جولائی

کو صوبہ سندھ کے شہر کراچی کے ایک ثانی علاقے میں ہلاک ہونے والے بے شمار ٹھیکی کارکنوں سمیت مختلف حملوں میں 40 افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ 24 جولائی کو شہری وزیرستان کی سرحد کے پار صوبہ سندھ کے شہر جہول میں ہونے والے ایک راکٹ حملے کی زد میں آکر لوشہری موت کے گھنات اتر گئے۔ تشدید کی لمبڑی 27 جولائی کو ایک مرتبہ پھر اس وقت اسلام آباد کی طرف پٹ گئی تھی۔ جب لال مسجد سے کچھ ہی فاصلے پر آپارہ مارکیٹ میں واقع ایک ہوٹل میں کسی خودکش بمبارے نے خود کو دھماکے سے اڑا دیا تھا۔ ملکی دہشت گردی کی مہم شروع ہوا چاہتی تھی۔

ملکی دہشت گردی کوئی بھی بات نہیں تھی۔ اس کی بنیاد میں بر سے زیادہ عرصہ میں بذریعہ ذاتی گئی تھی۔ اس میں مخفی اہداف اور اہم عہدوں پر تعینات پاکستانی شخصیات پر ہونے والے وہ حملے بھی شامل تھے جن کی منصوبہ بندی تاکہ انہیں الیون حملوں کے بعد القاعدہ نے کی تھی۔ اگرچہ ان حملوں کی شدت میں کچھ کمی آگئی تھی مگر یہ سلسلہ ایسی رکابیں تھا۔ مارچ 2005 میں کراچی میں ہونے والے خودکش کار بم دھماکے کی زد میں آکر امریکی سفارت کار ہلاک ہو گیا تھا اور اپریل 2007 میں وزیر داخلہ کو قتل کرنے کی ایک کوشش بھی مظہر عالم پر آئی۔ تاہم لال مسجد واقعے سے پہلے دو عشروں کے دوران پاکستان میں دہشت گردی کے پیش آنے والے زیادہ تر واقعات فرقہ و رانہ نویت کے ایسے واقعات تھے جن میں لٹکر تھنکوئی اور پاہ محمد جیسی تنظیمیں ملوث تھیں۔ انہوں نے لال مسجد کے بعد بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھنی تھیں مگر پاکستانی فوج، پولیس اور سویلین اہداف پر ہونے والے حملوں نے ان کی سرگرمیوں کو غیر اہم بنا دیا۔ غارضی نویت کے دھماکہ کے خیز مواد (IEDs)، کار بم، خودکش تھکنیٹس یا صدریاں ان تھنکوئیں کی عکاسی کرتے تھے جو القاعدہ نے عراق میں اور طالبان نے افغانستان میں استعمال کی تھیں اور یہ ان مختلف تھنکوئیں کے درمیان رابطہ اور باہمی تحریکات دھماکتوں سے استفادہ کرنے کی علامت بھی تھے۔ اگرچہ لال مسجد کے واقعے کے فوری تیجے کے طور پر سامنے آنے والے دہشت گرد حملے مسجد کے احاطے پر سرکاری الہکاروں کی پیغامبر کا اشتغال انگیزہ عمل تھے، تاہم ملکی اہداف کو نشانہ بنانے والے دہشت گرد حملوں کا حقیقی مقصد انہیں پاکستانی طالبان اور فوج کے درمیان اس جنگ میں ایک اہم تھیار کے طور پر استعمال کرنا تھا جو کہ شروع ہوا چاہتی تھی۔

خلطے کے اندر جنگ بندی معابدوں کو غیر موثر بنا کر رکھ دینے کے روایتیں کے طور پر فوج

نے اضافی دستے تھیات کرنے شروع کر دیئے۔ اس نے ٹالی وزیرستان میں طویل مر سے سے لاوارت چھوڑ دی جانے والی چوکیوں کو لال مسجد محاصرے کے اختتام سے بھی قبل وہ بارہا پہنچ زیر اختتام لانا شروع کر دیا تھا، اور اپنی طاقت کو اس سے بھی پہلے، محکم کرنا شروع کر دیا تھا۔ 19 جولائی کو پاکستانی طالبان کی طرف سے ٹالی وزیرستان معابدے کی تینیخ کے اعلان کے حصہ چار دن بعد، پروین مشرف نے بڑے بڑے پاکستانی صحافیوں کو بتایا تھا کہ وہ علاقے میں دو ڈویژن فوج اور روانہ کر رہا ہے۔ میں نے ایک اعلیٰ پاکستانی عہدیدار سے تباہ کر 2007 کے اوپر تک قیاسی علاقوں اور سوات میں تھیات فوجی دستوں کی تعداد گزشتہ تمام اووار کے مقابلوں میں بہت زیاد تھی۔ ایک اور برس کے اندر اندر دستوں کی جموجی تعداد چھوٹھری ڈویژن کے برابر تھیں چھوٹھی جنی جو کفر نمکر کو اور رنگل فوج کے درمیان تھیم تھی۔ شروع شروع میں دستوں کی تعداد میں اضافے کا ظاہری مقصد بنیادی طور پر طاقت کا مظاہرہ کرنا تھا، جس کی پاکستانی عموم کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ اس وقت کی اخباری خبروں نے ان نئے دستوں کا استقبال فوج کے عکسی دستوں اور نیکھوئی گنجی سرحدی چوکیوں اور دوسرے گران مخا مانٹ پوائنٹ (check points) پر حلول سے کیا۔ اس حوالے سے بہت بڑا اذرا مانگی، اور ساتھ ہی شرمناک، واقعہ 30 اگست کو اس وقت پیش آیا جب بیت اللہ مسجد سے وقاداری رکھنے والے تقریباً میں عدد پاکستانی طالبان نے 300 سے ذرا ہی کم فوجیوں پر مشتمل رسدر فراہم کرنے والے ایک دستے کو روک کر قتل کر لیا تھا کہ وہ ایک بھی گولی کے ہاتھ لے کے بغیر تھیارہاں دیں۔ اس ایک واقعے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ پاکستانی فوجی لوگوں میں کوئی ویچھی نہیں رکھتے تھے۔

نومبر میں حکومت نے جارحانہ جملے کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا اولین بدق وادی سوات تھی۔ جیسا کہ ہم نے پانچویں باب میں ملاحظہ کیا ہے کہ سوات میں انجا پسند اسلامی تنظیم این ایم ایم کے بانی صوفی محمد کو آپریشن ایڈیورنگ فریم کے ابتدائی مرحلے کے دوران پاکستانی و اپنی پر اس وقت گرفتار کر لیا گیا تھا جب اس کی طاقت کمزور پڑ چکی تھی اس کے بعد اس کے داماد ملا نفضل اللہ نے تنظیم کی قیادت سنبلاتے ہوئے اُن ایم ایم کی ٹھنڈوں کو وہ بارہ محکم کرنا شروع کر دیا۔ اپنی حکومت عملی کے ایک حصے کے طور پر نفضل اللہ نے ایف ایم ریٹی یو کی نشریات سے وسیع پیمانے پر استفادہ کرتے ہوئے شریعت کے نماذج کاٹھی سے مطالبہ کرنے کے ساتھ ہی مغرب کے

ضرر سال اثر و سو فیضی سرگرمیوں، مٹاپولیس کے قطرے پلانے کی نہیں اور خواتین کی تھیم وغیرہ کو بھی شدید تحریک کا نتیجہ ہے ڈالا۔ اس کی تحریکات کا دائرہ بہت وسیع ہوتا جا رہا تھا اور اس کے ساتھی عی اس کے کارکنوں کی تعداد بھی، اور اس تحریکیت کا حصہ اسے "مالریڈیو" کے خطاب کی صورت میں ملا۔ اس نے لال مسجد کے واقعہ سے دو ماہ سے کچھ کم عمر مغل حکومت کے ساتھ خود اپنے ای وضع کر دیا امن معاهدے پر دھماکا کر دیتے تھے، مگر جب کہ مسجد کا حصارہ ابھی جاری تھا اس نے سو سال میں پاکستانی فوج پر خودکش حملہ شروع کر دیتے۔ موسم خزانہ تک اس کے جہادیوں نے 50 دیہاتوں میں سرکاری عمارتوں اور تھانوں پر قبضہ کرنے کے ساتھی ہی اپنے ملیحہ انتحائی ادارے قائم کر لئے تھے۔ بھی وہ وقت تھا جب فوج نے سو سال میں مضبوطی سے قدم جمانے شروع کر رہی تھے، اور نومبر میں جملوں کا آغاز کر دیا گیا۔ سو سال پر حملہ جس کا نام جست پاٹھی یا راہ حق رکھا گیا تھا، خطے میں پاک فوج کے مقاصد میں بیانی تبدیلی کا آغاز تھا۔ فوج قبائلی علاقوں میں دراصل شدید اسرگی دہاؤ کے زیر اڑ آگئی تھی تاکہ القاعدہ کے جہادیوں کو چون چون کران کے انجام تک پہنچایا جاسکے۔ پاکستانی طالبان کے ساتھ اس کا تصادم دراصل اس کوشش کے غیر مطلوب صحنی اڑات کا نتیجہ تھا۔ مگر اب ہدف تبدیل ہو چکا تھا۔ سو سال اور بعد ازاں قبائلی علاقوں میں کی جانے والی کارروائیوں میں اب اس کا بینا دی مقصود پاکستانی طالبان کا تعاقب کر کے انہیں لڑائی پر مجبور کرنا تھا۔ اب تعاقب کچھ حد تک اڑ گئے تھے۔ لال مسجد کے واقعے نے پاکستان کو، بہت کچھ کھادا یا تھا۔

راہ حق کے نام سے کئے جانے والے جملوں کو جس میں فرنگی کو پیش پیش تھی، اہتمام میں کامیاب نصیب ہو گئی۔ فوج واہی سو سال کے اندر فی این المیں ایک بہت سے محاذوں پر پہپا کر دیئے میں کامیاب ہو گئی تھی، اور دسمبر 2007 کے آغاز تک جنگیم دوبارہ پہاڑوں میں پناہ گزین ہو گئی۔ فوج نے فتح کا دھوکی کر دیا، مگر فعل اللہ کے جہادیوں نے پہاڑوں میں واقع اپنی پناہ سے حملہ کر کے فرار ہو جانے کی کارروائیاں جاری رکھیں۔ اس دوران و اپنی اسلام آباد میں آپریشن راہ حق کا حکم جاری کرنے والی تھیسٹ شدید سیاسی مشکلات کا ذکار ہو چکی تھی۔ اس برس کے آغاز سے اسی پرویز مشرف کی تحریکیت تجزی سے زوال پذیر ہو چکی تھی۔ امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس کا ساتھ دینے کے غیر عوامی فیصلے کے باعث اس کی ساکھ پہلے اسی کمزور ہو چکی تھی، تاہم مارچ میں پریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار چوہدری کو بد عنوانی کے

الزامات میں معطل کر کے اس نے اپنی ساکھوں پر خراب کرنی تھی اس اقدام کا اصل حرکت، تاہم یہ خوف تھا کہ افخار چوہدری کمین آتے والی خزان میں ہونے والے صدارتی انتخاب میں مقابلے کے لئے اس کی دوبارہ نامزدگی کو غیر قانونی ای قرار نہ دے دیا۔ اس اقدام کے نتیجے میں وکلاء برادری اشتعال کا شکار ہو گئی اور یوں وکلا، تحریک کے آغاز کی پیارہ کردگی گئی۔ اس طرح شروع ہوتے والے احتجاجی مظاہروں کے پا عث مشرف کی عوایی نفرت میں اور اضافہ ہو گیا۔ جولائی کے اواخر میں، لال مسجد واقعے کے صرف چند ہفتوں بعد پریم کورٹ کے بقیدِ حج صاحبان نے مشرب کی مزید حکم عدالتی کرتے ہوئے افخار چوہدری کو اس کے عمدے پر بحال کر دیا۔ لال مسجد میں بڑے پیانے پر ہونے والی بلاکتوں اور ان کے نتیجے میں دہشت گردگی کی وارداتوں میں غیر معمولی اضافے نے اس کی ساکھوں پر خراب کر دی۔ اگرچہ اس نے اکتوبر کے اوائل میں خود کو کسی طرح دوبارہ فتح کروانے میں کامیابی حاصل کرنی تھی، مگر اس خوف سے کہ کمین پریم کورٹ پھر اس کے خلاف فیصلہ نہ کر دے، اس نے اگلے ماہ ہنگامی حالت کا خلاصہ کر دیا۔ پاکستانی طالبان کی جانب سے جیزی سے منڈلاتے ہوئے مطرادات نے اسے وہ جواز یا بہانہ فراہم کر دیا جس کی اسے ضرورت تھی۔

مگر اس کے باوجود وہاں تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ تو میر کے آخر میں اس نے اپنی گرفتی ہوئی ساکھوں سے کے لئے طویل عرصہ سے کے جانے والے اس مطالیے کو تسلیم کر لیا کہ اسے آرمی چیف لیجنی فوج کے سربراہ کی حیثیت سے استعفی دے دینا چاہئے۔ مگر اس فیصلے کا نتیجہ فوج کے ان رک्जی رو اپالہ کے منقطع ہونے کی صورت میں لکھا جو اس کی طاقت کا اصل سرچشمہ تھے۔ دیگر میں اس نے ہنگامی حالت کے خاتمے کا اچانک اعلان کر دیا جبکہ اس دوران اس نے چوہدری شجاعت اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو ہنگامی حالت کے تحت حاصل اختیارات کے ذریعے پہلے ہی بے دخل کر کے رکھ دیا تھا۔ مغرب یا سب کچھ لا حاصل تھا۔ پرویز مشرف اب ایک ٹکست خوردہ شخص تھا۔ اگلے ہر س اگست کے مہینے میں اسے صدارت کے عمدے سے دستبردار ہونا پڑا اور بعد ازاں صدارتی کے الزامات کا سامنا کرنے سے بچنے کے لئے پاکستان چھوڑ جانے پر بھجو کر دیا گیا۔ اس کی جگہ اب آصف زادواری نے لے لی تھی جو کہ پاکستان کی دو مرتبہ خاتون وزیرِ اعظم بننے والی بے نظیر بھنو کا خاوند تھا۔ بد عنوانی کے الزامات میں مظلوم بے نظیر تو برس کی

جلادوٹی کے بعد اکتوبر 2007 میں پاکستان و اپس آئی تھی۔ وہ مشرف کے دوبارہ صدر بنتے کے دو ہمتوں بعد اس کی طرف سے پہنچائی حالت کے نقاذ سے دو ہمتوں سے کچھ ہی زیادہ عرصہ قتل وطن و اپس لوئی تھی۔ یہ اپسی مشرف حکومت کے ساتھ ہمیں منتظر ہیں ہونے والے ان بے شمار مذاکرات معاہدوں کا نتیجہ تھی جو امریکہ کے تعاون سے کر رہے گئے تھے۔ مشرف نے اس امید پر اسے واپس آئے کی اجازت دی تھی کہ وہ اسے صدارت کے عہدے پر برقرار رہنے میں مدد دے گی۔ معاہدے کو پہنچانے کے لئے اس نے اس امر پر رضا مندی ظاہر کر دی تھی کہ پہلے نظر کے خلاف بد عنوانی کے ازامات کے خاتمے کے لئے قانون سازی کی جائے گی۔ اس طرح اس کو جو روئی میں ہونے والے عام انتخابات میں شرکت کے لئے اپنی جماعت کی قیادت کا موقع مل جاتا اور پی پی کو یہ انتخابات چینئے کی بہت زیادہ توقع تھی۔ قومی صنائعی آڑ دی نیشن کے تحت، جیسا کہ اس معاہدے کو نام دیا گیا تھا، ان تمام سیاستدانوں کو جن پر مشرف دورے قتل و قمع و قش سے نے والی سویٹیں ہمتوں میں بد عنوانی کے ازامات عائد کئے گئے تھے۔ مکمل معافی دے دی تھی۔ اس طرح بینظیر پر عائد ازامات کا بھی خاتمہ ہو گیا اور اس کی وطن و اپسی کی راہ ہمارا ہو گی۔ مگر یہ ایک المناک و اپسی تھی۔ وہ یکلی سطح پر جاری دہشت گردی کی جگہ کامبول ترین ہدف بننے لگی تھی۔

کراچی کے ہوائی اڈے پر اپنی آمد کے بعد بینظیر بھنو ہمیں جناح کے مزاد بک جانے والے گازیوں کے ایک شاندار قافلے میں شامل ہو گئے۔ سڑکوں کے کنارے لاکھوں کی تعداد میں عوام اس کی ایک بھلک دیکھنے کے خطر تھے۔ ان میں دو خودکش بمبار بھی تھے جنہوں نے خود کو دھماکے سے اس وقت اڑا دیا جب قافلہ قریب سے گزر رہا تھا۔ اگرچہ بینظیر مجرمان طور پر محفوظ رہی، تاہم 140 افراد بلاک اور 400 سے زائد غصی ہو گئے۔ یہ یکلی دہشت گردی کی لمبے کے نتیجے میں اب تک رومنا ہونے والا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ اگرچہ اس واقعے نے اس کو بلاک کر کر دیا تھا تاہم اس نے پھر بھی اپنی ساری توتا بیاں قوی اسلوبی کے آئے والے انتخابات کے لئے وقف کر دیں۔ اس نے نواز شریف سے بھی مناسب فاصلہ اختیار کر لیا تھا جو کہ اس مرتبہ خود کو اتنا کمزور محسوس کر رہا تھا کہ اس نے نواز شریف کے جلاوطنی ختم کر کے واپس آئے کے نیچلے کی بھی کوئی حراجت نہ کی، حالانکہ یہ وہی شخص تھا جسے اس نے آٹھ برس قبل ملک پر بڑا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ کراچی سانچے کے

پاکستانی طرز کی سیاست کا اہم جزو تھے۔ یہ ایک قائل غلطی تھی۔ 27 دسمبر کو جب کوہ راولپنڈی میں ایک اتحادی جلسے کے اختتام پر روانہ ہو رہی تھی اس کی گاڑیوں کے قاتلے کے قریب ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ وہ ایک بڑی ایسی یووی گاڑی کی چھٹ کے کھلے حصہ (hatch) سے سرناک کا عوام کے نعروں کا ہاتھ ہلاہلا کر جواب دے رہی تھی، اور دھماکے کی طاقت سے اس کا سر پھیپھی ہو کر کھلی چھٹ کے اجھرے ہوئے کنارے سے گلرا یا۔ پاکستان کی مستقبل کی لیٹنی وزیر اعظم موت کے منہ میں جا چکی تھی۔

پاکستانی حکام نے اس قتل کی ذمہ داریت اللہ محسود پر عائد کر دی۔ سی آئی اے کے ذمہ داریکشرا میکل ہیڈن نے بعد ازاں اس موقف کا تائید کرتے ہوئے اصرار کیا کہ محسود کے وفادار ایک پاکستانی جہاری نے یہ واردات القاعدہ کے تعاون سے کی تھی۔ جہاں تک پس پردہ محرك کا تعلق تھا، تو بے نظیر نہ صرف مستقبل کی امکانی وزیر اعظم تھی بلکہ اپنے باپ کی طرح بہت سے لوگ اسے شیخ بھی تصور کرتے تھے اور یوں ایک فرقہ دراہ عضر بھی مکمل طور پر شامل محرک تھا۔ اس سے بھی اہم اور طالبان کو با معرفت تک پہنچانے میں اس کے کروار کے باعث، تم ظریفانہ حقیقت یہ تھی کہ وہ پاکستانی طالبان کی خصوصاً اور پاکستان میں انجام پسند اسلامی نظریات کی عموماً ایک بہت بڑی ناقد بن چکی تھی۔ وہ لال مسجد سے جنم لینے والی اخلاقیات کے غاذ کی خریک کی نہست میں بھی پیش پیش تھی اور حکومت کو اس کے خلاف کارروائی کرنے میں سختی کے مظاہرے پر مشتمل تقدیم کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ دوسرے سیاست دان، اس کے عکس خاموشی اپنائے ہوئے تھے، یا پھر نواز شریف کی طرح حکومت کو لال مسجد کے تھی محاصرے کے نتیجے میں برپا ہونے والے ہوئے پیلانے کے قتل و غارت پر طرف تنشیح کا نشانہ ہاتھے ہوئے تھے۔ چنانچہ بے نظیر کے قتل سے ایک ماہ پہلے خود نواز شریف کی اپنی ولی وطن وابھی بھی اتنی پر خطر بھیں رہی تھیں۔ بے نظیر کی صاف گولی و بے باکی اور جوایی سطح پر کھلی جانے کی عادت ہی اس کے لئے باعث نقصان ٹاہت ہوئی تھی۔ اسے اس اس مقامے کی حقیقت میں آڑ لیں ریز گرائش کیمپ اور سرچ کیمپ آف آئی لنڈز یونیورسٹی کی طرف سے امر کا احساس تھا کہ پاکستان سے اتنا عرصہ دور رہنے کے دوران یہاں کیسی کیسی تجدیلیاں رہنگا ہو چکیں۔

جبکہ بیت اللہ محسود کا تعلق تھا، وہ بے نظیر بھنوں کے قتل سے

محض وہ بخت قتل ہی خلطے کے اندر دوسرے اہم پاکستانی طالبان رہنماؤں کے ساتھ اتحاد کے ذریعے ایک تنظیم ہاتھ تحریک طالبان پاکستان تکمیل دینے میں مصروف تھا۔ مسوداں تنظیم کا سربراہ، جنگجو شاہی وزیرستان سے حافظ گل بہادر نائب منتخب ہو گیا اور باہوڑ کافر محتمل تیرے نسب پر آگیا تھا۔ اس امر کا کوئی حقیقی ثبوت نہیں ملا کہ اس اتحاد کا نتیجہ سیدان جنگ میں بہتر تعاون کی صورت میں تکلا یا پھر یہ کہ اس کا کوئی ایسا مقصد بھی تھا یا نہیں۔ اس تنظیم کی تکمیل کا مقصد ایک سیاسی عزم یا ارادے کا انہماری نظر آتا تھا ہبہ تسبیح اس کے کہ پاکستانی طالبان کی نکھری ہوئی طاقت کو ایک واحد کمان کے تحت سمجھا کیا جائے۔ اپنی ابتدائی حکمت ٹھکنی کا اعلان کرتے ہوئے تحریک طالبان نے مطالبہ کیا تھا کہ قبائلی علاقوں اور سوات میں شریعت نافذ کی جائے اور اس کے ساتھ ہی افغانستان میں اسر کی فوجوں کے خلاف جارحانہ چداو اور پاکستانی فوج کے خلاف دفاعی چداو کا بھی اعلان کر دیا۔ اس کے علاوہ لال مسجد کے حافظین کے ساتھ انہمار بھجنی کرتے ہوئے غازی برادران میں اکتوبر نے والے غازی عبدالعزیز کی رہائی کا مطالبہ بھی کر دیا گیا۔

مگر اپنی تکمیل کے انقریباً فوراً بعد ہی تحریک طالبان کی صفوں میں اختصار پھیلنے کا تھا۔ فروری کے وسط تک، صرف دو ماہ بعد حکومت کے ساتھ ہشتمی وزیرستان مجاہدے کے احیاء پر انہمار رضا مندی کرتے ہوئے، گل بہادر نے اپنا راستہ الگ کر لیا تھا۔ اپنی تمام ترجیحات کو حفظ رکھنے کے لئے پہ چمن، وہ تحریک طالبان کی تکمیل کے وقت بھی اس طرح کے مجاہدے کے لئے مذاکرات جاری رکھنے ہوئے تھا۔ شاہی وزیرستان مجاہدے کے احیاء کے حوالے سے اس کی حوصلہ اخراجی تھا۔ میت ورک سے نسلک ہمسایہ ساحیوں نے کی تھی، جن کی یہ دلچسپی ابھی تک برقرار رکھی کہ پاکستانی طالبان اپنی تمام توجہ افغانستان پر ہی مرکوز کر رکھیں۔ ملامہ نے بھی، میڈیم طور پر، ذاتی سلیٹ پر مداخلت کی تھی۔ میں اسی وقت گل بہادر نے مولوی نذری کے ساتھ اتحاد کی طرف پیش قدمی شروع کر دی تھی جو کہ خوب بھی پاکستان کے ساتھ بھی جنگ بندی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اس سے بچھے موسم بہار میں وہ ازبک مجاہدین کے ساتھ دست ہدست ہو گیا تھا جو کہ اس کے اپنے اسی علاقے میں اس پر حاکمیت جانے کی کوشش کر رہے تھے اور اسی لئے وہ حکومت کے ساتھ تعاون کے مجاہدے کی طرف ملک ہو گیا تھا۔ دونوں رہنماؤں نے اپنے اتحاد کا رسمی اعلان جولائی 2008 کے اوائل میں کیا تھا۔ یہ دو جوہرات کی بناء پر اہم تھا۔ پاکستانی طالبان کی دو بڑی تنظیموں نے حکومت

کے ساتھ اس وامان قائم کرنے کے ارادے کے ساتھ یعنی آجس میں بھی تعاون کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ اب صرف بیت اللہ محسود اور اس کے پیچھے پیچھے دوال دوال با جوڑ کا نقیر محمد اور سوات کا ملائکل اللہ ہی وہ اہم پاکستانی طالبان رہنماء گئے تھے جو ابھی تک ریاست کے ساتھ حالات جنگ میں تھے۔ اس طرح ممکن طور پر محسود بھی الگ تھلگ سا ہو گیا تھا، جس کے چادی اب دو طاقتیں، شش میں گل بہادر اور جنوب میں مولوی نذیر کے درمیان پس کر دو گئے تھے۔

اس امر پر یقین کرنے کے لئے یہ وجہ موجود ہے کہ آئی ایس آئی نے ان تنازع کے لئے ختنہ محنت کی تھی، جیسے اس بات کا تقریباً یقینی علم تھا کہ اگر گل بہادر اور مولوی نذیر نے پاکستانی فوج کے ساتھ لا رائی روک دی تو ان کی توجہ مغرب کی جانب ہونے کا امکان پایا جاتا تھا جہاں وہ افغانستان کے اندر اپنے افغان بھائیوں کے شاد بیان لازم میں مصروف ہو جاتے۔ آخر کار وہ جہادی تھے اور ملا عمر کے ساتھ ذاتی سطح پر وقاری اکا اعلان کر چکے تھے۔ اگرچہ اس حوالے سے کوئی براہ راست ثبوت نہیں پایا جاتا کہ پاکستانی حکام نے گل بہادر اور نذیر کی بھرپور حوصلہ افزائی کی تھی کہ وہ اپنی کوششوں کا مرکز افغانستان کو بنائیں، تاہم انہیں یہ احساس ہوا ہو گا کہ مجھے یہی برآمد ہو گا۔ صرف دوستتی ہی سامنے پا کر کر، کہ یا تو محمد گرخانف پاکستانی طالبان سے کفر لیں یا پھر امریکہ کو افغانستان میں جن مشکلات کا سامنا ہے ان میں اضافے کا سبب بن جائیں، یہ امر باعث حرمت نہیں تھا کہ انہوں نے دوسرے راستے کا اختیاب کیا۔

گل بہادر اور مولوی نذیر کے ایک طرف ہو جانے کے ساتھ یعنی، پاکستان نے بیت اللہ محسود کے ساتھ گلر لینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ نہ صرف یہ کہ پاکستانی طالبان میں سب سے طاقتور اور ہٹ دھرم رہنماء تک بلکہ ملکی دہشت گردی کی مہم کے پیس پر دو ایک اہم طاقتیں۔ اس کا ایک اہم دست راست قاری صیمن محراجی القاعدہ کے رہنماء ابو موسی الزرقاوی کا ماہر تھا اور خود کش بمباروں کی ایک پوری کمپنی تیار کرنے کے لئے تربیت کمپنی کا نام کے حوالے سے پہلے ہی کافی بد نام تھا۔ پاکستان نے اپنے آپریشن نام "زورہ" یا ارتح کوئی کا آغاز 24 جنوری کو کیا تھا جبکہ محسود کے جہادیوں کو جنوبی وزیرستان کے شمال میں سر اور خندانی علاقے کے اندر فرنیر کو کے جوانوں کی ایک بڑی تعداد کو حلے کا نشانہ بنائے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزر اتھا۔ یہ پوری طرح واضح نہیں ہوا کہ آپنا فوج کی طرف سے کارروائی کا آغاز اس طبقے کے جواب میں کیا گیا تھا یا پھر اس کی مخصوصہ بندی کچھ

عمر صد سے چاری و ساری تھی۔ موخر الذکر وضاحت زیادہ مناسب نظر آتی ہے۔ فوج نے اُن این انس ایم کو سوات سے بے خل کرنے کی کوششوں کا اختتام گزشتہ ماہ ہی کیا تھا، اور اس طرح سے جنوبی وزیرستان میں کارروائی کے آغاز کے مطوفہ طور پر فوجی دستے دستیاب تھے۔ اس کے علاوہ فوج بیک وقت ایک سے زائد دشمنوں کے ساتھ گرفتار ہیں میں انکھا ہست محسوس کرتی ہو گی، چنانچہ لیکیا جو ہے کہ اس نے سوات آپریشن کے اختتام پر یہ ہونے کا انتظار کیا۔ دونوں عوامل اس امر کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ پاکستان کو یہ یقین تھیں جیسی تھا کہ اس کے پاس علاقے میں اتنے فوجی موجود تھے جن کے مل پر وہ اپنی کارکردگی مزید بہتر بنائے سکتا، حالانکہ لال مسجد واقعہ کے بعد فوجیوں کی تعداد میں خاطر خواه اضافہ دیکھا گیا تھا۔

آپریشن ارجح کوئیک کو ابھی مدد دیتا نے پر ہی کامیابی حاصل ہوئی تھی کہ فوج کوئی میں اسی اپنے جوانوں کو واپس بلانے پر مجبور ہونا پڑ گیا۔ اگرچہ فوج بہت سے علاقوں سے محسوس کا اثر و سوناخ تم کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی، مگر پھر بھی اسے تھی طور پر نشانہ ہنانے کی کسی کوشش میں کامیاب نہ ہو گئی۔ جس طرح کہ سوات میں کئی ماہ پہلے ہوا تھا، جب اپنے سے زیادہ طاقت ور پاکستانی فوج کے مقابلے کی ثابت نہ لائکر پاکستانی طالبان گروہوں احکامی علاقوں میں روپیش ہو گئے تھے۔ تاہم فوج عمارت وغیرہ کو نقصان پہنچانے اور اس کے ساتھ اسی مقامی آبادی کو الگ تحمل کر کے رکھ دینے میں کسی حد تک کامیاب ہو گئی تھی۔ نہم کے دوران چار ہزار مکانات تباہ کر دیے گئے تھے جبکہ دو لاکھ لوگ بے گھر ہو کر رہ گئے۔ فوج نے بہت سے مواقع پر حسن کار کردگی کا مظاہرہ کیا ہو گایا کر سکتی ہو گی، مگر اس طرح کی لڑائی کسی طرح سے بھی اچھی کار کردگی کی عکاسی نہیں تھی۔ مقامی باشندے دو فریقوں کی لڑائی میں پسے کے عاری ہو چکے تھے۔ فرمانڈر کو کے جوان ناقص تربیت کے ساتھ اسی کسی قسم کے چذبے سے بھی محروم تھے جبکہ رکی طور پر تربیت یافتہ فوج کو بغاوت خلاف کارروائیں کا کوئی تحریر نہیں تھا۔ انہیں کٹھیر میں پیدا ہوئے فوج کی لڑائی لڑنے اور پنجاب کے میدانوں میں نیکوں کی لڑائی لڑنے کا تحریر پر تھا مگر قابلی علاقوں کے پھریلے اور نہ ہمار راستوں پر گوریا جہادیوں کا تعاقب کرنے کا کوئی تحریر نہیں تھا۔ پاکستانی فوج ایک ایسا کندھ تھیار تھا جسے ایسے حالات کی اصلاح کے لئے استعمال کیا جا رہا تھا جس کیلئے زیادہ تیزی اور ہار یک بینی کی ضرورت تھی۔ جب انہوں نے مجھی میں جنوبی وزیرستان کا علاقہ خالی کرنا شروع کیا تھا تو محسوس

کی فوجیں واپس آنا شروع ہو گیں۔

اس دورانِ سوات میں بھی حالاتِ سیکورس اختیار کر رہے تھے۔ فوجِ لی این ایس ایم کو پیاروں میں پناہ لینے پر مجبور کرنے میں تو کامیاب ہو گئی تھی مگر انہیں دیں تک محدود رکھتے میں مشکلِ محسوس کر رہی تھی۔ اس وقت تک صوبہ سردیں ایک تینی حکومتِ تکمیل پاچھلی تھی۔ سیکولر سیاسی جماعت اے۔ این۔ پی نے جو کہ 2002 کے ان انتخابات سے قبل جن کے نتائج امریکہ کے خلاف نفرت کی انتہائی لہر پہنچتے، ایک بڑی جماعت تھی، فروری 2008 میں ہونے والے صوبائی انتخاب کے انتخابات میں اپنی طاقت کو وہ بارہ سمجھا کرتے ہوئے جے یو آئی کو بری طرح لگست دے دی۔ اس کے قائدینِ سوات میں طویل عرصہ سے جاری چنگ کے نتیجے میں بیدا ہونے والی تباہ اور آافت پر افکار و تجزیاں تھے چنانچہ انہوں نے اس کے خاتمے کے لئے نماکرات کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے مسی کے مبنی میں ملا فضل اللہ سے کامیاب نماکرات کے جس میں اسے این پی نے اس کی شرط پر رضامندی ظاہر کر دی۔ یہ معاهدہ کوئی ایک ماہنگ نافذِ عمل رہ۔ ملا فضل اللہ نے جو کہ اب تحریک طالبان میں شامل ہو چکا تھا اور اپنے جمادیوں کو ایک وسیع ترپاکستانی طالبان تحریک کا حصہ سمجھتا تھا، اس وقت تک تھیمار پیچھے سے انکار کر دیا تھا جب تک کہ فوجِ وادی سے واپس نہ چلی جائے۔ جب فوج نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو فضل اللہ نے معاهدے پر عمل سے انکار کر دیا اور سرکاری فوجوں پر حملے کا آغاز کر دیا تھا۔

یہ حملہ گزشتہ جملوں کے مقابلے میں اتنے کامیاب نہیں ہوئے۔ اگرچہ بہت سے تصادمات میں شدید جھڑپیں دیکھنے میں آئیں مگر فوج کو اس طرح کی کامیابی نہیں ملی جو اسے صرف چھڈنا وہ قابلِ تفصیل ہوئی تھی۔ اگلے کئی ماوکے دورانِ فضل اللہ وادی سوات کا بہت سا ایسا حصہ تباہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا جو کہ ایک زمانے میں سیاحوں کی توجہ کا مرکزِ لکش سیاحتی مقام تھا۔ سب سے پہلے نشانہ ہائے جانے والی سہولیات میں پورے پاکستان کا واحد اور اکتوہا ایک (لکڑی) کے تھوڑے سے برف پر پھٹلے کے سہولت کا حال (تفصیلی مقام) بھی شامل تھا۔ مقامی سیاستدانوں نہیں اسے این پی کے چھڈ دیا ار ان کو بہف نایا گیا، بعض کو بلاک کر کے جگہ بعض کو وادی سے بے دخل کر کے۔ لاکوں کے اسکوں باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے جلا اور تباہ کر دیئے گئے۔ پاکستانی طالبان جیسے جیسے وسیع تر علاقے پر قابض ہوتے چلے گئے، انہوں نے شریعت کے ماتحت اسی ایسا

وہ خیانت طالبانی انصاف رائج کر دیا جس پر ملا عمر بھی شرم کر رہا جاتا۔ میں وڑن دیکھنے، قص کرنے لئے اور گانے، اور روازی نہ رکھنے چیزے جرام کی سزا موت مقرر کر دی گئی۔ ایک آدمی کو صرف اس لئے گولی مار دی جی تھی کہ اس کی پٹلوں کے پانچ بہت نیچے تھے۔ سرکات دیہا سزا کا ایک مقبول طریقہ ہے بن چکا تھا۔ مبتکورہ کے علاقے میں جو کہ دادی کا سب سے بڑا قصبہ تھا، ایک اہم چوک پر انسانی لاشیں جا جاتی تھیں کے کھبیوں سے لگی نظر آتی تھیں۔ ان کے نام ملار یڈیو سے روزانہ نشر کے جاتے، تاکہ باقی لوگ خبردار ہو جائیں۔ تمیں لاکھا لوگ اپنی جانیں بچانے کے لئے علاقے سے فرار ہو گئے تھے۔ اس طرح کی خبریں بھی آرہی تھیں کہ فضل اللہ کے چہا بیوں کو جنوبی وزیرستان سے آئے واسے ان پاکستانی طالبان کے علاوہ جو سرکاری فوج دستوں کے والیں چلے جانے کے باعث آزاد ہو گئے تھے، سرائیگی پیٹی سے تعلق رکھنے والی اجتماع پہندو یونیورسٹی ٹیکسیوں کے ارکان نے بھی احکام عطا کیا تھا ایک مقامی صحافی نے جو کہ پاکستان کے سینئر لینڈز کی تباہی کے واقعات ترتیب دے رہا تھا، اپنے ایک مضمون کو، ”پاکستان کی گولی (Pakistan Lost)“ کا عنوان دیا۔

فوج کو ایک مقام پر پہنچ کر ضرور و اسلحہ ہو گیا ہو گا کہ اس کے پاس پاکستان طالبان کے خطرے سے نہیں کے لئے خاطر خواہ فوجی دستے موجود تھیں۔ تاہم اس طرح کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ اس کی کوپورا کرنے کے لئے اشناقی دستے روائی کے تھے۔ مقامی آبادی کو یہ شکایت پیدا ہونے لگی تھی کہ فوجی اپنے اسی تھیوں میں محصور ہو کر رہ گئے تھے اور کسی بھی قسم کی کارروائی کرنے میں پچھاہٹ کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس طرح کی بے عملی کی ایک مکمل وضاحت یہ نظر آتی ہے کہ حتیٰ کہ جب فضل اللہ اور اس کے حليف اپنی غارت گریم کی سرگرمیوں کا آغاز کر رہے تھے تو فوج قریب ہی واقع پا جزو ایجنسی میں ایک علیحدہ کارروائی کی مخصوص یونیورسٹی کر رہی تھی۔ اگرچہ پا جزو قائمی علاقوں کی سب جمیਊ ایجنسی تھی، تاہم یہاں پر وزیرستان سے باہر پاکستانی طالبان اور غیر ملکی جہادی سب سے زیادہ تعداد میں پائے جاتے تھے۔ اس کے سوات سے بھی خاص طور پر قریبی روابط تھے۔ جیسا کہ ہم نے ہاب نمبر چھٹیں ملاحظہ کیا ہے ہا جزو تحریک طالبان کا قائد قبیر محمدی این ایسیں ایم کے ہائی صوفی محمد کا شاگرد تھا اور سوات طالبان سے قربی رابطہ رکھتا تھا۔ یہ واضح تھیں ہے کہ جب سوات پر اس کی گرفت کمزور پڑی تھی تو ایسے وقت میں فوج نے ہا جزو جانے کا فیصلہ کیوں کیا تھا ہو سکتا ہے کہ ایسا امر کی وجہ کے تحت کیا گیا ہو کیونکہ ہا جزو وہ اہم طلاقہ تھا جسے

افغانستان میں حملوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ فتحی محمد کے سوات کے ساتھ قربانی روابط اور پاکستانی طالبان کے دو اہم ترین شخصیات کے مابین فاصلے کی کمی ہاد پر یہ ممکن ہے کہ فوج نے باجوز کو بھی اسی ایک کارروائی کا حصہ سمجھا ہو۔

حرک جو بھی تھا، جب فوج نے اگست میں آپریشن شیر دل (Lion Heart) کا آغاز کیا تو اسے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ فتحی محمد کے چاروں نے خندقوں کی تعمیر اور مگرمانی کا ایک ایسا جامیں نظام و ضلع کیا تھا جس کا توزیع کرنا اس کے لئے خاص طور پر مشکل تھا۔ فوج کی طرف سے ویسے ہی کند پا غیر موڑ قسم کے درپے آزمائے جا رہے تھے جنہیں فوج پہلے سے ہی آزمائی چل آری تھی جس کے نتیجے میں میزدھ طور پر 5000 مکانات تباہ ہو جانے کے ساتھ ہی باجوز سے تین لاکھ افراد قتل مکالی پر محصور کر دیے گئے۔ کئی ماہ کی خستہزادی کے بعد فوج آخوندار بالا دست ہوتی نظر آری تھی کیونکہ وہاں سے بہت سے پاکستانی طالبان کو تکالیف میں کامیاب ہو گئی تھی۔ حکومتی شرائط پر مبنی ایک امن معاملہ پر مارچ 2009 میں دھنکڑ کر دیے گئے۔ اس وقت اسے پاکستانی طالبان کی اولین اہم نکتہ سمجھا جا رہا تھا۔ ہم حقیقت اس سے مختلف تھی۔ مارچ 2011 میں اس مفروضہ فوج کے تقریباً تقریباً ایک برس بعد فوج نے باجوز میں ایک اور فیصلہ کرن فوج کا اعلان کر دیا۔ حتیٰ کہ صحافیوں کو ساتھ لے جا کر غاروں کا وہ نظام بھی دکھایا گیا تھا جس پر تازہ تازہ بقدر کیا گیا تھا۔ ہم فوج جس چیز کی وضاحت کرنے میں ناکام ہو گئی وہ یہ تھی کہ گزشت برس کی ہر بیانے پر مشتمل کی جانے والی فوج کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ فتحی محمد کی فوجیں مفروضہ طور پر جنہاً تھیں کروی گئی تھیں بلکہ وہیا تو افغانستان کے صوبے کنڑ کی طرف فرار ہو گئی تھیں یا پھر قریب ہی واقع سوات کے اندر جیاں انہوں نے مفضل اللہ کے چاروں کو استحکام عطا کیا ہوگا۔ باجوز میں اپنی پہلی میزدھ فوج کے بعد وہاں پر اپنی محکم تعداد برقرار رکھنے پر تاریخاً مند، فوج نے اپنے جوانوں کو وہاں سے نکالنا شروع کر دیا، جس کے نتیجے میں باجوز طالبان کو اپنے شخصیات کو میں واپس لوٹنے کا موقع مل گیا۔

باجوز کے محلوں اسٹنی کے ساتھ 2009 کے اوائل تک یہ امر واضح ہو چکا تھا کہ اسی مسجد و ائمۃ کے بعد فوج نے پاکستانی طالبان کے خلاف جنپی کارروائیاں بھی کی تھیں وہ سب کی سب ناکامیاً رہی تھیں۔ اگرچہ فوج کو یہ چاہیئے تھا کہ خلیل کے اندر کافی تعداد میں بیشہ سے بھی زیادہ دستے روائی کرتی، مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ زیادہ تر لاری ایسی بھی فتحی کو کی طرف سے لڑی جا

رہی تھی، جو نہ صرف یہ کہ پاکستانی فوج کے اجتہانی قص تربیت یافتہ جوانوں پر مشتمل تھی بلکہ اجتہانی متدرب بھی کیونکہ پاکستانی طالبان میں بھی وہی چیزوں خون دوڑ رہا تھا جو خود ان کی اپنی رگوں میں گوش کرنا اظہر آتا تھا۔ قبائلی علاقوں اور سوات میں اپنے جارحانہ حلولوں کے آغاز سے قبائل فوج کو غالباً یہ اندراز ہنسیں ہوا ہو گا کہ اسے کتنے فوجی جوان یاد سے درکار تھے۔ تاہم جب اس کے حلول کو ناکان کا سامنا کرنا پڑے گیا تھا تو اس وقت بھی وہ انسانی دستے روائے کرنے میں چکچا ہٹ کا مظاہرہ کرتی نظر آتی تھی۔ اور اس سے بھی واضح ہوتا یہ ہے کہ جب فوج علاقے پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئی تو اسے فوجی دستے بھی وہاں نہیں رہنے دیے گئے جو پاکستانی طالبان کو واپس آنے سے روک سکتے۔

فوج ضروری افرادی قوت ا جوان فرامہ کرنے میں کیوں ناکام ہو گئی تھی؟ اس کی کمی دھوکت ہے۔ اگرچہ پاکستان کا یہ خیال تھا کہ لال سبھ کے واقعے کے نتیجے میں پاکستانی طالبان نے انہیں جس طرح لکھا رہا تھا اس کا جواب دیا ضروری تھا، تاہم وہاں پر ہونے والی لڑائی پاکستان کے عوام اور خود فوج کی صفوں میں بھی اجتہانی ناپسندیدہ گردانی تھی۔ تاکن الجیون کے واقعے کے بعد القاعدہ اور طالبان کو پاکستانی حدود کے اندر دھکیل دینے کا ذمہ دار ہوئے کی تاء پر امریکہ کو بھی ابھی تک وہنے تصور کیا جا رہا تھا۔ اس سے بھی بدتر تصور تھا۔ یہ تھی کہ یہاں امریکہ ہی تھا جس نے مشرف پر دباوہ لاتھا کہ وہ قبائلی علاقوں میں اپنی فوج روائے کرے جس کے نتیجے میں وہ اپنے ہی ہم وطنوں کے خلاف تباہ کن بھگ میں دھکیل دی گئی۔ اور اب ملک کے شہری سراکز میں عام پاکستانی بھی خود کش و حماکوں کی مذہر ہو رہے تھے۔ اس بناء پر انہیں امریکہ کی طرف سے سلسل دباوہ پر اور بھی زیادہ غصہ آرہا تھا۔ اس غصے کا واضح اظہار اس شور غوغائے کے دوران سامنے آیا جو کہ ستمبر 2008 میں جنوبی وزیرستان میں القاعدہ کے زیر استعمال احاطے پر امریکی کمانڈ و فوجیوں کے ہٹلے کے بعد کیا گیا تھا۔ یہ پاکستان کی سر زمین کے اندر امریکہ کی چیل منصوبہ مذہر تھی کارروائی تھی اور مگر 2011 میں اسامدہ بن لادن پر ہونے والے ہٹلے تک آخری بھی۔ ہر طبقہ زندگی سے تعلق رکھنے والے پاکستانیوں میں اشتغال کی لہر دوڑ گئی۔ پر یہ دیغیر میزائلوں کی بات اور تھی، مگر زمین پر بلوں کی دھکے قانون و ضابطے کی سراسر خلاف ورزی تھی۔ مشرف کے بعد فوج کی سربراہی منصبانے والے جزئ اشخاص پر ویز کیاں کو مجبور ہو کر امریکہ کو سر عام خبردار کرنا پڑا اک پاکستان ہر حال میں اپنی خود

عجارتی کا دفاع کرے گا۔ فوج کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ یہ جنگ عوام میں کتنی غیر مقبول تھی اور کیا لیے اس کے مطابق ہی روپیں کیا تھا۔ ایک لئی فوج کے لئے جسے عوام کی نظر میں اپنی ساکھ بھانے کی اتنی لفڑی ہو ایک غیر مقبول جنگ کو اتنے زور شور سے جاری رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اسی طرح فرنڈر کو پر اصحاب کرنا کہ زیادہ تر جنگ اس کی وساحت سے لڑی جائے اس

امر کی جانب اشارہ ہے کہ فوج اپنے رکی تربیت یافت جو انوں کو میدان جنگ میں اتنا رہنے سے

گریں گے۔ کچھ حد تک اس کے پس پر وہ یہ یقین کا فرماتھا کہ پاکستان کی سر زمین پر پاکستانی باشندوں کے مقابل حصہ آ رہا ہونا کی تربیت یافت فوج کیلئے مناسب نہیں تھا، جس کا پہنچادی کروار

غیر ملکی خطرات کے خلاف ملکی سرحدوں کا دفاع کرنا تھا۔ اس کے علاوہ فوج کو اپنا مورال یا اعتماد و محی  
محروم ہونا نظر آ رہا تھا۔ فرنڈر کو کے ناخوش سپاہیوں کی اور بات ہے جبکہ رکی فوج کے تربیت یافت

جو انوں کی ناخوشی ایک بالکل ہی مختلف امر ہے۔ اس کے علاوہ متوازن لفڑان (Collateral

Damage) کی لفڑا یک اضافی مسئلہ تھا۔ جنگ کی اس طبقہ شہریوں کی جان و مال کو پہنچنے والا لفڑان

بہت ہی بڑی صورت حال کی عکاسی کر رہا تھا۔ زیادہ فوجی دستے ہجھیں کا مقصد صرف اور عرف جاہی

میں اضافے کا باعث بنانا اور مقامی آبادی مزید بیگانگی کا شکار ہو جاتی۔ شاید سب سے اہم عضوف فوج

کی قیادت کی جانب سے اس امر کی خالص تھی کہ بھارت کی سرحدوں سے فوج بٹالی جائے جو کہ

پاکستانی طالبان کے خطرے سے زیادہ موثر انداز میں نہیں کے لئے ان کو کرنا پڑتا۔ تاہم پاکستانی

حکومت قبائلی علاقوں اور سوات کو پاکستانی طالبان کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کے لئے بھی تیار نہیں

تھی۔ اس حوالے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وقت آئے پر اس کے کیا تائیں برآمد ہوتے۔ اس

طرح امر کی روپیں کی لفڑا اپنی جگہ تھیں۔ امریکہ زیادہ کارکردگی کا طلبگار تھا، کم کا نہیں۔ اگرچہ

پاکستان امریکے کے دہاؤ سے بخت نالاں تھا، تاہم وہ واسطہن کے ساتھ اپنے تعلقات خطرے میں

ڈالنے کے تائیں کا سامنا کرنے پر بھی تیار نہیں تھا۔ چنانچہ پاکستان کو کچھ نہ کچھ تو کر رہا تھا مگر خاطر

خواہ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے سے قاصر تھا۔ جو اس کے پاکستانی طالبان کو کچھ سخت پڑھایا جاتا

انہیں مزید آگے بڑھنے کے لئے بہت سے حرکات فراہم کر دیئے گئے۔

ایسے وقت میں جبکہ فوج خریک طالبان کے ساتھ ایک ناخنگوار لڑائی میں ابھی ہوئی

تھی، پاکستان انغان طالبان کے لئے ایک بالکل ہی مختلف حکمت عملی اختیار کئے ہوئے تھے۔

جیسا کہ لال مسجد سے قبل کی صورت حال تھی، اس طرح کا کوئی اشارہ نہیں ملا کہ انہوں نے کبھی  
خانی بیت ورک کو نشانہ بنا یا پھر بلوچستان میں ملکہ کے مشیروں کو تکلیف دی ہو۔ انہیں چھوڑ  
دینے کی اور بات تھی۔ پاکستان کے ہاتھ پاکستانی طالبان سے بھرے ہوئے تھے۔ مگر اس امر کا  
اصحاحاً خاصاً ثبوت موجود ہے کہ اس صورت حال کا ایک اور رخ بھی تھا۔ احمد شید کے دعوے کے  
مطابق افغان طالبان کو قبائلی علاقوں کی طرف منتقل و میئے جانے کے تھوڑے ہی عرصے بعد آئی  
المک کو یہ فریضہ سونپ دیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لئے آئی ایس آئی کے  
ریاضزادہ افسروں پر مشتمل ایک عدد زیریز میں تنظیم تکمیل دے دی جائے۔ اس امر کا سب سے کھلا  
اشارة کہ امریکہ کے پاس آئی ایس آئی اور افغان کے مابین شرکت عمل کا ثبوت موجود تھا  
خوبیاں کا نگر کے اس مضمون کی صورت میں سامنے آیا جو کہ جولائی 2008ء میں کابل میں بھارتی  
سفارت خانے پر ہونے والے بم دھماکوں کے بعد شائع ہوا تھا۔ گناہ امریکی عہدیداروں نے  
نائمنے کو بتایا تھا کہ ان بم دھماکوں کی منصوبہ بندی آئی ایس آئی نے کی تھی جبکہ خانی بیت ورک کے  
منتخب کردہ ارکان کو ان پر عملدرآمد کا فریضہ سونپا گیا تھا۔ اس کے بعد آئے والے مارچ میں  
امریکی عہدیداروں نے ہر یہ اکشافات کرتے ہوئے پاکستان کے روپرفر کو بتایا تھا کہ افغان  
طالبان کے لئے آئی ایس آئی کی حمایت، پیروں، فوجی ساز و سامان کی فراہمی، اور تزویری یا  
کلیدی منصوبہ بندی کے حوالے سے رہنمائی کے صورت میں موجود تھی۔ اس سے بھی زیادہ تباہ کن  
حوالہ ہاروڈ یونیورسٹی کے ماث والد مین کی اس حقیقت میں موجود ہے جس کے تحت بے شمار  
افغان طالبان کمالوروں کے ساتھ مکالہ کیا گیا تھا۔ ان کے دعوے کے مطابق ان کے ماتحت  
چہاویوں کو آئی ایس آئی کا وسیع تر تعاون حاصل تھا اور یہ اصرار بھی کیا گیا کہ کوئی شورتی میں بھی  
پاکستانی فوج کے خفیہ اداروں کی نمائندگی موجود تھی۔

یہ فرض کرتے ہوئے کہ ان بیانات میں کچھ کچھ چائی پائی جاتی ہے، ان کی دراصل کیا  
اہمیت ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ ہم نے نا ان ایوں کے کچھ ہی عرصہ بعد مشاہدہ کیا، پاکستان نے  
دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی جگہ میں اس کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس کی وضاحت  
انہوں نے اس طرح کی تھی کہ پاکستان و اصل القاعدہ کے کرتا دھرتاؤں کو انساف کے کھبرے  
میں لانے کے لئے امریکہ کی مدد کر رہا تھا اور اس نے بھی مضمون میں اپنے القاعدہ کا بھرم رکھتے

ہوئے امریکہ کو القاعدہ کے بہت سے تربیت یافتہ کار کنان پکڑنے میں پورا تعاون فراہم کیا تھا۔ خصوصی طور پر ان کا رکنوں کے جنہوں نے پاکستان کے شہروں میں پناہ لے رکھی تھی۔ اور اس امری کی خلاف کے باوجود وہ آخر کار القاعدہ جہادیوں کی جلاش کے لئے قبائلی علاقوں میں فوج سمجھنے پر بھی رضا مند ہو گیا تھا۔ جیسا کہ خذشات پائے جاتے تھے اس کے میانے میں فوج پاکستانی طالبان کے ساتھ ایک انتہائی وجہیدہ پریشان کن چنگ میں الجھو کر رہا تھا، جنہوں نے جواب میں خود کش بمباءں حملہ شروع کرنے کی مہم چلا دی جس کے باعث شہری علاقے دہشت گردی کی زد میں آگئے۔ انہوں نے امریکہ کو پاکستانی سر زمین پر القاعدہ کو ڈف ہلانے کے پری ڈیغز میزائل چلانے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ یہ سارے اقدامات اور ان کے تباہ پاکستان کے اندر ہر طبقہ زندگی کے لوگوں میں بڑھتی ہوئی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھے جا رہے تھے اور یوں پروردی مشرف کی ساکھاں حد تک کمزور ہو کر رہا تھا کہ اس کی طرف سے پریم کرٹ کے چیف جنمن کو ہٹانے کی کوشش اور کی پہنچ پر آخری جتنا ثابت ہوئی۔

گمراہی کے لئے پاکستانی حمایت میں بھکر مدد و نجیں تھیں۔ پاکستان نے امریکہ اور اس کے نیٹھی حلفہ ممالک کو یہ اختیار بھی دے دیا تھا کہ افغانستان بھکر اپنی فوجیں بھجوانے کے لئے وہ پاکستان کا زمینی راستہ استعمال کر سکتے تھے۔ افغانستان میں اتحادی فوجوں کو رسکی فراہمی کے لئے استعمال ہونے والے 80 فیصد بار حوار ٹرک اور 40 فیصد ایجاد میں اس راستے سے گزر کر وہاں حکم تھا۔ یہ پاکستان کی جانب سے محض ممالک کو اپنی کارروائیاں جاری رکھنے کے لئے وہ کار ایک ناگزیر سہولت تھی۔ وہاں تھیات مغربی فوجوں کو رسکی فراہمی کا کوئی تسلی بخشن تباہل نہ اس وقت تھا اور نہ ہی آج موجود ہے۔ اس کے باوجود پاکستان ایک ہی وقت میں جہاں ایسے کاموں میں تعاون فراہم کر رہا تھا جو اس کے خیال میں امریکہ کیلئے سرانجام دینے میں بہت مشکل تھے، وہاں دوسرا طرف وہ ان افغان طالبان کو نہ صرف محفوظ رکھا نے فراہم کر رہا تھا بلکہ ان کے ساتھ اشتراک عمل بھی کر رہا تھا جو کہ افغانستان کے اندر امریکی فوجیوں کی موت کے گھاث ایجاد رہے تھے۔ اس طرح وہ بیک وقت دو ہر اکار ادا کر رہا تھا یعنی ان طاقتوں کے ساتھ تعاون کر کے جو امریکہ کے ان فوجیوں کو مار رہے تھے جن کے لئے رسکی فراہمی میں مدد کی جا رہی تھی۔ یہ حقیقت کہ پاکستان اس طرح کی دلیلی کا مظاہرہ کرنے پر مجبور تھا اس امریکی عکائی کر رہی تھی کہ پاکستان

افغانستان کی مستقبل کی صورتحال کو بہت اہمیت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ امریکہ کے ساتھ بھی تعلقات خراب نہیں کرنا چاہئے تھے مگر افغان طالبان کی نکست کی صورت میں جو دنیا پر پیش آئئے تھے ان کا سامنا کرنے کے لئے بھی پیار نہیں تھے۔ ان کے خیال میں اس طرح سے امریکی فوج کی جلد اپنی کی راہ ہموار ہو جائے گی اور وہ اپنے پیچھے ایک ایسی کمزور افغان حکومت چھوڑ جائے گی جو فطری طور پر پاکستان خلاف ہو گی اور ان کے یقین کے مطابق کم سے کم بھارت کے ساتھ ایک فیر رکی اتحاد قائم کر لے گی۔ اور اس طرح بھارت مستقبل میں کسی بھی یقین کی تصاویر کی صورت میں ان کو عقیل جانب سے دھکانے کے قابل ہو جائے گا۔ چنانچہ بھی وہ وجہ تھی کہ جہاں وہ ایک طرف امریکہ کے مددگار حلیف کروار ادا کر رہے تھے دہاں وہ اس کا انتہائی پر عزم حریف بننے پر بھی خود کو محبوس حسوس کرتے تھے۔ یہ ایک دوہرا کروار تھا جو کہ یقینی طور پر خطرات سے پر تھا، مگر ان کے خیال میں ان کے پاس بیک وقت دلوں کروار سراجِ حمام دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ ”پورے کہنا تو چوری کروار شاہ سے کہنا تیرا گھر لانا“ پاکستان کا ایک بہت مشہور مقولہ ہے۔

تاہم شہری علاقوں میں اس طرح کی کسی دو عملی کا مظاہرہ نہیں کیا جا رہا تھا، جہاں پاکستانی طالبان کے خلاف کارروائیوں کی بڑی بھارتی قیمت چکائی پر رہی تھی۔ ان کارروائیوں میں ابھی کے باعث نہ صرف یہ کہ قبائلی علاقوں اور سوات میں ان کے فوج حملے اٹ کر رہے گئے تھے بلکہ اندر وہن ملک جاری دہشت گردی کی سرگرمیوں کو روکنے میں بھی انہیں سخت مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ 2008 کے پورے سال اور 2009 کے اوائل میں ان جملوں میں تسلیم سے اضافہ ہوتا رہا جو کہ زیادہ تر خودکش بمباروں کی کارستیاں تھیں۔ زیادہ تر حملے میدان جنگ سے دور فوج اور پولیس کے مکانوں پر کئے گئے تھے۔ سب سے زیادہ اموات اگست 2008 کے ان دوہرے خودکش بم دھماکوں کے تیجے میں واقع ہوئیں جو اسلام آباد کے ہاہر داؤ اور ڈینس فیکٹری کے دروازہ کے قریب کئے گئے تھے۔ فوج کے زیر انتظام چلائے جانے والے ہتھیار سازی کے اس کارخانے میں ستر سے زائد لوگ بلاک ہو گئے تھے۔ فروری 2008 میں اسے این پی کی ایک انتہائی بھم پر ہونے والے خودکش حملے میں 25 افراد موت کے لگات اڑ گئے تھے۔ چار مزید افراد اس وقت بلاک ہو گئے تھے جب ایک خودکش بمبارے اسے این پی کے قائد اسنڈ یاروی کو اکتوبر میں عید کے موقع پر اپنے گمراہی میں مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے بلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بعد آنے

وائے فروری میں اے این پی کے ایک رکن صوبائی اسمبلی کو ایک عارضی طور پر تیار کروہ دھماکہ خیز مواد (EP) کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ سویٹیشن اہداف میں سب سے زیادہ بدنام زمانہ جملہ تبریز میں اسلام آباد کے میریت ہوٹل پر کیا جانے والا حملہ تھا، جس کے نتیجے میں عمارت کا اچھا خاص حصہ بناہ ہو جانے کے ساتھ ہی 50 سے زائد افراد ہلاک اور 250 سے زائد زخمی ہو گئے تھے۔ میریت، جو کہ اسلام آباد کا سب سے بہترین ہوٹل تھا، اعلیٰ سیاسی، سفارتی اور ثقافتی ملتوں کے میٹنگ کے لئے بہت نمایاں تھا۔ اسلام آباد میں شادیوں کی سب سے وسیع اور اہم ترین تقریبات عموماً یہاں منعقد کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ امریکی اور دوسرے سفارت خانوں کے عارضن مہمانوں کو بھی یہاں تھمیرا جاتا تھا۔ ہوٹل پر قیام کرنے والے دو امریکی اور ایک چینی سفارت کا رہنمای مرنے والوں میں شامل تھے۔

سب سے زیادہ سنتی خیز حملہ مارچ 2000 میں اس وقت دیکھنے میں آیا جب مشین گنوں سے مسلک 12 افراد نے پاکستان کے خلاف بیچ کھیلنے کے لئے آئی ہوئی سری لنکا کرکٹ ٹیم کو لاہور کے ایک کرکٹ گراؤنڈ لے جانے والی بس پر حملہ کرتے ہوئے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ سری لنکا ٹیم کے کھلاڑی خوش تھی سے موت کے مدد میں جانے سے بیچ گئے اور انہیں ہار دوئی خول لگنے سے صرف معمولی چوتھیں آئی تھیں، کیونکہ ان کے بس کے ڈرائیور نے حاضر مانگی سے کام لے کر حملہ آوروں کی آنکھوں میں دھوپ جھوکلتے ہوئے بس کو وہاں سے بھاگ لے جانے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ تاہم اس میں چھ پولیس والوں اور امپارکر کے لے جانے والی تھیں وہیں کے ڈرائیور سیست آنھے افراد تھے جن گئے تھے۔ حملہ آور ہندوق بردار نیک کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس حملے نے پاکستان کے حوالے سے بدنام واقعات میں ایک اور بدنام واقعیت کا اضافہ کر دیا۔ کرکٹ اس ملک کا حقیقی معنوں میں واحد اہم قومی سمجھیں ہے اور اس میں عموماً نہایت جوش و خروش سے شرکت کرتے ہیں۔ دیکھوں کے ماہینہ نیویٹ بیچ، ایک بیرون ٹیم اور ایک مہماں ٹیم، اس کے لئے سب سے اہم واقعہ ہوتا تھا۔ تاہم ملک کے اندر جاری وہشت گردی کی لمبڑے دوسرے ممالک کی کرکٹ ٹیموں کو پہلے ہی خوفزدہ کر کے رکھ دیا تھا۔ ان ممالک کے قومی کھلاڑیوں نے پاکستان میں کھیلنے سے انکار کر دیا تھا۔ صرف ایک ملک جوان حالات میں بھی کھیلنے کے لئے تیار تھا، سری لنکا، اسی تھا۔ پاکستان نے سری لنکا کو یہ سمجھیدہ خانست فراہم کر دی تھی کہ ان کے کھلاڑیوں کو اس طرح کا

تحقیقی فراہم کیا جائے گا جو عموماً درسے مکون سے بیان کے دورے پر آنے والے ریاستی سربراہان کے لئے ہی مخصوص ہوتا ہے۔ تاہم کھلاڑیوں کے قاتلے کو فراہم کردہ خانہ پولیس کے دستے اس مقصد کے لئے ناکافی ثابت ہوئے یہ واقع پاکستانی حکام کے لئے ایک ذات آمیز رسوائی تھی اور پاکستانی کرکٹ کے ہاتھ میں پہلے سے بھی یہی کمل ہاتھ ہوا۔ اب کوئی بھی اس ملک کے دورے پر بھی آئے گا۔ اس حلقے کی ذمہ داری کا شے شروع شروع میں بہت سی جھیلوں پر کیا گیا تھا، مگر آخر کار الزام کی زد میں ایک ایسی تنظیم آگئی جس کے ہارے میں اس سے قبل کوئی نہیں تھا گیا تھا: پنجابی طالبان۔

سردیوں کے اوائل 2008ء کی بھار کے اوائل کا زمان پاکستان کی قسمت کا حقیقت کا نہ زوال ہاتھ ہوا، نہ صرف کرکٹ کے حوالے سے بلکہ قیادی علاقوں اور سوات کے حوالے سے بھی۔ بہت سا علاقہ تحریک طالبان کے زیر انتظام تھا۔ اس کا اجتماعی سطح کا قائد بیت اللہ محسود جنوبی وزیرستان کا بے تاخ باڑشاہ بن چکا تھا، جہاں سے وہ اور قاری مسین خود کش بہاری کے حلول کی منصوبہ بندی جاری رکھے ہوئے تھے۔ سری لنکا کی یہم پر اوس کے ساتھی هجاء کے اندر بہت سے دیگر کامیاب حلولوں سے بخوبی ہاتھ ہوتا تھا کہ انہیں صوبے کے اندر سے بھی اچھی خاصی جماعت اور تھوان فراہم کیا جا رہا تھا۔ اس فروری میں محسود حافظ لگ بہار اور مولوی نذری کے ساتھ اپنے اختلافات حل کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔ ان کے جاری کردہ ایک مشترکہ اعلامیہ میں اوباما، کرزی اور زرداری کو اہم ترین وغیرہ قرار دے دیا گیا تھا۔ زرداری کا حوالہ اس حقیقت کی عکاسی کر رہا تھا کہ حکومت پاکستان اب دوبارہ سولہ بیان ہاتھوں میں آگئی تھی۔ پی پی نے بنے نظیر بھنوئیل کے دو ماہ بعد ہونے والے فروری 2008ء کے عام انتخابات میں فتح حاصل کر لی تھی۔ اس کا رہنماؤ، آصف علی زرداری اب اس کی جگہ پارٹی کا سربراہ اپنے کے ساتھی مشرف کی طرف سے اگست میں صدارت کے عہدے سے منسلک ہونے کے بعد پاکستان کا صدر بھی ہن گیا تھا۔ تاہم حکومت کی تہذیبی سے عملی طور پر کوئی فرق بھی نہیں پڑا تھا۔

اگرچہ فوج کو ہا جوڑ میں کچھ کامیابی حاصل ہو گئی تھی، مگر اس کے لئے اسے سوات میں بہت بھاری قیمت چکانی پڑی تھی، جو کہ کمل طور پر قابو سے باہر نکل چکا تھا۔ سوات میں فوج کی ناکافی سے صوبہ سرحد میں اے این پی کی حکومت دہشت کا ہمارا نظر آئی تھی۔ پاکستان طالبان نے

وادی سے اس کے کارکنوں کو تھکلیں باہر کر دیا تھا جبکہ اس کے قائدین خود کش بسپاروں کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں کی زدیں تھے 2008 کے اوائل تک فوج کی پانسٹ پٹ کر کر کر دینے کی صلاحیتوں کے حوالے سے تیزی سے کمزور پڑتی ہوئی توقعات کے مابین، انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب ان کے پاس ایک اور معاهده کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا۔

وہ صوفی محمد کو نہ اکرتی عمل میں شامل کرنے کے لئے دوبارہ ماضی میں چلتے گے۔

اسے گزشتہ ہر سی جمل سے اس امید پر رہا کہ دیا گیا تھا کہ ہو سکتا تھا وہ اپنے سے بھی زیادہ جوئی و امداد فضل اللہ سے حمایت والوں سے جانے میں کامیاب ہو جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا، البتہ اسے این لہا کے قائدین خود کو اس امر پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے کہ اگر وہ اس کے ساتھ کوئی معاهدہ کر لیتے ہیں تو ہو سکتا تھا وہ فضل اللہ کو بھی اس حوالے سے اتفاق رائے پر مجبراً کر لیتا۔ چنانچہ بعد ازاں ہونے والے مذاکرات میں نئی این انس ایم کے بانی نے یہی کڑی شراط لٹھیں کر دی تھیں۔ اس کے اے این پی کی طرف سے شریک مذاکرات قائدین کو نہ صرف وادی سوات کے اندر، جہاں فضل اللہ کے چہار بیوں کو ظپر حاصل تھا بلکہ پورے کے پورے مالکنڈ ڈویلن میں جس کا کہ سوات محل ایک چھوٹا سا علاقہ تھا، نہ اذ شریعت پر رضا مند ہونے کے سوا اور کوئی چاروں نظر نہ آیا۔ یہ ایک بہت اہم کامیابی تھی کیونکہ مالکنڈ ڈویلن پورے صوبہ سرحد کے ایک تھامی پر مشتمل تھا۔ فضل اللہ کی طرف سے جوابی طور پر تھیار ڈال دینے اور مقامی حکومت کے اداروں کا انتظام والوں صوبہ سرحد کی حکومت کو لوٹانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ فرورنی کے وسط میں طے پانے والے اس معاهدے کے اعلان کے پنج عرصے بعد ہی فوج کی جانب سے اس کی سرعام توں تسلی بھی کر دی گئی تھی۔ آصف زرداری کی طرف سے بھی، جس نے کہ اس معاهدے کو تفاصیل تھانے کے لئے اس پر دھنک کرنے تھے، کافی لیت دل سے کام لیا گیا۔ اس پر امریکہ کی طرف سے اس پر دھنکانہ کرنے کے حوالے سے کافی دباؤ تھا۔ اس امر کا اندازہ لگانا کوئی اتنا مشکل کام نہیں تھا کہ امریکہ کو اس میں کیا ناپسند تھا۔ اس کے تحت پاکستانی طالبان کو وہ کچھ جانا تھا جو وہ چاہئے تھے یعنی شریعت کا نفاذ، مگر حکومت کے مطالبات یعنی تھیار پھیل دینے اور سوات میں حکومتی اختیارات کی بحالی کے حوالے سے کسی طرح کا طریقہ عمل نہیں تھا گیا تھا۔ لگزشتہ اصف عزیرے کے دو روان پاکستانی حکومت کی طرف سے پاکستانی طالبان کے ساتھ جو معاهدہ بھی کیا گیا تھا اس کے نتیجے میں متازع

علاقے کا انقلام بھیشہ موفر الذکر کے ہاتھوں میں ہی جاتا رہا۔ اس مرتبہ یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آرہی تھی کہ اب ایسا نہیں ہو گا، خاص طور پر اس حقیقت کے چیز نظر کرائے این پی دباؤ میں رہ کرنا اکارات کر رہی تھی۔

مجھے اور پاکستانی محاملات پر دوسرے ماہرین کو اس وقت بھی لگ رہا تھا۔ مجھے اس بات پر تحریت ہو رہی تھی کہ آیا پاکستان کے سولہیں یا فوجی مقدار حلقة بھی اس قابل ہوں گے کہ اسلامی انتہاء پندتی کے تجزیٰ سے پھیلتے ہوئے خطرے کی مراحت کی چرات کر سکیں۔ اگر پاکستانی حکمران ملک کے اندر بیرونی سیاحوں کے لئے ایک انجامی پر کش اور قیمتی قطعہ ارضی کا دفاع کرنے سے بھی قادر تھے تو پھر وہ کس چیز کا دفاع کر سکتے تھے؟ معابدے کے بعد معابدے میں انہوں نے آسان راست اختیار کرنے کی کوشش کی تھی، یعنی مسائل کے حل کو مزید التواء کا شکار کر دیتا۔ گراب مزید گنجائش نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے اپنی ان پریشانیوں کا اعلیٰ ہمارے ایک مضمون پر عنوان *The Unravelling of Pakistan*<sup>tag</sup> میں کیا تھا، جو کہ ان گرمیوں کے آغاز میں برطانیہ کے خارجہ امور کے رسائل سرداخیوں میں محمود ار ہوا تھا۔ میں نے یہ خیال خاہ کیا تھا کہ پاکستان کی طرف سے پاکستانی طالبان سے مٹشنے کے محاذے میں جس کمزوری کا مظاہرہ کیا گیا تھا اس کے نتیجے میں ان کے نظریات اور عمل میں اور بھی شدت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اس وقت تک آگے بڑھتے رہیں گے جب تک کہ ان کو روک نہیں دیا جاتا۔ اپریل 2009 کے وسط میں، جب کہ میرا مضمون ابھی اشاعت کے مرحلے تھیں پہنچا تھا، آصف زرداری نے آخوندار سوات معابدے پر دھنکا کر دیئے۔ وہ دراصل اس امر کا ثبوت فراہم کرنے پر اصرار کرتا رہا تھا کہ واوی میں اس نوٹ آیا تھا، مگر اس کے ہاتھ اس نئے مجبور ہو گئے تھے کہ صوفی محمد نے سارے کے سارے معابدے سے عی پھر جانے کی دھمکی دے ڈالی تھی۔ اپنی سیاسی ساکھ کو مخوض کرنے کے لئے زرداری نے یہ اصرار کیا تھا کہ قومی اسٹیلی بھی اس معابدے کی توثیق کرے۔ جو بعد ازاں اتفاق رائے سے کردی گئی۔

مگر حقیٰ کہ جب زرداری اس معابدے پر دھنکا کر رہا تھا تو اس وقت بھی مذا فعل اللہ سوات کے جنوب میں مالاکہ ذوی زین کے ایک طیخ بوئیر میں اپنے جاہدوں کو رواد کر رہا تھا۔ اس کے دھنکا کر دینے کے پچھے دوں کے اندر اندر سینکڑوں اور جہادی بھی پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ پاکستانی طالبان طرز کا انصاف نافذ کرنے کے لئے اسلامی عدالتیں قائم کرو گئی تھیں اور بیرونی

سیاسی جماعتوں پر پابندی لگادی گئی۔ اے این پی کی مقامی انتظامیہ کو بے دل کر دیا گیا تھا۔ زرداری کی طرف سے معاہدے پر دستخط کے پورے ایک ماہ بعد فضل اللہ کے ترجمان نے اعلان کر دیا کہ سوات میں فضل اللہ کے چہار دن خود کو اس معاہدے کا پابند قصور بھیں کرتے۔ بوئری میں داخل ہو جانے کا اقدام یہ ظاہر کرنا تھا کہ مٹا فضل اللہ کا سوات میں اپنی سرگرمیوں کو محدود کر دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ پاکستانی حکام سارے کے سارے مالاکنڈ ڈویژن میں شرعی قوانین کے خلاف پر رضا مند ہو چکے تھے اور وہ اس کا عملی مظاہرہ دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر یہ سب کچھ اس کی شرائط پر ہونا تھا۔ بوئری کا اپنے اگھے ہدف کے طور پر انتخاب تقریباً یقینی طور پر ایک طرح سے حکومت کے لئے پیغام تھا۔ یہ سوات سے اسلام آباد کی طرف اگلی خلیع تھا جو اسلام آباد سے صرف 60 میل کے فاصلے پر تھا۔ جسی قومیں دروازے پر دستخط دے رہی تھیں۔ پاکستان کے مقتدر طبقے، سولہیں و فوجی، ذلت آمیر بخت سے دوچار ہو چکے تھے۔ ان کی طرف سے رعایت دینے کی حکمت عملی تکمیل طور پر ناکام ہو چکی تھی۔ اچاک یہ امکان نظر آنے لگا تھا کہ پاکستانی طالبان دریائے سندھ کے مغرب میں ساری کی ساری پشتوں سرزین کو اپنے زیر انتظام لانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

مگر بد قسمتی سے، یہ اس کا صرف انصاف تھا۔

## ممبئی، وقوعہ یونیورسی، اور امریکہ کی مشکلات

یہ صوفی محمد کے ساتھیوں ایں پلی کے تھی معاہدے سے دو ماہ قبل اور ملا نفضل اللہ کو یونیورسی میں واٹھے سے چار ماہ قبل 26 نومبر 2008 کی ایک شام تھی۔ وہ بھارتی مسلسل نوجوان جنوبی صینی سے تحصیل بندرگاہ کے علاقے میں کشتیوں سے برآمد ہوئے اور وہاں سے روانہ ہو گئے، بعض افراد یونیکسی کے ڈریلے اور بھض پیدل۔ اگلے سانچھے گھنٹوں کے دوران وہ ایک خاص مقصد کے ساتھ شہر کے اندر سے گزرتے ہوئے پہلے منصب کردہ مقامات پر رک چاٹے اور خوفزدہ ہجوم کو کہیں دیتی بہوں کا نشانہ بناتے اور کہیں خود کا رہنمایاروں سے فائزگر کر کے گزرتے رہے۔ جس وقت ان کا سفر اختتام پذیر ہوا اس وقت تک وہ 160 سے زائد افراد کو ہلاک اور 300 سے زائد کو زخمی کر چکے تھے۔ ان کے ٹھہرنے کے مقامات میں مرکزی ریلوے اسٹیشن، ایک مقامی ہسپتال، ایک مقبول و معروف کینیت، اندر وہن شہر واقع وہ ہوٹل چہاں مغربی ممالک کے سیاح اکثر قیام کرتے تھے، اور یہودیوں کا ایک گنام فلاحی مرکز شامل تھے۔ اس مرکز سے حراست میں نے لئے گئے بھض یہودیوں کو موت کے گھاث اتارتے سے قبل تشدید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ بھارت کے سکیورٹی ادارے بالکل اسی غفلت کا فیکار تھے اور حملہ ہونے کے بعد انہیں آخری وہشت گرد کوہتاں ہوٹل سے کھال باہر کرنے تک تمدن دین مسلسل جدوجہد کرنی پڑی۔ یعنی پر حملہ ان المیون کے بعد میں الاقوای وہشت گروہی کا ایک اور خیرہ کن مظاہرہ تھا، جس کے اثرات اس کے دورانیے کے باعث شدت کے حامل تھے اور اس کے ساتھی اسے غالباً ذراائع ابلاغ میں بہت سی زیادہ توجہ حاصل ہوئی۔ اس نے بھارتی باشندوں پر بالکل اسی طرح کے اثرات مرتب کئے جس طرح کتنا مین المیون نے

امریکی باشندوں کو ہلاک کر کر دیا تھا۔ ان دلوں و اتعات کے مابین مماثلت کی عکاسی اس طریقہ ہوتی ہے جو وہ اس کا حوالہ دیتے وقت کرتے ہیں۔ اسے 1/26 کے طور پر جانا جاتا ہے۔

اس حملے میں تو عدو بہشت گر ہلاک ہو گئے تھے۔ واحد نفع جانے والا بہشت گردہ نوجون تھا جس کا نام اجمل تھساب تھا۔ وہ ایک پاکستانی باشندہ نکل آیا جس کا تعلق ہنگامہ کے ایک پھوٹے سے دیہات فرید کوٹ سے تھا جو کراہور کے ہنوب میں 65 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ جیسا کہ اس نے جلد ہی اعتراف کر لیا تھا اس کا تعلق افغان طبیب سے تھا جس نے اس حملے کی مخصوصہ بندی اور عملدرآمد کا فریضہ سر انجام دیا تھا۔ ممیز حملوں کے نتیجے میں پاکستان اور بھارت ایک بار پھر جنگ کے دہانے پر پہنچ گئے، بالکل اسی طرح جیسے 2001 کے اوآخر اور 2002 کے اوائل میں باترتیب نیو ڈل میں افغان پار بہشت پر اور جموں میں بھارتی فوجوں کے اہل خانہ پر ہونے والے حملوں کے بعد ہوا تھا۔ بنیادی فرقہ شاپر کا تھا۔ شروع کے محلے اس طریقے کے دوران ہوئے تھے جب پاکستان جہادیوں کو شہیر کے اندر پہنچانے کے لئے بڑی سرگرمی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ دلوں ممالک کے درمیان تعلقات بہت ہی سرد ہو چکے تھے اور بھارت کے ذہن میں کارگل کی یادیں ابھی تک تازہ تھیں۔ ممیز کا معاملہ بالکل ہی مختلف تھا۔ یہ کچھ حد تک بالکل ہی اچاک ایسے موقع پر قوع پر ہونے والا واقع تھا جب پاکستان اور بھارت کے درمیان نسبتاً بہتر تعلقات تھے، اور اس کے نتیجے میں اس کا وہ مرحلہ بری طرح متاثر ہو کر رہ گیا جس کا آغاز دلوں ممالک نے پانچ برس قابل کچھ امیدوں اور رسمی تکلفات دھوم دھام کے ساتھ کیا تھا۔

اُن کے مرحلے نے پذایت خود 2002 کے اوآخر اور 2002 کے اوائل میں پیدا ہونے والے بھرمان سے جنم لیا تھا۔ اُس انتظامیہ نے دلوں ممالک کو جنگ کے دہانے سے واپس لانے کے لئے پر وزیر مشرف کو اس امر کا عہد کرنے پر رضامند کر لیا تھا کہ پاکستان کشیر کے اندر جہادیوں کے داخلے کے حوالے سے ہر طرح کی حمایت و تعاون سے مستقل طور پر دست کش ہو جائے گا۔ اس کے جواب میں امریکہ نے دلوں فریقوں کو مذاکرات کی بیز پر واپس لانے کی کوششوں کا لیقین دلا دیا تھا۔ کشیر میں واقعات کا قریب سے جائزہ لینے والے ایک سابقہ اعلیٰ فوجی عہدیدار نے بھیجے تباہی تھا کہ پاکستان نے اپنے حصے کی ذمہ داری تھا تھے ہوئے کشیر میں جہادیوں کی بھول اس کے ”ثبت حمایت“ سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ اس روئے کی کشیر میں مرنے اور زخمی ہونے والے

افراد کے اندازہ شمار سے بھی تصدیق ہوتی ہے، جن کے مطابق 2002 کے آغاز میں ملک واقعات کی تعداد میں نمایاں کمی واقع ہونے لگی تھی اور یہ رخان اس وقت تک جاری تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ کشیر میں جہادیوں کی دخل اندازی یا جہادی تنظیموں کی طرف سے حملوں کا سلسلہ بالکل ہی ختم ہو گیا تھا؛ یہ سلسلہ جاری ہے اور بھارتی ذرائع ابلاغ میں اکثر ویسٹ اس کا ذکر بھی ہوتا رہتا ہے۔ آج کل زیادہ تر سطح پر تنظیموں کی طرف سے ہی کے جارہے ہیں جو ایک عشرہ قلیل بھی ان کی ذمہ دار تھیں، یعنی حزب الجہادین لٹکر طبیہ اور جیش محمد۔ مگر پاکستانی فوج کی بھروسہ حمایت کے بغیر انہیں لائیں آف کنزول کے دوسرا طرف ضروری ساز و سامان لے جانے میں زیادہ مشکل پیش آری ہے۔ ایل اوی (LOO) کے دونوں طرف توپوں سے گولہ باری کا سلسلہ وقق و تقق سے نومبر 2003 میں بظاہر اس وقت تک جاری رہا جب بھارت اور پاکستان اس جنگ بندی معاهدے پر رضا مند ہو گئے جس کے نتیجے میں توپیں خاموش ہو گئیں۔ اس کے ساتھ ہی شال کی طرف سیاہن کلیہ بھر پر بھی براہی کا سلسلہ تھم گیا۔ سرے سے امن و امان قائم کرنے کے لئے ہونے والے مذاکرات کے اس سلسلے کا اختتام دو ماہ بعد جنوری 2004 میں اس وقت ہوا جب دونوں فریق جامع مذاکرات دوبارہ شروع کرنے پر رضا مند ہو گئے تھے۔

امن و امان کی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھنے میں امریکہ نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ یہ اہم تبدیلی میں اس وقت دیکھنے میں آئی جب بیش انتقامی پاکستان پر شدید دباؤ ڈال رہی تھی کہ قبائلی علاقوں میں القاعدہ کے چھپے ہوئے رہنماؤں کی حلاش میں فوج روانہ کی جائے۔ پاکستان کے نزدیک یہ دونوں پالیسیاں باہم مربوط تھیں۔ اس وقت حکومت کے ایک سابقہ اعلیٰ عہدیدار نے مجھے تایا تھا کہ واشنگٹن پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات کی بہتری کا اس لئے خواہاں تھا تاکہ پاکستان یکمیں کے ساتھ قبائلی علاقوں پر توجہ مرکوز کر سکے۔ ایک تر غیب کے طور پر امریکہ نے یہ وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ کشیر کے مسئلے میں دوپھی لینے کے ساتھ ہی اس حوالے سے ہونے والے مذاکرات کی ثبت سوت میں لے جانے کی کوششوں پر بھی تعاون کرتا رہے گا۔ اس عہدیدار نے یہ بھی بتایا کہ پاکستان نے امریکہ کی طرف سے کرائی جانے والی اس مبینہ یقین وہاں کو کشیر میں تحریک ان جہادی تنظیموں کو مختذل کرنے کے لئے استعمال کیا تھا جو کشیر میں سرایت کر جانے کی اپنی چدروں جہد میں فوج کے بھروسہ تعاون سے محرومی پر سخت نالاں تھیں۔ تاہم حکومت نے آزاد کشیر

میں جہادیوں کے ترمیٰ مرکز بند کرنے کے حوالے سے کوئی عملی اقدام نہ کیا، جہاں پر لفکر طبیب اور عجیشیں محمد لائیں آف کنزوں کے اس طرف سراہت کر جانے کے لئے اپنے جہادی تیار کرنے کا سلسہ جاری رکھے ہوئے تھیں۔ اسن مرحلے کے آغاز کے ایک برس بعد میں نے فوج کے ایک سابقہ اعلیٰ عہدیدار سے جو کہ کشیری نسل سے تعلق رکھتا تھا سوال کیا کہ پاکستانی حکام نے ان ترمیٰ مرکز کو بند کرنے کے لئے کوئی اقدام کیوں نہیں کیا تھا۔ اس کا جواب بالکل سیدھا اور صاف تھا۔ حکومت پاکستان ان کو اس نے سرگرمیوں سے منع نہیں کر رہی تھی کیونکہ یہاں کوئوں کے ناکام ہو جانے کے خطرے سے تحفظ فراہم کرتی تھیں۔ کیا یہ بات قابلِ فحش نہیں تھی؟ آخر کار جہادی عجیشیں دو واحد پوتھیں جو پاکستانی کشیری میں بھیل ملتا تھا۔

اگرچہ ان مرحلے کا آغاز دو ہر یقون کے مابین تعلقات میں حقیقی تبدیلی کی علامت نظر آتا تھا، مگر اس کے بہت کم واضح تائیگ سامنے آئے تھے۔ صیٰ واقعات کی صورت میں انجام نہ کر سکنے والے پانچ بررسوں کے دوران دونوں فرقے اہم تازعات کے حوالے سے کسی بھی معابدے پر بخوبی میں ناکام رہے تھے۔ زیادہ سے زیادہ جس بات پر اتفاق رائے دیکھنے میں آیا وہ ہماں اعتقاد پیدا کرنے والے اقدامات کی ایک ایسی بے ضرر بابے فائدہ حتم کی مختصر فہرست تھی جس میں سب سے اوپر سری گلر اور آزاد کشیر کے دارالحکومت مظفر آباد کے درمیان بس سروں کا آغاز تھا۔ یہ پھر دسرے حملہ کے بھرپور کو اس وقت یعنی نظر آیا تھا۔ تا ہم مارچ 2005ء میں، صیٰ واقعے کے چار ماہ بعد ایک، صیٰ نے یہ خبر دی تھی کہ بھارت اور پاکستان 2007ء کے آغاز میں مسلم کشیر کے حل کے اجتماعی تربیت پیشی پکے تھے۔ تقریباً تقریباً یہ تنبیہ خبر تبدیلی اس وقت واقع ہوئی تھی جب پردے کے پیچھے ہونے والے ازسرنو مذاکرات جو کہ اس سے قبل 1999ء میں ہونے والی لاہور سربراہی ملاقات کی طرح خیری طور پر منعقد کئے جا رہے تھے جبکہ اس سے کم شر آور جامن مذاکرات عموم کی نظروں کے سامنے کئے جا رہے تھے۔ اس مرتبہ مذاکرات کرنے والے افراد پر دینہ مشرف کا طویل عرصے کا ساتھی اور مشیر طارق عزیز اور ایک جہاں دیدہ بھارتی سفارت کار تھے۔ کوئی کے مطابق معاہدے کے مسودے کے مطابق کشیری میں مسلمان اکثریت کو اچھی خاصی خود یقینی کے ساتھ ہاں لائیں آف کنزوں کے دونوں جانب رہنے والے کشیریوں کو سرجد کے اس پار آنے جانے کی آزادی بھی حاصل ہو جاتی۔ بھارت اور پاکستان کی فوجیں خطے سے بتدیج و اپس بلائی

جا تینی، جبکہ اپنی طریقے میں کے تحت ایں ادی کے دلوں اطراف سیاسی اور اقتصادی مسائل کے حل کی طرف طریقہ میں رفت کی جاتی تھی۔

ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ کچھ مجاز و معاملے کے تحت اس چھڑائی تازے کے حوالے سے کوئی حق نہیں رکھی گئی تھی جو کہ مسئلہ کشمیر کی بڑھتی کشمیر کو اتنی آف کمزول، وریائے چناب یا کسی بھی اور منفرد سرحد کے ساتھ ساتھ مستقل پنجاب دوں پر تقسیم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ یہ ایک انتہائی مشکل اور بوجیدہ مسئلہ تھا۔ چونکہ پاکستانی کسی طرح بھی اس طرح کا کوئی معاملہ حلیم کرنے پر تیار نہیں تھے جس کے تحت وادی کشمیر پر بھارت کی مستقل بالادستی حلیم کرنے کا امکان نظر آتا تھا، اس لئے انہوں نے اس امر پر اصرار جاری رکھا کہ معاملہ لا زماں عبوری نویجت کا ہونا چاہئے۔

اس پر پدرہ برس بعد نظر ٹھانی کی شش شاہل کری گئی تھی۔ اس وقت کے پاکستانی وزیر خارجہ خورشید قصوری نے بعد ازاں کول کی طرف سے بیان کر دیا، بہت سی تفصیلات کی تصدیقیں کرو دی گئیں۔ اس نے نیویار کر کے ایک مضمون کے لئے کول کو دیئے جانے والے انٹرویو میں کول کو بتایا تھا کہ 2007 کے اوائل تک دلوں فریق معاملے کو حصی ٹھل دینے کے اتنے قریب بیٹھ گئے تھے کہ صرف شام و قلعے یا سکی کولون کے نشانات پر ہی اختلافات ہاتھی رو گئے تھے۔ اسی طرح کا بیان ایک اعلیٰ بھارتی عہدے دار نے بھی دیا تھا۔ معاملہ بھی پا یہ تھیں تک نہیں پہنچا، جس کی پوشیدہ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ مشرف اس وقت خود کو سیاسی طور پر اتنا مضبوط محسوس نہیں کر رہا تھا کہ عوامی سٹل پر اس کی حمایت حاصل کر سکتا۔ وہ امریکہ کے ساتھ اپنے اتحاد کی وجہ سے پہلے ہی مشکلات کا فنا تھا اور پریم کورٹ کے چیف جسٹس کو مطلع کر دینے کے فیصلے کے نتیجے میں مزید بحران کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔

مگر کہاں بیہاں تمام ہوئی نظر نہیں آتی۔

اگرچہ قصوری نے کول کو یہ بتایا گیا کہ فوج نے معاملے کی حمایت کر دی گئی، مگر مجھے تکمیل ہتھیا گیا کہ اس طرح نہیں تھا۔ جس وقت دلوں فریق معاملے کے مسودے کے اندر ششم و فتوں یا سکی کولون کو حصی ٹھل دے رہے تھے، تو طارق عزیز نے فوج کی اعلیٰ قیادت یعنی کورکمانڈروں کو مجاز و معاملے کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا۔ مشرف بھی موقع پر موجود تھا۔ پاکستان کے ایک سابق اعلیٰ سفارت کار نے جو فریقین میں سے ایک کے ساتھ بات کر چکا تھا، مجھے بتایا کہ اگرچہ مشرف نے معاملے کی بھرپور حمایت کی تھی، مگر کورکمانڈر قاتل نظر نہیں آ رہے

تھا اور پریشان تھے۔ ان میں سے اکٹھ کوٹھ تھا کہ بھارت پر معاهدے کی شرائط کی پاسداری کے حوالے سے مکمل اختصار کیا جاسکتا تھا۔ انہیں سب سے زیادہ فلسفہ جوں کی واپسی کے حوالے سے لاحق تھی کیونکہ اس طرح کے کوئی شاہد موجود نہیں تھے کہ معاهدے میں فوجوں کی واپسی کی گرفتاری کے عمل یا اس کی پاسداری کے حوالے سے کوئی طریقہ کار شامل تھا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا، پاکستان نے ناژم کشمیر کے ابتدائی دنوں میں اقوامِ تحدہ کی استحواب رائے کے حق میں منظور کردہ قراردادوں کے مطابق آزاد کشمیر کے اندر سے فوجیں واپس بلانے سے انکار کر دیا تھا، کیونکہ اسے خوف تھا کہ بھارت موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے خاتمہ کروہ علاقے میں اپنی فوجیں داخل کر سکتا ہے۔ بھارتی فوجوں کی واپسی کے عمل کی گرفتاری کے حوالے کسی طریقہ عمل کی عدم موجودگی میں پاکستانی یقینیت ہجزاز کو غائب یہ خوف تھا کہ بھارت دوبارہ اس طرح کرنے کا ارادہ کر سکتا تھا۔

ناہم مسئلہ صرف فوج کا نہیں تھا۔ پاکستان کے لئے معاهدے کے حوالے سے کشمیری مسلمانوں کو آزاد کرنا بھی مشکل نظر آ رہا تھا۔ جبکہ مذاکرات اپنے اختتام کی طرف جا رہے تھے تو کشمیر میں اہم مخالف چیزوں سے خیریہ صلاح مشورہ کر لیا گیا تھا، اور ان کی اکثریت اس سے اتفاق کر چکی تھی۔ گران میں سے ایک اہم فریق ابھی بھی رضامند نہیں تھا۔ یہ جماعت اسلامی کی کشمیر شاخ کا طویل عرصہ سے چلا آئے والا رہنمایہ علی گیلانی تھا جیسا کہ قصوری نے بعد ازاں اعتراف کیا تھا، گیلانی کسی بھی ایسے معاهدے پر ہرگز تیار نہیں تھا جس کے تحت کسی ایسی حصی جغرافیائی حصی پر اتفاق نہ کیا گیا ہو جس کے مطابق کشمیر کے مسلم آبادی والے علاقے کو پاکستان کے ساتھ ملن کیا جاسکے۔ اس کا سخت گیر انکار اہمیت رکھتا تھا، مگر اس لئے نہیں کہ واری میں اس کو مقبولیت حاصل تھی بلکہ اس لئے بھی کہ پاکستان کے اندر مکمل عمل کے حوالے سے یا انکار کیا ظاہر کرتا تھا۔ جماعت اسلامی بھی یقیناً اس کی مخالفت کرتی اور سب کچھ ان یک لوگوں پرست باغیوں کو کرنا تھا، جن کی اکثریت فوج سے قریبی روابط رکھتی تھی اور جن کے لئے کشمیر میں پاکستان کے جغرافیائی مقاصد کا حصول ایک خوب کی طرح ان کے ذہن پر سوار تھا۔ اور پاکستانی جہادی چیزوں کا کیا رو عمل ہوتا تھا؟ لشکر طیبہ اور جیش محمد کو ایک ثابت معاهدے کی توقع میں انتفار کرنے کی تائید کر دی گئی تھی۔ ایک ایسے معاهدے پر ان کا کیا رو عمل ہوتا تھا جو ان کے نزد ایک ایک عظیم تمثیل کے

حوالے سے کم از کم پندرہ برس تک کسی طرح کی پیش رفت کے امکان سے خالی نظر آتا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ مجوزہ معابده کشمیر کی خود مختاری بھارت کے حوالے کرنے کا ایک دلیل تھا مگر اس کا انہمار نہیں کرتا نظر آتا تھا۔ یہ کوئی نیا خیال یا تجویز نہیں تھی۔ اس کا نجوزہ بھرے سامنے سب سے پہلے 2000 میں اس سابقہ کتابی یا پڑھاؤ پاکستانی یونیورسٹی جزل نے چیز کیا تھا جس کے پاکستان کی طرف سے اشیٰ بھتھاروں کے استعمال اور جہاں گیر کرامت کے سر پر منڈلاتے ہوئے اس علیٰ پر تحریر کا حوالہ میں نے باب نمبر 2 میں دیا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے شچاہتے ہوئے بھی یہ تجویز اخذ کر لیا تھا کہ پاکستان کشمیر کے مسئلے پر بھی فتح حاصل نہیں کر سکتا تھا اور اسے کشمیر سے باعزت طور پر دستبردار ہونے کی ضرورت تھی۔ اس کی جھوپڑی، جو کہ بتول اس کے وہ چھوٹی چھوٹی مخلوقوں میں ہونے والے مباہشوں میں منوانے کی کوشش کرتا رہا تھا، یہ تھی کہ ایک ایسا معابدہ ہوتا چاہے جس کے مطابق کشمیر کی مکمل خود مختاری بحال کر دینے کے ساتھ ہی لائن آف کنٹرول کے ساتھ ساتھ ایک کھلی سرحد قائم کروی جائے، مگر جفرانیائی مسئلے پر کسی قسم کا موقف اختیار نہ کیا جائے۔ اس کی تجویز ابھی ابتدائی مرحلے سے ہی گزر رہی تھی اور اس کی بہت سی تحسیلات جو کہ بعد میں سامنے آنے والے معاہدے کی شرائط سے مماثلت رکھتی تھیں بعد ازاں پس پردہ منعقد کئے جانے والے ناکرات میں کام آئی تھیں۔ مجھے اس کا کوئی علم نہیں ہے کہ آیا جزل کو اپنی اس سوچ کے حوالے سے پرویز مشرف سے بھی تاوہل خیال کرنے کا موقع ملا تھا یا نہیں جس کو وہ بہت قریب سے جانتا تھا، تاہم اس وقت میرا یہ خیال تھا کہ اس طرح کی تجویز ہی نالیما مسئلے کشمیر کے واحد حقیقت پسنداد مل کی طرف لے جاسکتی تھیں۔ تاہم اس وقت بھی، اب کی طرح، مشکل یہ تھی کہ پاکستانی حکوم کو اس پر کس طرح آمادہ کیا جائے۔ مشرف جو کہ اقتدار میں آتے وقت کشمیر کے مسئلے پر بہت سخت موقف رکھتا تھا، آخر کار خود کو اس تجویز کے حوالے سے آمادہ نہیں ہوا۔ یہ ممکن ہے کہ مشرف اس تجویز کو اس وقت منوانے کی کوشش کر لیتا جب اس کی سیاسی ساکھ بہت مضبوط تھی، مگر اس کے باوجود اسے زبردست خلافت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس حوالے سے کچھ واضح نہیں ہے کہ آیا لفڑی طیبہ کو میں مخلوق سے قبل اس طرح پیش رفت کا علم تھا یا نہیں۔ حکام بالا کی آشیز باد سے اس کے قائد حافظ سعید نے 2002 کے شروع میں حکومت کی طرف سے رجی پابندی عائد کر دیے جانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنی خلیم کا نام

تجدیں کر کے جماعت الدینی رکھ دیا تھا اگرچہ لٹکرنے فوج کی بھرپور حیات کے بغیر ہی کشیر کے اندر پہنچے چہاری سوائیت کروئینے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا، تاہم اس کی زیادہ توجہ پاکستان کے اندر اپنی سرگرمیوں پر مرکوز رہتی۔ اس نے اپنی خیراتی سرگرمیوں کے ذریعے اپنا وقار اور ارشاد رسوخ برقرار رکھنے کی کوشش جاری رکھی۔ اس کا سب سے زیادہ فائدہ اسے کشیر میں اکتوبر 2005 میں آئے والے جاہ کن زلزلے کے دوران ہوا جب آزاد کشمیر میں اس کے تربیتی مرکز کی طرف سے قائم کی گئی بنیادی سہولتوں کے ڈھانچے کے ذریعے زلزلہ زدگان کو سہارا دینے والی اشیاء اور طبی امداد کی فراہمی اس کے لئے آسان ہو گئی تھی۔ اس کی کارکردگی کی پدالیں، جو کہ نہایت غیر موقوفہ تھیں کے سرکاری اداروں کی کارکردگی سے بہت عیا زیادہ تھیں، اسے پاکستانی عوام میں بہت زیادہ قدرو منزرات اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس حوالے سے بھی کچھ شوت ملا ہے کہ ہو سکتا ہے لٹکرنے اس طریقے کے دوران چہار کے متعصب کے ہیں نظر اپنی کچھ سرگرمیوں کا رخ افغانستان کے میدان بجگ کی طرف کر دیا ہو۔ تاہم حظیم اس کوششوں کی ناکامی اور کشیر میں جاری اپنی سرگرمیوں کے حوالے سے پاکستانی حکومت کے تعاون کے خاتمے پر خاصی مابیوس نظر آنے لگی ہے۔ بھارت کے اسلام کے مطابق لٹکرنے جولائی 2005 میں مبینی کے قریب فوجوں پر کے جانے والے پر درپے بیم و ہماکوں کے لئے ایک انتہا پسند بھارتی اسلامی حجتیم کا تعاون حاصل کیا تھا، جن کے نتیجے میں 200 سے زائد افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ مگر یہ واقعہ، اگرچہ اس میں زیادہ انسانی جانیں ضائع ہو گئی تھیں، اس طرح کی شخصی اور تاثر پیدا کرنے میں ناکام رہا جو 28 نومبر (26/11) کے واقعے کے نتیجے میں پیدا ہوا تھا، اور جو اس کے مخصوص سازوں نے ذرا کم ایسا غیر معمولی توجہ حاصل کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔

پاکستان مبینی واقعے کے دوران ہونے والی ملاکتوں اور اجمل قصاص کے اس ابتدائی اعتراف کے نظرات سے بالکل ہی غالباً نظر آتا تھا کہ اس واقعے کے پس پر دہلکھلیبہ کا تھا تھا۔ اسے بھارت خاص طور پر اس کے وزیر عظم من موبین سنگھ کی جانب سے عائد کردہ اس اسلام پر بھی بہت تکلیف محبوس ہوئی کہ اس واقعے میں پاکستانی حکومت کا باتھ تھا، اس کا اشارہ صاف صاف آئی ایس آئی کی طرف تھا۔ جیسا کہ اس سے قبل ہوتا آیا تھا، امریکہ فوری طور پر بڑاں کے حل کی کوششوں میں مصروف ہو گیا تھا تاکہ صورتحال قابو سے باہر نہ ہو جائے۔ پاکستان نے پہلے پہل

وفاقی رو عمل ظاہر کیا اور اس امریکی تزویہ کی کہ حملہ آور پاکستانی تھے۔ تاہم آخراں لگتے کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو کر آئے والے ماہ فروری میں لٹکر کے آپریشن کماڈرڈ کی الرٹن لکھوی اور اس کے بے شمار ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ نومبر میں لکھوی اور اس کے سات عدو ساتھیوں پر معمی حلول کی مخصوصہ بندی کرنے کے حوالے سے باقاعدہ فوج جرم عائد کرو گئی۔ یہ سب چکھے 26 نومبر کے حلول کے تقریباً ایک ہر سی بعد ہوا۔ پاکستان نے لٹکر کے قائد حافظ سعید کو بھی لٹکر کے اندر نظر بند کر دیا تھا، اگرچہ حکومت کے دعوے کے مطابق اس کامیابی حلول میں ملوث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملا تھا۔ اس مطہر و مقدم عدم شہادت کی بناء پر لاہور ہائی کورٹ نے جون 2009 کے شروع میں اس رہائی کے احکامات جاری کر دیے۔ حکام نے مظفر آباد اور پاکستان کے دمگر بے شمار شہروں میں لٹکر کے قائم کردہ مرکز پر چھاپے بھی مارے گرے 2001 کی طرح، جنہیں کے خلاف بہ حیثیت مجموعی کوئی کارروائی نہ کی۔

2010 کے موسم بہار میں بھارت نے پاکستان کے ملوث ہونے کے حوالے سے اذامات کا دوبارہ اعادہ کیا۔ اس مرتبہ ان کے دعوے کے مطابق ایک پاکستانی نژاد امریکی شہری ڈیوڈ ہیڈ لے نے انہیں کچھ مثبت فرایم کے تھے۔ اسے ایک امریکی عدالت کی طرف سے اس جرم میں سزا بھی نادی گئی تھی کہ وہ حلول کے لئے عکس اہداف کا جائزہ لینے میں لٹکر کی محاولات کے لئے معمی کے دورے پر بھی گیا تھا۔ اپنے انتہی یوں کے لئے آئے والے تفتیشی افروں کو اس نے بتایا کہ اس ساری کی ساری کارروائی میں آئی ایس آئی قدم قدم پر ملوث رہی تھی۔ اگرچہ اس کے اذامات کو سرے سے اسی ستر دنیں کیا جاسکتا، تاہم اس امر پر یقین کرنا مشکل ہے کہ جزل کیا تھی، پاکستان کے فوجی سربراہ اور سابقہ ذی ملی آئی ایس آئی نے جانے بوجھے ایسے حلول کی اجازت دی ہو جن کا مقصد ایسے مقامات کو نشانہ بنانا ہو جہاں غیر معمولی افراد کثرت سے آتے جاتے رہتے ہوں۔ میں نے یہاں جزل کیا تھی کہ اس لئے کیا ہے کیونکہ اس طرح کی مخصوصہ بندی کی غیر معمولی اہمیت اور اثرات کے پیش نظر آئی ایس آئی نے جزل کیا تھی کی ذاتی اجازت کی ضرورت محسوس کی ہو گئی۔ یہ امر واضح نظر آتا ہے کہ معمی حلول کی مخصوصہ بندی اس طرح کی گئی تھی کہ اس واقعے کو زورائی بالآخر میں زیادہ سے زیادہ سختی خیز انداز میں پیش کرنے کا مقصد حاصل ہو سکے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح نظر آتا ہے کہ یوں پاکستان پر اذام لگتے کے ساتھ ہی اس کی عالمی سطح

پر بھی نہ مدت کی جائے گی۔ یہ نکتہ سمجھنا اتنا مشکل نہیں ہے کہ آنحضرت طیبہ پاکستان اور بھارت کے تعلقات کیوں خراب کرنا چاہتی ہوگی، مگر یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا پاکستان کو کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔ بعد ازاں بھارت نے یہ خیال پیش کیا تھا کہ پاکستان کا در حاصل چیز پر دینے حقیقی مختصر یہ رہا ہوا کہ لٹکر کے ارکان کہیں اس تنظیم کا ساتھ چھوڑ کر نہ چلے جائیں یا پھر کہیں القاعدہ یا پاکستانی طالبان کے ساتھ نہ جائیں۔ تاہم اگر سخیدہ محرب میںی رہا ہو تو ان کے لئے اس سے بھی بہت بہتر طریقہ یہ ہوتا کہ وہ سیلا بکار دینے کی طرف کرو دیتے۔ تاہم اس کے باوجود اس امر کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ ایسا ہوا تھا۔ جو کچھ بھی ہو، صحیح حلولوں میں آئیں ایس آئی کے کاروائے بغیر بھی حقیقت یہ ہے کہ پنجاب سے تعلق رکھنے والی ایک جہادی تنظیم کی طرف سے جس کے آئی ایس آئی سے روابط کوئی اسی داخلی چیزوں بات نہیں تھی، صحیح کی طرف کے حلولوں کی منسوبہ بندی اور ان پر عملدرآمد بذات خود بھی اچھا خاصا قابل مدت فہل تھا۔ اس سے ایک مرتبہ پھر یہ ثابت ہو گیا تھا کہ پاکستان جن جہادی تنظیموں کی حمایت و امداد کر رہا تھا ان کو حدود میں رکھنے کے لئے اس نے کوئی اقدامات نہیں کئے تھے۔

اور یہ حقیقت بھی مساوی طور پر قابل مدت ہے کہ اگرچہ لٹکر طیبہ نے تاریخ کے دور سے سنتی خیز ترین حلولوں کی کاروائی سرانجام دے دی تھی، مگر پاکستان کی طرف سے اس تنظیم کو غیر موثر کرنے کی کمی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ جوانی کاروائی کے طور پر صرف چدایک مہر موں کو گرفتار کر کے پاکستان یہ ثابت کرتا نظر آ رہا تھا کہ اس کاروائی کی وحدداری صرف لکھوی اور لٹکر کے ایک چھوٹے سے باقی دھڑے پر عائد ہوتی ہے اور حافظہ سعید اور باتی ماندہ پر اس کی ذہداری عائد نہیں ہوتی۔ اس طرح کا اشارہ یا کنایہ اگرچہ کمی بھی خود پاکستان کی طرف سے نہیں دیا گیا، مگر یہ زیادہ قابل فہم نظر نہیں آتا۔ اس امر کا بہت اتنی کم امکان نظر آتا ہے کہ لٹکر کے آپریشن مکاذر نے اس طرح کے تباہ کن اثرات کے حال اپنے سے فوراً اور پیشے ہوئے عجید یار کی رضا مندی حاصل کئے بغیر اور یوں تنظیم کے اندر بڑے پیلانے پر بہوت پڑ جانے کے خطرے کو نظر انداز کر کے سرانجام دیتے ہوں۔ اور پھر بھی تنظیم میں کسی طرح کے انتشار کے آثار نظر نہیں آئے تھے۔ اس کی بجائے تنظیم کی سلیت کو برقرار رکھنے کے لئے لکھوی کو قربانی کا بکرا بنا کر پیش کر دیا گیا۔ اس دوران پاکستان نے اس واقعے میں اپنے ملوث ہونے کے الزام کی شدت سے تردید کر کے،

تو انہیں دضواطی کی آزلیت ہوئے، ہیند لے کو جھونا قرار دینے کے ساتھ ہی حافظہ سعید کے خلاف کسی طرح ثبوت کے مبینہ فقہان پر کندھے اپنکا کر خود کو اس صورتحال سے بری الذمہ قرار دینے میں کامیابی حاصل کری۔

تاہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحنی چیزیں خوفناک واقعے کے بعد بھی لٹکر کو مسلسل تختہ فراہم کرنے کا کیا مقصد ہے؟ اس حکمت عملی کے پس پرده صاف ظاہر ہے کہ کشمیر میں باہمی تعاون کی طویل تاریخ کا رفرما ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حتیٰ کہ جب فوج نے کشمیر کے اندر ماخت کی مرگ میں ان کے حوالے سے اپنا بھرپور تعاون بھی ختم کر دیا تھا، اس وقت بھی پاکستان لٹکر کو سلسل اپنی یہید پالیسی بھی بھارت کے حوالے سے کامیاب خارجہ پالیسی کی خلافت سمجھتا رہا۔ صحنی کی طرح کے واقعات کے مستقبل میں موقع کے پذیر ہونے کے خطرے کے باوجود وہ، اپنے ان اصل پتوں کی قربانی دینا مشکل ہوتا ہے جو آپ کے خیال میں اس کھیل کے لئے ضروری ہوتے ہیں جو آپ کی نظر میں سب سے اہم کھیل ہوتا ہے۔ تاہم اس صورتحال کے کچھ اور پہلو بھی ہیں۔ بہت اسی زیادہ دھڑوں میں تعمیر جیش محمد کی چدائیک ہاتیات کے ہمنداشتی کے ساتھ، لٹکر طبیہ ملکی سلط کی وہ واحد جہادی تنظیم ہے جو کبھی بھی ریاست کی خلافت پر نہیں آئی، پاکستان اس کو اسی قتل میں دیکھتے رہنا ہی پسند کرے گا، اور یقیناً اس کی بہت مناسب وجد بھی موجود ہے۔ لٹکر ملک کے پنجابی علاقوں کے مرکز میں واقع سب سے بڑی اور انتہائی دیدبے والی شدت پسند اسلامی تنظیم ہے۔

2009ء میں نیو یارک ٹائمز کو انتہوں یو ڈیتے ہوئے ایک دریافتی سلط کے آئیں آئی آفسرنے بتایا کہ اس تنظیم کے ارکان کی تعداد ڈیزین ہلاک ہے۔ اس نے خیال خاہر کیا کہ انگریز جیش محمد کو بھی ساتھ ملا لے تو پورے پاکستان میں قیامت برپا کر سکتی ہے۔ اس سے کبھی بڑی سلط کے ایک اور قابل ذکر سابق پاکستانی عہدیدار نے جو کہ اس حوالے سے زیادہ پاکستانی تھا کہ یہ استطاعت رکھنا نظر آنا تھا کہ آئی ایس آئی لٹکر کے حوالے سے کیا سوچ رکھتی تھی، مجھے بتایا کہ اس کو یقین تھا کہ یہ تعداد بہت اسی زیادہ بتائی گئی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس کے تربیت یافتہ جہادیوں کی تعداد 25000 کے لگ بھگ ہو گی۔ تاہم یہ بہت اسی دیدبے والی تنظیم ہے جو کہ پاکستان کی ہر لحاظ سے بہترین تنظیم جہادی تنظیم ہے۔ لٹکر کی طرف سے خوف وہ راس کی جو فتاہ یہ اسی جا چکی تھی یا اس کی جو تربیت تھی اس کی عکاسی لاہور کے ایک معروف صحافی کے اس تبصرے سے ہوتی ہے جو اس نے میرے ساتھ گفتگو کرتے

ہوئے کیا تھا کہ اگر لٹکر چاہے تو صرف 5000 افراد کی تعداد کر بخاپ کے دار الحکومت پر صرف ایک دن میں بند کر لے۔ اس کے بیان کے مطابق پولیس کا درود و رسم نام و نشان ہی نظر نہیں آئے گا۔

2009 کی بھارتی، میں جملوں کے فوری اشارات کے تحت ملک کے اندر موجود شدت پسند اسلامی تنظیموں سے نئی نئی کوشیوں کے خواہ سے پاکستان کی بھی یادِ نصیبی اپنی امتحان پر پہنچ چکی تھی۔

میں جملوں کے باعث بھارت کے ساتھ تحریر ہونے والے کمی روشن امکانات کے حال پر اس نہ اکرات اچاک قتل کا شکار ہو کر رہ گئے تھے اور ساتھ ہی پاکستان کی میڈیا اقوای اسٹریپر خستہ حال سا کہ بھی مزید داندار ہو گئی تھی۔ ملک کے مغرب میں حکومت نے اگرچہ قبائلی علاقوں کو تقریباً تقریباً پاکستانی طالبان کے خواہ کر کے رکھ دیا تھا، مگر اس کے باوجود اس کے فائح دشمنوں کی طرف سے دہشت گرد جملوں کا سلسلہ بندوق جاری تھا۔ شاید سب سے زیادہ شرمناک حقیقت یہ تھی کہ انہوں نے اوسی سوچ میں لکھم و سق چلانے کے اپنے حق سے عملہ و تبرداری ظاہر کر دی تھی اور یہ ملاظل اللہ کے پاچھوں مزید ذمیل ہونے تھیں۔ میں جس سے مخفف ہو کر جتوںی انداز میں اپنے جہادیوں کو جنوب میں اسلام آباد کی طرف واپس یونیک جائب بھجوادیا تھا۔

یہ وہ وقت تھا جب آخر کار پاکستان کو حربت میں آتا ہوا۔ پاکستانی طالبان اپنی حدود سے کہیں آئے نکل چکے تھے۔ فوجی علاقوں سے قریبی روایات رکھنے والے ایک اعلیٰ سطح کے سابقہ پاکستانی سفارجکار نے مجھے بتایا کہ یونیورسٹی و ائمہ کے چیل نظر، پاکستانی حکومت، فوج اور سولیمان سب ہی تاکیوں ہو گئے تھے کہ اگر طالبان کو روکا نہ گیا تو وہ مسئلہ پیش قدمی کرتے رہیں گے۔ اب وقت آپ کا تھا کہ انہیں واپس و عکیل دیا جائے۔ خاص طور پر حکام کو یہ احساس بھی ہو گیا تھا کہ اب عوایی رائے بھی تحریک طالبان کی مخالفت میں جانا شروع ہو گئی تھی۔ اس حد تک کہ بہت سے پاکستانیوں کی رائے میں قبائلی علاقوں اور سوات میں پیدا کردہ مسائل کی ذمہ داری امریکہ پر یا پھر پر یونیورسٹری پر عائد ہوتی تھی۔ جس نے امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس کا ساتھ دینے پر رضا مندی ظاہر کر دی تھی۔ یہ ان کی طرف سے کی جانے والی کارروائیاں ہی تھیں جس نے پاکستانی طالبان کو یا است کا وہی بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ روایتی داش کے مطابق یہ مسائل اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے تھے جب تک کہ امریکہ اس خطے سے چلا نظر نہیں آتا تھا جس کے فوری طور پر کوئی آثار نہیں تھے۔ اگرچہ ان امریکہ کا لفڑ رویوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی، مگر

پاکستانی طالبان کے حوالے سے روایے ضرور تبدیل ہو چکے تھے۔ ملکی سٹرپ پر جاری دہشت گردی کی اہرنے جس کے پیچے تحریک طالبان کے قائد میت اللہ مسعود کا ہاتھ تھا، ایک اہم کردار ادا کیا تھا۔ تاہم عام لوگ پاکستانی طالبان کے اس دھیانہ طرز حکومت سے بھی سخت بیزاری محسوس کرنے لگے تھے، جسے کہ ذرا سُچ ابلاج میں پاکستان کے اندر بھی بہت نمایاں طور پر عیش کیا جا رہا تھا۔ سوات میں ایک نوجوان لڑکی کو بے رحمی سے کوڑے مارنے کا منظر دکھانے والی ایک ویدیو نے بھی سخت استعمال پیدا کر دیا تھا۔ اس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ ایک ایسے مرد کے ساتھ چلتی پھرتی دیکھی گئی تھی جو کہ اس کا خادم نہیں تھا۔ سروں کی شناخت سے عاری یا لطیف جذبوں سے محروم فضل اللہ کے جہادیوں کی فوق نے یہ ویدیو اپنی ہی جسم کی شریعت کے انصاف کی ایک مثال کے طور پر جاری کی تھی۔ جیسے اسی پاکستانی طالبان پنجاب کے قریب پنچھے لگے عام پاکستانی خوف و دہشت میں جلا ہو گئے۔ جو چیز پسلے ایک دو دراز کا تصور گر رہی تھی اب یکدم سر پر منڈلاتی ہوئی خوفناک حقیقت بن چکی تھی۔ یہ وہ طریق نہیں تھا جس کے مطابق بہت سے پاکستانی، جن کی اکثریت صوفیانہ اسلام کے بریلوی یا گاروں پر مشتمل تھی، کسی کی حکمرانی میں رہنا چاہتے تھے۔ پاکستانی طالبان ان کے طرز زندگی کے لئے ایک خطرہ تھے۔

اپریل 2009 کے اختتام مکمل فوج ہوتی میں داخل ہو کر فضل اللہ کے جہادیوں کو لکال باہر کرنے کا عمل شروع کر پچھی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے سوات میں ایک بڑی کارروائی کرنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں جس کا نام انہوں نے ”رائٹ پاٹھ“ یا راہ راست رکھا تھا۔ اپنی گزشتہ کوششوں کو داندار کر کے رکھ دینے والی سول میلین اسوات احادیث سے پوری طرح آگاہ ہونے کی وجہ سے فوج نے سول میلین آبادی پر علاقہ چھوڑ دینے کے لئے دباوڑا لانا شروع کر دیا۔ جس کی تحریک کرتے ہوئے لوگوں نے پڑی تعداد میں دہاں سے لکل کر صوبہ سرحد کے درمیے علاقوں میں اپنے دوستوں اور رہشت داروں کے ہاں پناہ لئی شروع کر دی، مگر ان کی اکثریت نے جلدی میں دادی سوات کے باہر حکومت کی طرف سے تغیر کر دہنہاں گزین مراکز میں پناہ لے لی تھی۔ بعض اندازوں کے مطابق سوات اور اس سے متصل علاقوں میں ہونے والی بڑائی سے بچتے کے لئے کوئی 30 لاکھ کے قریب افراد اپنے گھر چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے جو کہ سرچکار دینے والی تعداد ہے۔ مگر کے اوائل میں فوج نے پورے عزم اور جوش کے ساتھ سوات میں داخل ہونا شروع کر دیا تھا۔ ماہ کے

آخر میں پاکستانی طالبان کو سوات کے سب سے بڑے شہر مونورہ سے باہر دھکیل دیا گیا تھا اور فوج نے بڑے مخصوص انداز میں اوپر واوی کی طرف بڑھتے ہوئے ایک کے بعد وسرے قبیلے نے فضل اللہ کے چہار یوں کو باہر کالا شروع کر دیا تھا۔ پاکستانی طالبان کو بہت زیاد جانی تھیں انھا تا پڑا تھا اگرچہ فضل اللہ بذات خود گرفتاری سے فتح جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جولائی کے اوائل میں فوج ساری کی ساری واوی خانی کروانے میں کامیاب ہو گئی تھی اور فضل اللہ کے بکھرے ہوئے جہادیوں کا صفائی کرنے کی کارروائیوں میں معروف تھی۔ سوات کے باشندوں نے اپنے گروں کو اونٹا شروع کر دیا تھا۔ صوفی گھوگھو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ فوج کو فتح حاصل ہو چکی تھی۔ فوج کی فتح کیونکر ممکن ہوئی؟ سولین آبادی سے علاقے خانی کروانے کی حکمت عملی نے انہم کراویا کیا تھا کیونکہ اس طرح سے سولین آبادی کو چونچنے والے تھیانات کے خدشے سے نجات مل گئی تھی۔ مگر حاصل وجہ یہ تھی فوج نے اس مرتبہ پہلے سے بہت زیادہ فوگی دستے روانہ کئے تھے۔ جوں کے وسط میں جبکہ جارحانہ کراویاں ابھی پورے عرصہ پر تھیں، سوات میں ایک پاکستانی کا بڑگ بڑل نے صحافیوں کو بتایا تھا کہ فوج نے اس کارروائی کے لئے چالیس ہزار جوانوں پر مشتمل دستے مخصوص کئے تھے۔ اس کے مطابق یہ تعداد لال مسجد کے واقعے کے بعد سوات سے فضل اللہ کے جہادیوں کو دھکیل باہر کر دینے کی کوششوں کے وقت مخصوص کئے گئے فوجیوں کی تعداد سے چار گناہ زیاد تھی۔ اس صورت حال کو ڈاکن میں رکھتے ہوئے کہ اس نے ماشی میں اپنے قبضے میں آنے والے علاقے طالبان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے تھے، فوج نے اس مرتبہ اعلان کر دیا تھا کہ جب تک پاکستانی طالبان کا خطرہ موجود تھا تو وہ علاقہ چھوڑ کر جیسیں جائے گی۔ 15 جولائی کو جبکہ کارروائی اپنے اختتامی مرحلہ تک پہنچ گئی تھی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ جنوبی وزیرستان میں داخل ہو کر سوات میں اپنی کوششوں کا تسلسل چاہتی ہے۔ مخصوص بدی کے مطابق بیت اللہ مسود کو وہاں سے نکال باہر کرنے کے بعد ملک کے اندر اس کی دہشت گرد کارروائیوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جانا تھا۔ پاکستانی حکومت کے مطابق سوات کوئی ایکلی یا الکی الگ تحملگ کوشش نہیں تھی بلکہ ان پاکستانی طالبان کو جہا کر کے رکھ دینے کی وسیع تر کوششوں کا پہلا مرحلہ تھا جنہوں نے ریاست کے خلاف تھیار اٹھائے تھے۔

اگرچہ 15 جولائی کے اعلان سے یہ توقعات پیدا ہو گئی تھیں کہ جنوبی وزیرستان پر

چار جانشی کا آغاز ہونے والا تھا، مگر کارروائی کو آخراً تین ماہ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ جس پر بہت سے ملتوں نے حیرت و ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔ ایک مسئلہ ساز و سامان کی نقل و حمل کا بھی تھا۔ چونکہ فوج سوات کو رفاقت حصار میں رکھنے کا تھیر کر چکی تھی، اس لئے اسے علاقے کے اندر رکار اضافی دستوں کے لیے تھیں اور انہیں وہاں منتقل کرنے کی ضرورت تھی تاکہ اسے یقین دیا جائے کہ جنوبی وزیرستان کے لئے اس کے پاس کافی تعداد میں دستے باقی ہیں۔ تاہم ایک اور مشکل بھی اپنا کردار ادا کرتی نظر آ رہی تھی۔ فوج کا منصوبہ یہ تھا کہ محمود پر جعلے کے لئے شہابی اور جنوبی دو قویں اطراف سے ان علاقوں کے ذریعے پیش قدمی کی جائے جو حافظگل بہادر اور مولوی نذری کے زیر انتظام تھے۔ خبری تھی کہ جون کے اوپر میں ان دونوں پاکستانی طالبان رہنماؤں نے حکومت کے ساتھ اپنا اتحاد و معابدہ ختم کر دیا تھا۔ اس کی اہم وجہ یہ یا ان کی کوئی تھی کہ انہیں قبائلی علاقوں میں امریکی پری ڈیپریمیر انکوں کے ڈرامی حدک بڑھتے ہوئے حلول پر پہنچ چکی۔

جنوری 2009ء میں اوباما انتظامی نے اپنے عہدوں پر کام شروع کرتے ہوئے افغانستان اور قبائلی علاقوں کے حوالے سے سخت موقف اپنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ اتحابی ہم کے دوران صدارتی امیدوار اپنا مانگھا کر وہ پاکستان کے لئے فوجی اہمادی مخصوصی اس وقت تک نہیں دے گا جب تک کہ افغان طالبان کو پاکستان کی سر زمین سے افغانستان کے اندرونی حلولوں سے باز رکھنے کے حوالے سے کوئی پیشرفت نہیں دکھانی جائے گی۔ تاہم تازہ تازہ افداد رسمیات کے بعد اپنا کو ایک ایسے پاکستان سے واسطہ پر اجتنبی کہ طالبان کی پاکستانی قسم سے نسلنے کی ایسیت سے بھی محروم نظر آتا تھا۔ پاکستان زیادہ سے زیاد اس امر پر رضا مند نظر آتا تھا کہ قبائلی علاقوں میں پری ڈیپریمیر اکیل حلولوں میں اضافہ کر دیا جائے۔ اس حوالے سے بنیادی کام کا آغاز گزشتہ تھرین میں ہی کر دیا گیا تھا جب حکومت چھوڑ کر جانے والی بخش انتظامی نے پری ڈیپریمیر اور گرام میں اچھی خاصی توسعہ کے لئے پاکستان کی رضامندی حاصل کر لی تھی۔ اس حوالے سے توسعہ کردہ اہداف میں شرط اقتدار کے سخت جان جہادیوں کا اضافہ کر دیا گیا تھا جسکے طالبان کی دو قویں اقسام کا بھی بیشمول اس حقانی میٹ ورک کے اس ذیل میں اضافہ کر دیا گیا تھے میڈیا طور پر پاکستان کی حمایت حاصل تھی۔ ذریعہ حلولوں کی تعداد میں اوباما کے افداد رسمیات سے قبل ہی نہیاں اضافہ ہو چکا تھا۔ 2008 کے پہلے آنھماہ کے دوران صرف ایک درجن حملہ دیکھنے میں آئے تھے۔ مگر سال کے آخری

چاراہ کے دوران ان کی تعداد بائیس تھی۔ اور اما انتظامیہ نے وہیں سے آغاز کیا تھا جو اس پر بُش انتظامیہ نے اختتام کیا تھا 2008 کے پہلے نصف کے دوران افغان اور پاکستانی دونوں اقسام کے طالبان پری دیپر میز انکوں کا شانہ بننے لگے تھے۔ ان میں حکومت پاکستان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے والی تھیں۔ ٹھولوں خانی نیت ورک اور حافظ گل بہادر و مولوی نذری کے چہادی بھی شامل تھے۔ اس عرصہ کے دوران القاعدہ کی نسبت طالبان کے اہداف پر بہت زیادہ حملے کے گئے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ افغانستان میں امریکہ کی ملکات تجزی سے ہر ہی چارہ تھیں کیونکہ وہاں طالبان کی بغاوت کیل دینے کی کوششیں اتنی کامیاب نہیں چارہ تھیں۔ تاہم ڈرون حملوں کی ہم میں پاکستانی عوام کے سب سے اہم دشمن، بیت اللہ محسود کو بھی ہدف بنا لیا گیا تھا، نو امریکیں فاؤنڈیشن نامی ایک تنظیم کے رہنمے کے مطابق جولائی 2009 میں محسود کے جہادیوں پر چوروا الگ الگ ڈرون حملے کے گئے تھے۔

محسود کے خلاف ڈرون حملوں سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ پاکستان اولاً و سبق تراہافٹ متعین کرنے پر رضا مند ہی کیوں ہوا تھا۔ ایش انتظامیہ کے ساتھ تمبر 2008 میں ہونے والا معاہدہ قابلی علاقوں میں پاکستانی قوت کے نقطہ وال پر ہنپتے کے وقت طے پایا تھا۔ جیسا کہ ہم دیکھے ہیں کہ محسود نے فوج کی جانب سے اسے جنوبی وزیرستان کے مختبوط ملکوں سے نکالنے کے لئے کی جانے والی کوششوں کو ناکام بنا دیا تھا اور مکمل دہشت گردی کی ہم کی مخصوصہ بندی بلاہڑک چاری رکھنے ہوئے تھا۔ پری ڈیپر کی عملیں پاکستان کو محسود سے نجات حاصل کرنے کا ایک نہایت کم لاغت و سیلہ بات تھا۔ گراس کا ایک نقصان بھی تھا۔ امریکہ مذکورے پر تیار تھا لیکن صرف اس صورت میں جبکہ پاکستان اپنے حلیف خانی نیت ورک اور گل بہادر و مولوی نذری کے جہادیوں کو ہدف ہانے پر خاموش رضا مندی ظاہر کر دیتا۔ یہ ایک انسکی قیمت تھی ہے پاکستان ادا کرنے میں مسائل تھا، تاہم آخر کار سے رضا مند ہونا پڑا۔ اس طرح ان پر لگنے والے ایسے ازمات کی تردید تو ہو گئی تھی کہ وہ ان تھیموں کی پشت پناہی کر رہے تھے، بگران کے دجوہ کو کسی حقیقی خطرے سے دوچار کئے بغیر۔ ڈرون انفرادی طور پر لوگوں کو بہاک کر سکتے تھے مگر پوری کی پوری تنظیم کو نشانہ نہیں ہاسکتے تھے۔ پاکستان جو کہ طالبان کے ساتھ دوسرے بر تاؤ پر اتنا پریشان نظر تھیں آتا تھا جتنا کہ امریکیوں کے ساتھ، اب نہیں کامانہ کرنے پر تیار ہو چکا تھا۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ اس نے پری ڈیپر

حملوں کی تربیہ اور نہادت کی تھی اسے اپنے طالبائی حلیفوں کی فکریات کا سامنا کرنے میں اتنی مشکل بیش نہیں آئی۔ تاہم پاکستان بھی بھی ایک حد سے آگے بیش جاسکتا تھا۔ قبائلی علاقہ جات، جہاں ڈرون حملوں کی اجازت تھی، اور بلوچستان و صوبہ سرحد کے درمیان جہاں کران کی اجازت نہیں تھی واضح خط انتیاز کھینچ دیا گیا تھا۔ اگرچہ ان دیوبول صوبوں میں بہت سے مکمل ہدف، ملا عمر کا نام وہن میں آتا ہے، موجود تھے، مگر وہاں کی حکوم کے پری ڈیپرٹمنٹ کے گئے تھے۔ یہ پاکستان کے آباد علاقوں اور باقاعدہ طور پر انتظامی اکائیوں یعنی صوبوں میں شمار ہوتے ہیں اور پاکستان ان میں درپختاً و سندھ کے درمیان کوئی فرق رواںیں رکھتا۔ قبائلی علاقوں میں ڈرون حملے بہت بڑے اثرات کے حامل تھے، مگر امریکہ کو ان علاقوں میں کارروائی کرنے کی اجازت دینے کا مطلب اپنی خود مختاری پر ضرورت سے زیادہ سمجھو دی کرتا تھا۔ ملک کے اندر اس کی حمایت کا حصول ناممکن تھا۔

اگست 2008 کی شام کو پاکستان کو ڈرون حملوں کی بہم کے حوالے سے ایک بہت ہی اہم فائدہ حاصل ہوا۔ پری ڈیپرٹمنٹ کی ہونگنے بیت اللہ محمد سود کو جنوبی وزیرستان میں ایک عمارت کی چھت پر بیٹھا ہوا کیہے لیا تھا۔ اخباری خبروں کے مطابق وہ ذیانی طیں کی پیاری کے باعث گلکوز کی بوتل لگوانے کے ساتھ ہی اپنی تازہ تازہ بننے والی دوسری بیوی سے ناگہ کی ماش کروار ہاتھ۔ چند ہی لمحوں کے بعد گھر کے اندر میز اکل آگرے جن کی زد میں آکر کو یا ہاتا جوڑے سیست بے شمار دیگر لوگ بھی ہلاک ہو گئے۔ محسوسی موت سے پاکستان میں ہر طرف اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ اس طرزیت میں اس وقت اور بھی اضافہ ہو گیا جب محسوس کے مکمل جانشینوں کے درمیان اختلافات کی خبریں گردش کرنے لگیں، اگرچہ آخر کار، اس کا نائب حکیم اللہ محسوس اس عہدے پر فائز ہوئے میں کامیاب ہو گیا۔ اس دوران پاکستان نے گل بہادر اور مولوی نذیر کی باغیانہ سرگرمیوں کو بھی کمیل ڈالنے میں کامیابی حاصل کری اور یوں فوج کو طویل عرصے کے انتحار کے بعد بالآخر جنوبی وزیرستان میں چیل قدمی کرنے کا موقع مل گیا۔ جیسا کہ سوچتے ہیں آپریشن رائٹ پاٹھ کے آغاز سے قلیں ہوا تھا، مقامی پاٹندے علاقہ چھوڑ کر فرار ہونے لگے اور یہ تعداد 200,000 (دو لاکھ) سے تجاوز کر گئی تھی۔ کارروائی کا آغاز باقاعدہ طور پر 17 اکتوبر کو ہوا اور اس کا نتیجہ بھی نجات کی راہ پر گامزن ہونے کی صورت میں لکھا۔ جیسا کہ مخصوصہ بندی کی تھی، نجات کا یہ راستہ گل بہادر

اور صبلوی نذری کے علاقوں سے ہو کر گز رتا تھا جس کے باعث فوجِ محمود کے چہادیوں پر دو محاوزوں پر حملہ کرنے کے قابل ہو گئی تھی۔ اس وقت کی اخباری خبروں کے مطابق اس کارروائی کے لئے فوج نے تیس ہزار جوانوں پر مشتمل دستے متعین کر دیے تھے۔ بیلے دو ہفتواں کے دوران شدید گھریلوں دیکھنے میں آئیں، مگر جم کر مقابلہ کرنے کی بجائے، جیسا کہ فضل اللہ کے اکثر چہادیوں کا شیوه تھا، محمود کے چہادیوں نے مقامی علم اور پتھر لیے، ناموار راستوں کا فاکدہ اٹھاتے ہوئے فوج کی صفون میں موجود درازوں کے اندر سے ٹکل کر فرار ہونا شروع کر دیا۔ فوج نے اگرچہ محمود کے علاقے پر خود کو جلدی قابض پایا مگر محمود کی فوجوں کو کوئی چیلنج اقصان پہنچائے بغیر۔

کھوئے ہوئے علاقوں کی بازیابی کے حوالے سے ہو سکتا ہے کہ سو ات اور جنوبی وزیرستان کے علاقوں میں کامیابی حاصل ہو گئی ہو، مگر اس کے باقی شہری علاقوں کے لئے نہیں تھیں تھے۔ لال مسجد کے دامنے کے رومن کے ارادے کے طور پر سنتی خیڑی کے حال و بہشت گرد و اقحات میں اضافہ ہونے لگا جن کے اروگرد چھوٹے چھوٹے ایسے جملہ بھی کثرت سے نکھرنے لگے جن کی تعداد اکثر ۷۰۰۰ میں دیوار کاربم دھماکہ ہوا جس کے نتیجے میں عمارت کی بیرونی دیوار تراخ کر رہ گئی اور ۲۷ افراد ہلاک جبکہ ۳۰۰ سے زائد زخمی ہو کر رہ گئے۔ اس حملے کی ذمہ داری پاکستان طالبان نے یہ کہتے ہوئے قبول کر لی کہ یہ سو ات میں فوج کی طرف سے کی جائے والی جارحانہ کارروائی کا رو عمل ہے۔ ۹ جون کو بارو دے بھرے ہوئے ایک بڑے ٹوک کو پشاور کا فائیٹر پول کا ٹھیکنہ ہوئی سے ٹکرایا گیا جس سے مارتباہ ہونے کے ساتھ ہی سڑھ افراہ ہلاک ہو گئے۔ امریکہ اس ہوٹل کو خریدنے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا تاکہ اسے صوبہ برحد کے دار حکومت میں ایک نئے اور نیتاً محفوظ ترقائقی خانے کے طور پر استعمال میں لایا جاتا۔ چنوبی وزیرستان میں فوج کی کارروائی کا وقت سر پر آئنچہ کے چیلنج اعلان کے طور پر اکتوبر میں جملوں کی شدت میں اور بھی جیزی آگئی۔ ۹ اکتوبر کو پشاور کے مرکز میں ایک پر ہجوم بازار کے اندر ہونے والے خوفناک کاربم دھماکے میں ۵۰ سے زائد افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ دہشت گردی کی لمبی ۱۵ اکتوبر کو لاہور واپس لوٹ آئی جس کے نتیجے میں تین ہزار دو ہشت گروہیوں نے علیحدہ علیحدہ جملوں میں دو بعد پولیس ٹریننگ مرکزاً اور وفاقی تحقیقاتی ادارے کے علاقائی صدر دفاتر پر حملہ کر

کے 38 افراد کو موت کے گھاٹ اساتر دیا تھا۔

سب سے خیر و کن روہشت گروہ ملڈ فون کے جنوبی وزیرستان میں داخلے سے بھل چکے روز 21 اکتوبر کو دیکھنے میں آیا۔ فوجی دردی میں مجبوں وس عدو روہشت گروہ پندوقوں سے شعلے اگلتے ہوئے راولپنڈی میں پاک فوج کے صدر و ناطر میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے راستے میں کھڑے ہوئے بے شمار را گھیروں کو بھی بھون ڈالا۔ جن میں ایک بر گینڈ یور جز لبھی شامل تھا۔ اس سے بہت پہلے انہوں نے ایک عمارت کو قبضے میں لے لیا تھا اور وہاں چالیس سے زائد افراد کو یعنی خانہ میں کامیاب ہو گئے تھے۔ انہوں نے انہیں تعطیل کی ایک ایسی صورتحال کے دوران وہاں قید کئے رکھا جو کہ رات بھر اس وقت تک جاری رہی جب تک کہ کاٹھ و فوجی ان پر یہاں یک جملہ آور ہونے کے بعد فوراً غالباً نہ آگئے۔ اموات کی شرح کافی زیادہ ہو جاتی اگر ایک خودکش جملہ آور خود کو رکھا کے سے اچانک اڑانے میں ناکام نہ ہو جاتا۔ روہشت گروہ اس حملے میں ہلاک ہو گئے تھے جب کہ ان کا قائد زندہ بیٹھ گیا تھا۔ اس کا اصل نام محمد عصیل تھا مگر اس نے خود کو ڈاکٹر عثمان کے نام سے مشہور کر رکھا تھا۔ آری کی میڈیا میکل کو رکا ایک سابقہ رکن اور بخاوبی کار رہائی یہ شخص جنوبی وزیرستان پہنچنے سے قبل نہ جانے کتنی شدت پسند و بے بندی تھیں میں شامل رہا ہو گا۔ وہاں بولٹن کر اس نے امجد فاروقی بر گینڈ کی تھیلی کر دی جو کہ جیش بھر کے اس جہادی کے نام پر بھائی گئی تھی جو کہ ڈنکل پرل کے اخوااء اور پروز مشرف کو قتل کرنے کی کوشش کے لئے کی گئی وار و اتوں میں شریک رہا تھا۔ ڈاکٹر عثمان پاکستانی حکام کے لئے پہلے ہی جانی پہچانی تھیں اس کے پارے میں یہ خیال کیا جاتا تھا کہ مارچ میں سری لنکا کی کرکٹ ٹیم پر ہونے والے حملوں کی منصوبہ بندی کے پس پر وہ سب سے اہم طریم بھی تھا۔

فوج کے صدر و فاتر پر حملے اور ڈاکٹر عثمان کی گرفتاری سے جو پیور پہلے شے کی زد میں تھی اب واضح ہو کر سامنے آگئی۔ بخاوبی میں ہونے والے بہت سے روہشت گروہ حملے پاکستانی طالبان سے ہابستہ پتوں تکیں کروار ہے تھے بلکہ ان کے پیس پر وہ مقامی بخاوبی باشندوں کی سراں بیکی پہنچی۔ حتیٰ کہ فوج کے صدر و فاتر پر حملوں سے بھی پہلے اخبارات میں ان جہادیوں کو پہچانی طالبان کا خطاب دے دیا گیا تھا۔ وہ کسی ایسی واحد تخلیم سے تھا تھیں رکھتے تھے جس کی پہچان کسی ایک نام سے ہوتی ہو۔ ان کی اکثریت اس طرح کی تھیں کوئی موجودہ ارکان پر مختص

تحتی، جیسے جیش محمد نظر مختاری اور ساہ مجاہد وغیرہ۔ وہ قبائلی علاقوں کے اندر روپوں ہو گئے تھے جہاں انہوں نے پاکستانی طالبان کی صفوں میں شمولیت اختیار کر کے اپنی دہشت گرد صلاحیتوں میں اور بھی بخمار پیدا کر لیا تھا اور پھر واپس اپنے آبائی عوام کا نوں پر پہنچ کر دہشت گرد حملوں کی منصوبہ بندی و عملدرآمد کی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا تھا۔ نہیں وہ اس میدان میں اجنبی یا غیر مردف تھے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے ملاحظہ کیا ان تھیموں کے ارکان نے ناکمین المیان کے اثرات کے طور پر القاعدہ کے ساتھ مل کر مفری ایجاد اور پاکستانی حکومت کے عهدیدیاروں کے خلاف حملوں کی کارروائیوں میں پہلے بھی حصہ لیا تھا۔ جو چیز تبدیل ہوئی تھی وہ صرف تمدن اور خاصیت میں ہونے والی تبدیل تھی کیونکہ شدت پسند و خابیوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد قبائلی علاقوں کا رخ کر رہی تھی۔

آج کل کے اخبارات میں ڈاکٹر عثمان کے حوالے سے دی جانے والی خبریں اور تبصرے پڑھتے ہوئے بڑی دلچسپی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بارعے میں مختلف ذرائع سے سمجھی تباہی جاتا ہے کہ اس کا اعلانِ پاسی میں نظر مختاری، جیش محمد اور سابقاً تھجی یو جے آئی رہنمایاں کشمیری کی تھیم 313 بریگیڈ سے رہا ہے۔ اس سے بظاہر ابھی یا یا وثوق معلومات کے فتدان کی عکاسی ہوتی ہے، مگر بخوبی طالبان کی اصلاح کے بڑھتے ہوئے استعمال سے یہ حقیقت بھی ظاہر ہوئی تھی کہ ان تھیموں کے مابین ساخت یا بناوٹ کا فرق فتم ہوتا جا رہا تھا اس موضوع پر خاصی معلومات رکھنے والے انگر خارجہ کے ایک اعلیٰ عہدیدیار نے بھی بتایا تھا کہ پاکستان میں دہشت گرد کارروائیوں کے لئے بھرتی کا طریق کارکانی حد تک کر گیلری (Craigslist) (D) دہشت گرد کی طرح ہے جس کے مطابق تھیموں کے قائدین شدت پسند یو ہدی طبقے کے لوگوں سے عام کارکنوں کے ساتھ ہی خصوصی مہارت رکھنے والے افراد کا انتخاب بھی کرتے ہیں۔ تاہم یہ امر واضح نہیں ہے کہ آیا ان میں سے بعض تھیمیں ابھی تک قائم بھی ہیں یا نہیں۔ جیش محمد کی مثال یہ لے لیں۔ اس کے بہت سے ارکان کئی رسول سے تھیم سے الگ ہوتے جا رہے ہیں جن کی اکثریت کواب بھریں طور پر بخوبی طالبان اسی کہا جا سکتا ہے، تاہم ابھی تک یہ کشمیر میں کاروانیاں جاری رکھے ہوئے ہے۔ پاکستانی حکام اسے مسلسل ایک ملک دھرم تھیم قرار دیتے چلے آ رہے ہیں اور اس کا باقی اور قائد مسعود اظہر روپوں ہو چکا ہے۔ تاہم اس صورتحال کے باوجود جنوبی بخوبی کے شرپہاں پور میں اس کا صدر دفتر ابھی بھی نمایاں طور پر موجود چلا آ رہا ہے اور مینہ طور پر اسے مزید وسیع کیا جا رہا ہے۔

اس کی ایک مکمل وجہ تو یہ ہے کہ اگرچہ اس تھیم میں گزشتہ کمی پرسوں سے مسلسل نوٹ پھوٹ ہوتی چلی آ رہی تھی، تاہم اس کے وفا داروں کا ایک مرکزی گروہ جو کہ ابھی تک پاکستانی حکام کے ساتھ تعادن پر آمادہ ہے، قائم و دائم ہے۔ جو لوگ اس امر سے بینی طور پر آگاہ ہیں وہ خاموش ہیں۔ پنجابی طالبان کا یوں بیکا یک منظر عام پر آتا جس امر کی عکاسی کرتا ہے وہ یہ ہے کہ پاکستانی طالبان اور پنجاب سے ابھرنے والی مختلف دینی بندی جہادی اور فرقہ و رانہ تنظیموں کے درمیان تنظیمی تفریقیں بتدریج ختم ہوتی چاہی ہیں۔ وہ تجزی سے ایک دوسری کی طرف جھکاؤ ظاہر کرتے ہوئے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسی شکون میں مغلظم ہو رہی ہیں جو پاکستانی ریاست کو راستے سے ہٹا کر اپنی وضع کا غیر پلکدار تھم کا اسلام نافذ کرنے پر حل بھی ہیں۔ ان کا ابھی دور دور تک ایک واحد اور متحده تھم کی ملک گیر تنظیم کی ملک انتیار کرنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اس طرح کی کوئی بھی شخصیت یا تھیم موجود نظر نہیں آتی جو ہے دشیتِ مجھی کوئی کروار ادا کرنے کے قابل ہو، مگر جان یقیناً اشتراکِ عمل میں اضافے اور مقصد کی واحدانیت کی طرف ای نظر آتا ہے۔ ایک ریاضی ریاضی فوچی افسر نے جو کہ پاکستانی حکومت میں چند انجامی اہم محدود پر بھی فائز رہ چکا ہے، مجھے بتایا تھا کہ یہ رجحان پاکستان کے پائیدار احکام کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ اس نے ان خیالات کا اظہار 2010 کی گرمیوں میں اس وقت کیا تھا جب فوج کو جوپی وزیرستان سے، جہاں کہ وہشت گروں کی تربیت کے زیادہ تر مراکز قائم ہو چکے تھے، محسود کے جہادیوں کو لکائے ہوئے آٹھ ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ مگر ان آٹھ مہینوں کے دوران وہشت گرو محلوں کے تسلسل یا شدت میں بہت کم یا کوئی بھی تخفیف نہیں دیکھی گئی تھی، نہ تو تحریر پختو نخواہ میں، جیسا کہ اپریل میں صوبہ سرحد کا نام تجدیل کر کے یہ نام رکھ دیا گیا تھا اور جہاں تحریک طالبان کے ارکان وارداتوں میں ملکہ طور پر ملوث تھے، اور نہیں پنجاب میں جہاں پنجابی طالبان کا اسلنا تھا۔

اکتوبر 2009 کے اوپر کے میں پشاور شہر کے مرکزی حصے میں واقع ایک پر ہجوم ہازار میں ہونے والے کار بم دھماکے میں ایک سو سے زائد افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ توہر کے اوائل میں ایک خودکش بمبار نے راولپنڈی میں ایک بیک کے ہاہر جہاں پر کوچ فوج کے خصوصی ملازمین کے علاوہ فوج کے سو میٹر میں بھی اپنی بخواہوں کے چیک بھنار ہے تھے، خود کو دھماکے سے اڑا دیا اور اس کے نتیجے میں پہنچیں افراد بلکہ ہو گئے تھے۔ ایک ماہ بعد اسی اس وقت چالیس افراد بشوں

ایک مسجد جزل اور سولہ بچوں کے بلاک ہو گئے جب ایک اور خودکش بمبارے روائی پڑی کی اس مسجد پر حملہ کر دیا تھا جیسا زیادہ تر فوجوں کے اہل خانہ نماز پڑھتے تھے۔ ایک مارا جانے والا بچہ پشاور کے کورنیشنر کا بیٹا تھا۔ چونکہ 2010 میں صوبہ سرحد میں والی بال کے ایک بھی کے دوران اس وقت ہو سے زائد افراد بلاک ہو گئے تھے جب ایک خودکش بمبارے دھاکہ کر خیز مواد سے بھری اپنی ایسکی بیوی گازی ہجوم کے اندر گھسادی۔ اس واقعہ کے بعد بھی کمی ماہ تک اس طرح کے حلے جاری و ساری رہے، ایک کے بعد دوسرے بخت وار داؤں کا سلسلہ جاری رہا جس کے بظاہر کوئی اختتام نظر نہیں آتا تھا۔ 2010 کے دوران پاکستان میں چالیس سے زائد وہشت گرد حلے کے گئے تھے جن میں ہر ایک میں 5 یا اس سے زائد افراد بلاک ہوتے رہے۔ اگرچہ لال مسجد کے سامنے کے بعد ادھاف کے خلاف جھلوں میں ذرا ملائی طور پر ہونے والے اضافے کے مقابلے میں بہت کم، مگر اس کے باوجود بھی غالباً فرقہ ورانہ جھلوں کا سلسلہ خصوصاً شیعوں کے خلاف جاری و ساری رہا۔ شیعوں کی طرف سے یوم عاشورہ کے جلوسوں کو تو خاص طور پر نشانہ بنایا جاتا رہا۔ دسمبر 2009 کے اوآخر میں کراچی کے اندر عاشرہ کے ایک جلوس پر حلے کے دوران تو چالیس سے زائد شیعہ بلاک ہو گئے تھے، جو کہ اس دن قبیل آنے والے بے شمار سماتحتاں میں سے ایک سانحہ تھا۔ چار ماہ بعد قبائلی علاقوں میں ہونے والی جنگ سے بھاگ کر آنے والے چالیس سے زائد شیعہ افراد کو صوبہ سرحد کے شہروہاٹ میں واقع پناہ گزین مرکز میں خودکش بمباروں نے حملہ کر کے بلاک کر دیا۔ ایک عشرہ قبل چہارویں اور فرقہ ورانہ فسادات میں ملوث افراد احتجاجیوں کے درمیان واضح فرق موجود تھا۔ تاہم یہیے یہیے شدت پسند یوں بندی ریاست کے خلاف اٹھ کر رے ہوتے گے، اور پنجابی طالبان کی شکل میں مٹھم ہونے لگے تو یہ فرقہ بھی متاثرا گیا۔ وہی تھیں اور افراد اپنے کور اور فرقہ ورانہ دونوں اپداف کو نشانہ بنانے لگتے تھے۔

میں 2010 کے اوآخر میں شدت پسند مسلح دیوبندی اپنے روایتی شیعہ اپداف سے آگے بڑھ کر قیازہ احمدی فرقے کو بھی نشانہ بنانے لگے۔ انہوں نے لاہور میں عبادت گزاروں سے بھری ہوئی احمدیوں کی دو مساجد پر حملہ کر کے اسی سے زائد افراد کو بلاک کر دیا تھا۔ تین روز بعد انہوں نے ایک ہسپتال پر جہاں بہت سے زندہ بیٹے والے زیعیوں کا طلاق کیا جا رہا تھا، حملہ کر کے پانچ مرید افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایک اور تباہ کن حملہ صرف ایک ماہ سے کچھ عرصہ اور پر یقین

حوالی کو اس وقت دیکھنے میں آیا جب وہ خود کش بکاروں نے خود کولا ہو رہیں سے بھرے داتا دربار کے اندر دھماکے سے اڑا کر رکھ دیا۔ اس حملے میں 50 افراد ہلاک اور 200 زخمی ہو گئے تھے۔ یہ مزار جو کہ مشہور صوفی بزرگ داتا جنگ بخشن کے نام سے مشہوب ہے، لاہور کا سب سے بڑا مزار ہے۔ یہ شدت پسند ہے یوندیوں کا بریلوی اہماف کے خلاف پہلا ہذا احمدی نہیں تھا۔ اس سے قبل کراچی میں اپریل 2006ء میں حضرت محمد صطفیٰ<sup>1</sup> کے یوم بیدائش پر بریلویوں کی طرف سے نکالے گئے عید میلاد النبی کے ایک بہت بڑے جلوس پر حملے کے نتیجے میں ستادن افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ بعد ازاں اس وقت ایک الگ تحملگ و قلعہ کی حیثیت رکھنے والے حملے کی ذمہ داری لفکر تھنگوی پر ڈال دی گئی تھی۔ تھی یہ کسی صوفی بزرگ کے مزار کو حملے کا نشانہ بنایا تھا۔ مگر یہ حملہ رات کے وقت کیا گیا تھا جب دہاک کوئی بھی موجود نہیں تھا اور یہ بھی ایک طرح سے الگ تحملگ قسم کا واقعہ ہی تھا۔ مگر داتا دربار پر ہونے والا احمدی زائرین کے ہجوم سے پر کسی صوفی بزرگ کے مزار پر ہونے والا نہ صرف اپنی نوعیت کو پہلا حملہ بلکہ ایک رہجان کا آغاز بھی تھا۔ اکتوبر کے اول میں کراچی میں ایک صوفی بزرگ کے مزار کو نشانہ بنایا گیا جس میں افراد ہلاک ہو گئے۔ اس کی ذمہ داری پاکستانی طالبان نے قبول کری تھی۔ اس کے بعد اگاہ دف چناب میں پاکستان کے علاقے میں مشہور صوفی بزرگ بایا فریز شکرخیج کا مزار تھا جہاں ایک ماہ بعد، بم دھماکے میں سات افراد جاں بحق ہو گئے تھے۔ اس کے بعد ایک اور صوفی مزار کولا ہو رہیں تھوڑی تھا۔ 2011ء میں ہدف ٹالیا گیا تھا۔ اسی طرح اپریل کے شروع میں جنوبی چناب کے شہر ڈیرہ غاذی خان میں مشہور بزرگ بھی سرور کے عرصے کی تقریبات کے دوران ہونے والے ایک خود کش حملے میں 50 رہائیں لقا جل جن گئے تھے۔ ان حملوں نے پاکستان میں فرقہ و رانہ مسادات کوئی اور زیادہ خطرناک بلندیوں کی مست گاہن، ہونے کے خطرے سے دوچار کر دیا تھا۔ اگرچہ ہو سکتا ہے شدت پسند ہے یوندیوں کو اپنے اکثریتی پاکستانی بھائیوں کی نہیں روایات سے اختلاف ہو، مگر اس سے قبل انہوں نے خود کو کھلے عام لڑائی سے باز رکھا ہوا تھا۔ داتا دربار کا حملہ اس امریکی جانب اشارہ کر رہا تھا کہ اس کا بھی اسی تنظیم یا ادارے، سرکاری یا غیر سرکاری، سیکریٹری افسروں، اسنسی یا شیعہ کے خلاف تھیار اٹھانے پر تیار ہو چکے تھے جیسے ان کے تھوس جہادی اور شدت پسند قسم کے اسلام سے اختلاف تھا۔ اور اسی طرح خود بریلوی طبقے کے اندر بھی سیاست بازی کے بڑھتے ہوئے رہجان کی

علامات باعث تشویش تھیں۔ بریلوی نہایت تھیں 2011 میں زرداری حکومت کی جانب سے تو ہیں رسالت یا نہایی چند بات کی بے حرمتی کے حوالے سے موجود قوانین میں تراجم کے خلاف مظاہروں میں پیش پیش تھیں۔ جنوری 2011 کے اواں میں پنجاب کے گورنر اور ان تراجم کے حق میں سرگرم غصیت سلمان ناشیر کو اس کی حفاظت پر مامور ایلیٹ پولیس کے ایک بریلوی رکن نے گولیاں مار کر بلاک کر دیا تھا۔ جس نے بعد میں پر اعتراف کر لیا تھا کہ اس نے یہ سب کچھ نہایی چند بات کے تحت کیا تھا۔ پاکستان کی سب سے بڑی بریلوی تحریم، جماعت المسن نے بعد ازاں اس حلقے کی حاشش کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس کے جنازے میں شرکت کرنے سے باز رہنے کی تلقین کر دی تھی۔

پنجاب میں دہشت گروی کی بظاہر نہ ختم ہونے والی اہر نے جاگیردار سیاسی طبقے کے اندر شدید بے چینی پیدا کر دی۔ پہلے پہل نہ تو زرداری حکومت اور نہ حقیقی حزب مخالف کی جماعت پی ایم ایل۔ ان کی سربراہی میں بننے والی پنجاب حکومت اس حقیقت کو تلمیز کرنے پر آمادہ تھی کہ دہشت گروی کی زیادہ تر وارد ائم مقامی پنجابی ہائیکارڈس کی طرف سے سراجعامدی جاری تھیں۔ ان کی پچھوپاہست قابل فہم تھی۔ اگر وہ مسئلے کا اعتراف کر لیتے تو ان پر اس کے حل کے لئے وہاؤ پڑھ جانا تھا۔ یہ ظاہر کرنا یا اس طرح کا تاثر دینا آسان تھا کہ ملک کے اندر چاری دہشت گروی کی اہر کے پس پر واقعی علاقوں میں سرگرم تحریک طالبان کا ہاتھ تھا۔ اور اس حوالے سے کچھ نہ کچھ پہلے اسی سے کیا چارہاتھا۔ زرداری حکومت نے آخر کار جوں کے آغاز میں احمد یوسف پر ہونے والے اس حملے کے بعد خاصی توڑ دی تھی جب وزیر داخلہ نے اس امر کا اعتراف کر لیا کہ جتوں پنجاب میں جزوں رکھنے والی دہشت گروں تھیں بہت مضبوط ہو چکی ہیں اور ریاست کی بھاگ کے لئے شدید خطرے کا باعث ہیں۔ اس کی طرف سے نکتہ نظر میں یوں یا کیا یک تجدیلی کے بعد مارچ میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ اور نواز شریف کے چھوٹے بھائی شہباز شریف نے بھی ایک مقاومت ہیانا چھوڑ دیں کیونکہ دیا۔ اس نے دہشت گروں پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ پنجاب کو نشانہ ہانا چھوڑ دیں کیونکہ صوبے میں اس وقت بر سر اقتدار پاکستان مسلم لیگ (ن) پر وزیر مشرف اور اس کے امریکہ کے ساتھ اتحاد کی مخالفت میں ان کے ساتھ نظریاتی اشتراک رکھتی ہے۔ مسئلے کا اعتراف کر لینے کے بعد زرداری حکومت نے اس امر کا عنديہ دے دیا تھا کہ وہ سرائیکی پیش کے ملاٹے میں فوج بھجوائی

ہے، مگر بعد ازاں اس تجویز پر عملدرآمد کرنے سے باز رہی۔ آخر فوج بھی ان تھیوں کے خلاف کیا کر سکتی تھی جو خفیہ انداز میں زیر زمین کام کر رہی ہوں۔ بخاطی طالبان کو ان کے اپنے اسی علاقے سے کمال ہاہر کرنے یا ملکت دینے کے لئے جاسوسی کے ایک اچھے نظام کے ساتھ ہی تحریک اور فعال پولیس کی ضرورت بھی تھی اور ان دونوں چیزوں کا بھی فقدان تھا۔ اس صورتحال سے ہاختروں کے ایک سابقہ اعلیٰ عہدیدار نے مجھے بتایا تھا کہ آئندی میں آئی کے زیادہ تر وسائل سے قابلی علاقوں میں ستھادہ کیا جا رہا تھا۔ اور ان کے پاس اتنی افرنجا کاش موجود تھیں تھی کہ باقی علاقوں کو بھی مستفید کیا جا سکے۔ نہ اسی شدت پسند نظریات کا پرچار کرنے والی ان مساجد یا مدارس کے خلاف کار، آئنے کے حوالے سے کسی قسم کا سمجھیدہ بحث میا جائے کیا جا رہا تھا جہاں سے بخاطی طالبان کو افرادی قوت فراہم کی جا رہی تھی، حالانکہ ان کی معمون میں بھرتی ہر سال بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ زرداری حکومت نے دو برس قبل ان کے خلاف اقدامات کرنے کا اعلان کیا تھا مگر اس پر بھی عملدرآمد نہیں کیا گیا۔

جیسا کہ میں نے بعد ازاں کافی عرصہ بعد ان داقعات کا دربارہ جائزہ لیا تو مجھے طارق عزیز سے کی گئی دس برس قبل کی اس وقت کی تھنگویاں آئے گئی جب دہ پوریز شرف کا سب سے بڑا سولہیں مشیر ہوا کرتا تھا۔ میں نے اس سے سوال کیا تھا کہ حکومت ان شدت پسند نہیں تھیوں کے خلاف کارروائی کرنے سے کیوں اپنکچار ہی تھی جو حتیٰ کہ خود ریاست کیلئے بھی ایک بہت بڑا مسئلہ بننے ہوئے تھے۔ اس نے مجھے بتایا کہ خدشہ پایا جاتا ہے کہ پاکستان کیسی ایک اور الجیر یا بن کر نہ رہ جائے۔ اس کا اشارہ قتل و معاشرت سے بھر پور دہشت گردی کی اس لہر اور دوسرے ایسے جملوں کی طرف تھا جو گزشتہ عشرے کے دوران شامل افریقہ کے اس ملک کے انتہاء پسندوں کی طرف سے کئے گئے تھے اور جن میں ہزاروں سے زیادہ لوگ اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ میری طارق عزیز سے ہونے والی اس تھنگو کے دس برس بعد بھی پاکستان نے ابھی تک ہنگاب کے مرکز میں موجود شدت پسندوں کے ماذک کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ تاہم، اس امر میں کوئی شبکیں کہ پاکستان ایک اور الجیر یا بن چکا ہے۔

مکمل مسلسل جاری دہشت گردی کی لہر، خصوصاً نیبر و بختو نواہ میں، اس امر کی عکاہی کرتی تھی کہ پاکستانی طالبان ابھی تک کامل بھکت سے دوچار نہیں ہوئے۔ حکیم اللہ محمد سود کے بہت

سارے جہادی، دہشت گردی کی تربیت حاصل کرنے کے بعد اپنی ماہراں صلاحیتوں سمیت کہیں روپیش ہو چکے تھے۔ ان کی ایک منزل شامل میں اور کمزی قبائلی علاقہ تھا، جہاں پہلے حکیم اللہ مسعود کا آپانی نعمانیہ ہوا کرتا تھا۔ گلتا تھا فوج قریب سے ہی ان پر نظر رکھنے ہوئے تھی کیونکہ 2010 کے اوائل سے ہی پاکستانی اخبارات اور کمزی میں جہادیوں کی لاشوں کی تھی کی خبروں سے پر ہوتے جا رہے تھے اور یہ تعداد اس سے قابل جزوی وزیرستان میں ہونے والی لڑائی کے نتیجے میں سامنے آئے والی ہلاکتوں سے بہت زیادہ نظر آتی تھی۔ یہ لاکنی یہیں کر ساتھ متصل کرم اور خیر ایجنسی کے علاقوں سمجھ پہنچی تھی۔ اگرچہ فوج نے جون میں اور کمزی کے علاقے میں ہونے والی جنگ میں فوج حاصل کرنے کا اعلان کر دیا تھا، مگر مقامی باشندوں کا اصرار تھا کہ ابھی بھی بعض علاقوں میں عیحدہ عیحدہ گروہوں کی صورت میں مراحت جاری ہے۔ ان کی اس بات میں وزن نظر آتا تھا کیونکہ باقی حصے میں بھی فوج کے خلاف اس علاقے میں ہلاک محتلے جاری رہے تھے 2011 کے اوائل میں آئے والی تین خبروں کے مطابق فوج شامل کی طرف اور بھی فاسدے پر واقع ہمند قبائلی علاقے میں ایک بہت بڑے جارحانہ حملے میں صرف تھی۔

ایک قبائلی علاقہ جو کافی حد تک اس صورتحال سے بچا ہوا نظر آتا تھا وہ شاملی وزیرستان کا علاقہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھیں تھی کہ جنوبی وزیرستان سے فرار ہونے والے مسعود کے جہادی وہاں جانے سے گریز کر رہے تھے۔ اس امر کا ثبوت موجود تھا کہ حافظانگل بہادر نے انہیں حفاظت پناہ گاہ فراہم کر دی تھی باوجود وہ اس حقیقت کے کہ اس نے قابل ازیں پاکستانی حکومت سے وسده کیا تھا کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ اس کے حرکات ابھی تک واضح نہیں ہوئے، مگر یہ ممکن ہے کہ اسے پھنسنے والی اس روایت کے تحت انہیں واپس بھیجا اچھا نہ لگا ہو جس کے مطابق دشمنوں کو بھی بناہ دینے سے انہار نہیں کیا جا سکتا۔ فوج شاملی وزیرستان میں کارروائی کرنے سے اس نے ٹھہر ارعنی تھی کہ کیونکہ وہ شتوگل بہادر کے ساتھ اور نہ اسی حقانی نیت ورک کے ساتھ کسی قسم کی حماڈ آرائی کا خطرہ مول لیتا چاہتی تھی جو دونوں ایک اسی علاقے پر تسلط ہمایے ہوئے تھے۔ یہ واضح طور پر امریکہ کا حالات کے حوالے سے اپنا ہی تجویز تھا۔ اگرچہ اس نے سو اور جنوبی وزیرستان میں پاکستان کی طرف سے کی تھی کارروائیوں پر اس کی ستائش کی تھی، مگر حقانی نیت ورک کے خلاف کسی قسم کی پیش قدمی نہ کرنے پر اسے شدید تحریک کا نشانہ بھی بناؤ الاتھا۔ امریکہ کی پرشائیوں کا بینادی محرك اس خطے میں

اس کے اپنے کلیدی مفادات تھے۔ حقانی نیٹ ورک مشرقی افغانستان میں امریکہ کے خلاف برسر پیکارا ہم افغان طالبان طاقت تھی۔ علاقے میں امریکہ کی کامیابی کا درود اس طاقت کو غیر موڑ کر کے رکھ دینے پر تھا۔ اس نے یہ کوئی حیرت انگل امریکہ کا صرف پاکستان کے ساتھ اس نے تاریخ تھا کہ وہ حقانی نیٹ ورک کے خلاف کسی طرح کی کارروائی سے پہنچا رہا تھا بلکہ اس نے بھی کہ اثناؤ ان کی مدد کرنے اور جنگ کی شراکت عمل کرنے پر بھی آمادہ تھا۔ اس پر دباؤ بڑھانے اور اس کے ساتھ ہی پاکستان کے راستے مدد و تحریک دینے کی کوشش میں امریکہ نے حقانی نیٹ ورک کو بھی وہشت گرد ٹھیکیوں کی اپنی قبرست میں شامل کر لیا تھا 2010 کی گریزوں تک حقانی نیٹ ورک کے لئے پاکستانی حمایت و تعاون امریکہ۔ پاکستان تعلقات کا ایک انجمنی مذاہدہ مسئلہ بن چکا تھا۔

شمیل وزیرستان میں صورت حال سے جملے کے لئے پاکستان نے ذرا مختلف حکمت عملی اختیار کی تھی۔ فوج کی اعلیٰ قیادت سے قربی تعلقات رکھنے والے ایک سابق اعلیٰ عہدیدار نے مجھے بتایا تھا کہ پاکستانی فوج کو درپیش بیانی مسئلہ صلاحیت یا گنجائش کا مسئلہ تھا۔ اس نے خطے میں رکی فوج کی پہلے ہی اچھی خاصی تعداد روانہ کر دی تھی اور اب مزید فوج بھیجنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت بھی تھی۔ میں نے پاکستانی فوج کے ایک اعلیٰ عہدیدار سے، جس نے اپنا نام پوشیدہ رکھنے کی درخواست کی تھی، ساتھا کہ 2010 کی بہارتک قبائلی علاقوں اور سوات میں مختین فوجی جوانوں کی کل تعداد تقریباً ذیرِ حلاکہ ہو بھی تھی۔ ان میں سے نوے ہزار بالفائدہ فوجی تھے جن کا تقریباً خالیوں میں کیا گیا تھا جو کہ ذیوں نوں کے برابر تھے۔ باقی فوجیوں کو رکھ کر کے جو ان تھے اس کے برکس معقول کے زمانے میں فوج کا ادارہ پشاور کے صدر وظٹر کی حدود میں آنے والے علاقے میں بھی صرف دو ذیوں نوں فوج رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پاکستان نے علاقے میں ڈاٹنی فوجی ذیوں نوں کے سماں فوج روانہ کر دی تھی۔ اس طرح کل مخصوص کی جانے والی فوج رکی پاکستانی فوج کے پورے یعنیوں کے تقریباً ایک تباہی کے سماں تھی۔ مجھے اس وقت کافی تجھب ہوا جب میں نے اس تعداد کے ہمارے میں میں چلی مرتبہ۔ اس امریکی ایک اہم وجہ کہ قبائلی علاقوں اور سوات میں پاکستانی فوج کی گزشت پوریں کیوں ناکام ہو گئی تھیں یہ تھی کہ پاکستان بھارتی سرحد پر مختین اپنی فوجیں ہٹانے پر تیار نہیں تھا۔ میں حیران تھا کہ ایسی کوئی

حدیل آجئی تھی؟ میں نے اپنے شناسا باتیہ اعلیٰ فوجی افسر سے سبی سوال کیا۔ اس نے بتایا کہ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ حکومت پاکستان اس حقیقی پر بچھی تھی ہے کہ پاکستانی طالبان کا خطرہ اس قدر منشدت اختیار کر چکا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔

یہ نکتہ قابل غور ہے کہ 2008 کے موسم بہار کے وقت سے قبائلی علاقوں اور سوات میں داخل ہونے والی پاکستانی فوجیوں کی تعداد اس سے زیادہ تھی۔ حقیقی کہ اس وقت پورے افغانستان میں امریکی فوجیوں کی تھی۔ وہاں تھیں امریکی فوجیوں کی تعداد اس سے زیادہ تھی اگست 2010 تک اور ہندوستان کے پالا ساتھ افسر اعلیٰ بناہر اس امر پر حقیقتاً پر بیان نظر آتا تھا کہ پاکستانی طالبان کے پاس قبائلی علاقوں اور سوات سے پاکستانی طالبان کے خطرے سے منٹنے کے لئے مناسب تعداد میں فوج دستیاب نہیں ہے۔

فوج نے سو سال اور شمالی وزیرستان سے پاکستانی طالبان کو نکال باہر کرنے میں تو کامیابی حاصل کر لی تھی، مگر اس حوالے سے ذرا بھی اعتماد نہیں تھا کہ فوج ان جہاریوں کو ٹھکست دے سکتی ہے جو اگر فرار ہونے میں تو کامیاب ہو گئے تھے مگر اس علاقے پر ابھی تک سلطنت ہوئے تھے جو فوج کے ذریعہ مام آپ کا تھا۔ اس نے بتایا کہ فوج کو سولیسین سیکھ رہی اور وہ میں قلعہ کی کیفیت ختم کرنے کی صلاحیت کے فقدان کے باعث سخت بیڑا ری محسوس ہوتی تھی، مگر اس مسئلے کے حل کا بھی کوئی واضح اور اک نہیں تھا۔ اگرچہ ہم نے شمالی وزیرستان میں کارروائی کے امکان کے حوالے سے براہ راست کوئی بتاؤ لے خیال نہیں کیا تھا۔ تاہم اس کا پیغام بالکل واضح تھا۔ اگر فوج شمالی وزیرستان میں داخل ہو گئی تو باتی علاقوں پر سے اس کی گرفت کمزور پڑ جانے کا خطرہ تھا جبکہ اس کے ساتھی تھانی نیٹ ورک اور گل بہادر جیسے طاقتور گروہوں کی صورت میں تینی دشمنیاں بھی سامنے آ جائیں گی۔ وہ، صاف ظاہر ہے کہ علاقے میں اور بھی زیادہ فوجیوں بھجوںکتی تھی۔ مگر کتنی فوج کافی رہتی؟ کیا آدمی فوج؟ دو تہائی؟ فوج اندازہ ہی نہیں لگاتا چاہتی تھی۔ اس نے اپنی بھارتی سرحد سے پہلے ہی اس سے کہیں زیادہ فوجیوں ہٹائی تھیں جسکی کہ اس کے خیال میں مناسب رہتیں۔

اس کے علاوہ صورتحال کے اور بھی پہلو تھے۔ افغانستان میں پاکستان کے مقاصد

امریکہ سے بہت سی مختلف نظر آتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے ملاحظہ کیا ہے، گزشتہ عشرے کے زیادہ تر حصے میں پاکستان نے افغان طالبان کو افغانستان میں اس خطرے کے خلاف ایک تحفظ کے طور پر دیکھا تھا جو اس کے خیال میں امریکہ کے دہان سے لکل جانے کی صورت میں اسے بھارت کے غلبے کی صورت میں درپیش رہتا۔ یہ انداز فراس سے مختلف نہیں تھا جس کا اظہار بھارت کے ساتھ امن نہ کرات کے دوران لٹکڑی پر کے حوالے سے کیا گیا تھا، یعنی نہ کرات کی ناکامی کے خطرے کے خلاف ایک آڑ۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ پاکستان نے شدت پسند اسلامی قوتوں کے حوالے سے ہونے والے اپنے تجزبے سے کچھ بھی نہیں سیکھا تھا۔ مگر یہ عمل کی نہیں تھا۔ اس پر یہ حقیقت نہیں الیون سے بھی قتل والوں کا شروع ہو گئی تھی کہ وہ افغان طالبان کو کمل طور پر اپنے تابع نہیں رکھ سکتا تھا۔ نہیں الیون کے بعد کے برسوں میں اس کے پاکستانی طالبان کے ساتھ تجزبے اور ملک کے اندر دہشت گردی کی لہر کے تینجے میں پیدا ہونے والی مشکلات اور تکالیف نے یہ واضح کر دیا تھا کہ اس طرح طاقتیں کتنی خطرناک ثابت ہو سکتی ہیں۔ 2010 کے آغاز تک فوج نے میدان جنگ میں ترقی پا نو ہزار فوجی کھود دیئے تھے اور جنگی علاقے کی حدود سے ہاہر دہشت گردی کا بنیادی شکار بھی یہ خود تھی۔ نہ ہی آئی اسی آئی کو استثنی حاصل تھا۔ لاں مسجد کے سامنے کے وقت سے دہشت گرد حملوں میں آئی ایسی آئی کے 73 افران جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔ ہند کردہ بالا افسرنے جس کے تھروں کا میں نے اوپر حوالہ دیا ہے، مجھے بتایا تھا کہ فوج کو یہ تکلیف دہ احساس ہو چکا تھا کہ یہ شدت پسندوں کی فطرت تھی کہ ان کو بزرور طاقت روکنے دیا جائے۔ اس نے اصرار کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان افغان طالبان کو اپ کسی طرح بھی افغانستان میں اپنے سائل کا بہترین حل نہیں سمجھتا تھا۔ ایک سابق اعلیٰ پاکستانی سفارت کار نے بھی جو اکثر فوج کے خیالات کی عکاسی کرتا ہے، بالکل بھی نکوٹھیں کیا۔ مگر پاکستان کو حقیقت کا سامنا بھی کرنا تھا۔

2009 کے اوخر میں اوباما انتظامیہ نے افغانستان میں 30,000 اضافی فوجیں بھجوائے کا فیصلہ کیا اور اس طرح وہاں تین گزیوں کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ اب امید تھی کہ اضافی فوج بھجوائے کے بعد جنگ کا نقش پدل جائے گا اور اس طرح امریکی افواج کی واپسی کا عمل شروع ہونے تک

افغان فوج اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائے گی۔ امریکہ افغان طالبان کے ساتھ مذاکرات کرنے کے خلاف نہیں تھا مگر وہ یہ مذاکرات ایک مشبوط فریق کی حیثیت سے کرنا چاہتا تھا۔ تاہم صحیفہ فوجیوں کی تعداد میں اضافے کا اعلان کرنے کے ساتھ اسی انتظامیہ نے اس اضافے کی تحریک کے محل گیارہ ماہ بعد جولائی 2011 کی تاریخ پر بھی قرار دے دیا۔ یہ فیصلہ مبینہ طور پر اس عمومی تحریک سے بچنے کے لئے کیا گیا تھا کہ امریکہ ایک اور اسی طویل جگہ میں نکلتے خورده ہو رہا تھا جس میں اسے فتح ہو سکتی تھی۔ پاکستان نے اس پر ایک مختاطر دہلی خاہر کیا تھا، مگر انواع کی واپسی کے لئے بہت قریبی تاریخ دینے کا مطلب ان کے زدویک بہت کچھ تھا۔ قبائلی علاقوں کے اس پارکنی برلنک پاکستانی طالبان کا پیچھا کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر بچنے شروع کے اس کے لئے ابھی کئی یورپیں بھک مسلسل کوشش درکار ہو گئی، اور غالباً اس سے بھی زیادہ تعداد میں فوجیوں بھی ہا کر امریکہ افغان طالبان کے خلاف فیصلہ کن اقدام کر کے جگہ کا پانس پٹ کے۔ یہ کام 12 ماہ میں نہیں ہوتے لگا تھا۔ نہ ہی انہیں یہ یقین تھا کہ افغان فوج پر برہا راست تحریک سے اچناب کرتے ہوئے، قابل ہو سکے گی۔ میں نے 2011 کے موسم بہار میں پاکستانی فوج کے ایک بہت اعلیٰ عہدیدار کو اس تجویز یا نظریے کی تصحیح کرتے دیکھا۔ افغان فوج پر برہا راست تحریک سے اچناب کرتے ہوئے، اس نے محل بھی کہا کہئے بھرتی ہونے والے جوان کی تربیت میں انواع پاکستان کو صرف چھ ماہ لگتے ہیں مگر ایک اعلیٰ فوجی افسر کی تصریح تھیں کہ تغیرت تکمیل میں 30 برس صرف ہو جاتے ہیں۔ اس کے بیان کا اصل مفہوم بالکل واضح تھا۔ افغان فوج کی تیادت اسی اس نہیں تھی کہ وہ امریکی فوجوں کی واپسی کے بعد افغان طالبان کا برابری کی سلسلہ پر مقابلہ کر سکے۔

اس ساری صورتحال سے پاکستان نے بھی تیجہ اخذ کیا تھا کہ افغان طالبان کو نکلتے نہیں دی جاسکتی۔ اس کی وجہ تھی کہ اس کی اپنی پالیسیاں بھی اس طرح کی صورتحال کی مساوی طور پر ذمہ دار تھیں جو کہ اس خوف کی عکاسی کرتی تھیں کہ اس میں کہیں بھارت کا تسلیق قائم نہ ہو جائے کیونکہ اس کا کوئی بہتر قبول موجود تھا۔ تاہم 2011 کے موسم گرمائیک اس نے افغانستان کا اصل مذاکرات کے ذریعے نکلنے کے حوالے سے دلچسپی کی ابتدائی علامات خاہر کر دی تھیں۔ یہ غالباً اس کی اس خواہش کی عکاسی کرتی تھی کہ امریکہ کی طرف سے فوجی وستوں کی تعداد میں اضافہ اگر ان کی توجیح سے زیادہ موثر ثابت ہو جائے تو ان کے مخادرات محفوظ رہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ وقت

کے زیال کی ایک چال ہو، جس کا مقصد یہ تاثر دعا ہو کر آگے کی سمت پیش رفت ہو رہی ہے جبکہ درحقیقت کوئی باہمی سرگرمی نہ ہو رہی ہے۔ تاہم یہ اس خواہش کی عکاسی بھی ہو سکتی تھی کہ اگر امریکہ افغان افغانستان پھیل جاتی ہیں تو ایسی صورت میں افغان طالبان کے اثر و سوچ کو مدد و دیر کر کے رکھ دینے کی کوشش کی جائے۔ کامل میں طالبان کے قدم مضبوط ہونے کی صورت میں افغان طالبان کے اثر و سوچ کو مدد و دیر کر کے رکھ دینے کی کوشش کی جائے۔ کامل میں طالبان کے قدم مضبوط ہونے کی صورت میں بھارت کو یاد رکھنے میں دوستی کے ساتھ ہی پاکستان کو بھی ایک ایسی افغان حکومت سے منسلک کے تھجھٹ سے نجات مل جائے گی جو صرف شدت پسند ملاوں پر مشتمل ہو۔ اسے پہلے بھی اس کا تحریر ہو چکا تھا اور اس کا نتیجہ سید حافظ نامی ایوب کے واقعہ کی صورت میں برآ ہوا تھا۔ اس ساری جدو چند میں ان کا غیر امکانی حلیف حامد کرزی تھا جس نے افغانستان میں امریکہ کے قیام کی سکت کے حوالے سے اس وقت تک بالکل بھی تباہ اخذ کئے تھے۔ دونوں فریض اس حق میں تھے کہ کم سے کم افغان طالبان کے کچھ نہ کچھ نہ محدود سے ضرور مذاکرات کے جائیں۔

پاکستان کے نزدیک اس کا مطلب اول و آخر حقانی نیست و رک کے نہ محدود ہی تھے۔ جیسا کہ ہم دیکھے ہیں آئی ایس آئی اور حقانی نیست و رک کے ہانی جلال الدین کے مابین سودیت خلاف جہاد کے زمانے سے اسی روابط چلے آرہے ہیں۔ وہ ایک مجاہد کا پیش مفتر رکھتا تھا اور کوئی خنت جان طالبان نہیں تھا اور تحریر یک 1996 میں صرف اس وقت تک ہوا تھا جب وہ کامل کے دروازوں پر پہنچ چکے تھے۔ آئی ایس آئی نے نائن ایوب کے بعد کی صورت حال کے نتیجے میں خانی کی طرف سے شمالی وزیرستان کی طرف پہنچی اس سے تعلقات چاری رکھے ہوئے تھے۔ یہ علاقہ ان کا جانا پہچانا تھا کیونکہ جلال الدین نے سودیت خلاف جہاد کے دوران بیہاں سے کارروائیاں کرنے کے لئے اپنے پاکستانی گڑھ کے طور پر استعمال کیا تھا۔ گروہ اب بستر کے ساتھ ہی لگتا جا رہا تھا اور اس نے اپنے نیست و رک کی سر پرستی بھی اپنے سب سے بڑے میں سراج الدین کے حوالے کر دی تھی جو کہ طالبان کے ساتھ زیادہ مہماں رکھتا تھا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا تو جوان خانی خطے میں پاکستانی مخاوات کا، بہت زبردست حمامی تھا جس نے کہ محسوس قابل کے افراد کے علاوہ دیگر کو بھی اس امر کا تقاضا کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی کہ وہ پاکستانی فوج کے

خلاف اپنی بھتڑکتی ختم کر دیں۔ خانی کے کارکنوں نے جولائی 2008 اور اکتوبر 2009 میں کامل میں بھارتی سفارت خانے پر حملے کرنے میں بھی آئی ایس کی معاونت کی تھی کی تھی۔ پاکستانی حکومت و فوج کو یقین تھا کہ خانی ان کا آدمی تھا اور اسے کرزائی حکومت کے ساتھ شرکت اقتدار کے حوالے سے رضا مند کیا جا سکتا تھا۔

یہ امر اتنا واضح نہیں تھا کہ پاکستان نے ملا عمر کے لئے کیا کروار سوچا ہوا تھا۔ دوسرے طالبان رہنماء، خواہ افغانی تھے یا پاکستانی، کم از کم طالبان کے ہانی اس شخص کو بظاہر اپنا قائد تسلیم کرتے تھے۔ اس دوران اس کی کوئی شوریٰ جنوبی افغانستان کے اندر طالبان کا روانہ ہوں میں مٹوٹ نظر نہیں تھی۔ فوج کے ایک سابق اعلیٰ عہدیدار نے جو کہ پاکستانی اندرا فلکر سے واقف تھا، 2010 کی گرمیوں میں میرے سامنے اس امر کا اعتراف کر دیا تھا کہ پاکستان افغان اتحاد میں خانی کی شویست کو خوش آمدید کہہ دے گا مگر اسے ملا عمر کے بارے میں اتنا یقین نہیں تھا۔ اس کی بے یقینی کی ایک وجہ کا تعلق ہاٹا کر تین ماہ قبل کراچی میں ملا عمر کے نائب معاون ملا برادر کی پراسرار گرفتاری سے بھی تھا۔ اس وقت بہت سے تجزیہ نگاروں کا خیال تھا کہ یہ گرفتاری اس امر کا اشارہ بھی ہو سکتی تھی کہ پاکستان آخر کار افغان طالبان کے خلاف کارروائی پر آمادہ ہو چکا تھا۔ مگر ایسا نظر نہیں آ رہا تھا۔ پاکستان کے دفاعی اداروں کے افسران اعلیٰ نے اگست میں بنیارک نائگر کو بتایا تھا کہ انہوں نے برادر کو اس لئے گرفتار کیا تھا کیونکہ وہ ان کو آگاہ کرنے بخیر کرزائی حکومت سے مذاکرات کرتا رہا تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان اور کرزائی حکومت مذاکرات پر مبنی عمل کے لئے مختلف مقاصد کے تحت کوشش تھے۔ حقیقت جو بھی ہو، اپریل 2011 تک وہ افغان طالبان کے ساتھ مذاکرات کا عمل پروان چڑھانے کے لئے اعلیٰ سطحی کمپیون کی تشكیل پر رضا مند ہو چکے تھے۔ اس عمل کے ایک جزو کے طور پر انہوں نے ترکی کی طرف سے طالبان کو ان کے اپنے ملک میں رفتہ کو نئے کی تجویز سے بھی اتفاق کر دیا تھا۔

اگرچہ امریکہ نے ایک مرحلے پر افغان طالبان کے ساتھ مذاکرات کی ضرورت کو تسلیم کر دیا تھا، تاہم امریکہ نے ایک مسئلے پر واقع صد فاضل بھیج دی تھی، یعنی کامل میں کسی بھی ایسی طالبان تنظیم کے کروار کی مخالفت جو القاعدہ کی حمایت جاری رکھے ہوئے ہو۔ پاکستان اس حقیقت سے اپنی طرح آگاہ تھا اور خانی گروپ کو قتل کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا کہ وہ عرب ممالک سے

اپنے روابط قائم کر دیں، مگر بظاہر اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ امریکہ بھی نماکرات میں ایک مضبوط فرقہ کی حیثیت سے شامل ہوتا چاہتا تھا۔ اور اوباما کی طرف سے افغانستان میں متعین امریکی فوجوں کی تعداد میں اضافے کے پس پر دکانی حد تک بھی محکم کار فرماتا تھا: طالبان کو کافی حد تک کمزور کر کے رکھ دو اور پھر دیکھو کہ آیا انہیں نماکرات کی میز پر لا کر اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ شرکا لامنوا نے پر مجیدر کیا جاسکتا ہے۔ امریکہ کی بڑی افواج کی طاقت میں اضافے کے پس پر دہ پری ایئری کا عضر بھی اہمیت رکھتا تھا۔ پاکستان کی طرف سے شامی وزیرستان میں چار جانش کارروائی کے حوالے سے مسلسل بھیچپا ہٹ کو مد نظر رکھتے ہوئے امریکہ نے پاکستان کو ڈرون حملوں میں ایک مرتبہ پھر اضافہ کرنے کی پالیسی سے اتفاق کرنے پر مجیدر کر دیا۔ 2009 کے اوآخر میں ان حملوں کی تعداد تقریباً تین ماہ سے بڑھ کر پانچ تا دس فی اہنگ پہنچ گئی۔ ان حملوں کا زیادہ تر بدف شامی وزیرستان کا وہ علاقہ تھا جس کا حصہ حملوں کا تسلط تھا۔ سراج الدین کا چھونا بھائی محمد خانی بھی فروری 2010 میں ایک ایسے ہی حملے کی زد میں آکر ہلاک ہو گیا تھا۔ بعد ازاں ستمبر 2010 میں ان حملوں کی رفتار ایک مرتبہ پھر بڑھنے لگی۔ سال کے آخر تک پری وزیر میرزا ملک حٹے تقریباً ایک روڑ کے ولقے سے مسلسل کے جانے لگے اور بعض اوقات تو ایک دن میں کوئی کوئی حملے کے جاتے۔

ناہم ڈرون حملوں کی تعداد میں تجزی سے اضافہ بھی امریکہ کو مطمئن کرنے کیلئے کافی نہیں تھا۔ یہ نکتہ تبیر کے اوآخر میں اس وقت واضح ہو گیا جب امریکہ نے عقایقی نیت و رک کے بھاگتے ہوئے چہاڑیوں کے پر جوش تعاقب میں پاکستانی حدود کے اندر حملہ آور بیتلی کا پھر روان کر کے پاکستان کی برداشت کا امتحان لینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح کے تین حصے دیکھنے میں آئے جن میں سے ایک کا نتیجہ فرنگیر کو رکے ان تین جوانوں کی بلا کست کی صورت میں برآمد ہوا جنہوں نے ان بیتلی کا پھرول کو واپس لوٹ جانے پر مجیدر کرنے کی کوشش میں ہوا میں فائزگی کی تھی۔ ان حملوں نے پاکستان کی سر زمین پر امریکہ کی جگلی کارروائیوں کے حوالے سے طویل عرصہ سے نافذ پاندیدیوں کی خلاف ورزی کر کے رکھ دی تھی۔ پاکستان نے امریکہ کی توقعات کے بر عکس پہنچ زیادہ ہی جعلی روگیں کا انتہا اور دوسروں میں سے ایک کی بندش کی صورت میں کیا جو امریکہ افغانستان میں اپنی، فوجیں بھجوانے کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اس کے تقریباً اور بعد ہی سرحد کی بندش کے باعث رسدر فراہم کرنے والے امریکی قافلے کی راستے میں جگہ جگہ رکی ہوئی گازیوں پر حملہ شروع

کر دیئے گئے۔ اگرچہ تحریک طالبان نے ان جلوں کی ذمہ داری قبول کر لی تھی، مگر اس امر کا بہت ای کم امکان ہے کہ ان کے چہاری اہداف کا یقین کر کے انہیں شکار ہانے کی الیت رکھتے تھے۔ بعض ٹھے ایسے علاقوں میں واقع ہوئے، مثلاً اندروان سندھ، جہاں پر کہ پاکستانی طالبان کا کوئی وجودی نہیں تھا۔ ایک ایجادی امرکانی وضاحت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پاکستان نے یہ حملے اپنا موقف واضح کرنے یا کوئی خاص پیغام دینے کے لئے خود ہی کروادیے ہوں۔ انہیں اس حوالے سے بظاہر کامیابی ہو گئی تھی، کیونکہ کچھ ہی دنوں کے اندر اندر امریکہ کا عالمی معانی مانگنی پڑی اور یوں اس کے نتیجے میں پاکستان نے امریکہ اور نیشن کے رسماں فراہم کرنے والے قاطلوں کے لئے وزہ خبر کا راستہ دوبارہ کھول دیا۔

2010 کے اوائل میں اس طرح کی خبریں مختصر عالم پر آنے لگ گئیں کہ چالی بیس درک کے بعض عناصر کرم ایجادی میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے جو کہ شمالی وزیرستان کے شمال میں بالکل قریب ہی واقع ہے۔ پاکستانی اخبارات میں یہ افواہیں گردش کر رہی تھیں کہ یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا تھا کہ خانیوں کے زیر تسلط علاقے پر امریکہ کے مسلسل ڈرون جلوں سے پناہ حاصل ہو سکے۔ تاہم یہ بھی ممکن ہے کہ چالی لوگ شمالی وزیرستان پر پاکستانی فوج کے مکنے جا رہا ہے جس سے پہنچ کی چیلگی کو شکیں کر رہے ہوں۔ اس طرح کی کارروائی کرنے کے لئے پاکستان پر صرف امریکہ مسلسل دباؤ ڈال رہا تھا بلکہ اس مقدمہ کے لئے خود ان کے پاس بھی وجوہات موجود تھیں۔ جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا ہے 2009 کی خراس میں جنوبی وزیرستان سے باہر ڈھیل دیئے جانے کے بعد گھوڑے کے بہت سے چہار یوں کو شمالی افغانستان میں پناہ لئی چکر گئی تھی۔ اور یہ جلد ہی پاکستانی طالبان کی ریاست خالف سرگرمیوں کا انتظامی گڑھ بن کر رہ گیا تھا۔ اگرچہ پاکستان کو ابھی تک سبکی ٹکرائی کہ کہیں دوسرا علاقوں پر اس کی گرفت کر دینہ پڑ جائے، مگر انہوں نے پھر بھی یہ فیصلہ کر لیا ہو گا کہ شمالی وزیرستان میں داخلے کا خطہ مول لینا مناسب رہے گا۔ چونکہ چالی لوگ، ممکن طور پر پاکستان کے اکسانے پر ہی بحفلت کرم ایجادی میں پناہ لے پچے تھے، اس نے فوج وہاں بیانہ کر دیا ہے کہ اس کی شرائط کے مطابق نہیں تھا۔ تاہم پاکستان کے طرف سے اس امریکی مسلسل تزویہ کی جاتی رہی کہ وہ ممتاز صفتیں ایسے علاقوں میں کسی فوری کارروائی کا ارادہ رکھتا تھا۔ امریکہ اور

پاکستان کے درمیان شمالی وزیرستان کے اندر کارروائی کی نویجت کے حوالے سے اختلافات دوستاز حلقوں کے درمیان پائے جاتے والے غیر مربوط اور متلاص تعلقات کی انتہائی واضح علامت تھے۔ پاکستان نے القاعدہ کے بہت سے اعلیٰ عہدیداروں و کارکنان کو انصاف کے کثیرے تک پہنچانے میں امریکہ کی مدد کی تھی۔ اس نے ملک کے اندر کزی تختیہ کا سامنا کرنے کے باوجود قباقی علاقوں میں القاعدہ اور طالبان کے اہداف کو نشانہ بنانے کی اجازت دی تھی۔ جیسا کہ 2009 کے اوائل میں مکشف کیا گیا تھا بعض ذرeron اندر وون بلوچستان کے دور روز مقام سے پاکستانی علاقے کے باہر بھی کارروائی میں استعمال ہو رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے ذرeron پاکستان کی طرف سے فراہم کردہ معلومات کی بنیاد پر ہی اپنے ہدف کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ اسی طرح افغانستان کے اندر امریکی کارروائیوں کے لئے بھی پاکستان کا تعاون فیصل کن حیثیت رکھتا تھا۔ جیسا کہ امریکی ہیئت کا پروں کے قبائلی علاقوں کے اندر بلا اجازت جلوں پر پاکستان کے رد عمل سے صاف ظاہر ہوتا تھا، امریکہ کو افغانستان کے اندر اپنی فوجیں بھجوانے کے لئے پاکستان کی یونیورسٹی پر بہت زیادہ احصار کرتا پڑتا تھا۔ مگر جب اس ملک میں امریکہ کے مقاصد کی حمایت کا مرحلہ آتا تو پاکستان ایک حليف کی نسبت اچھا خاصاً حریف ثابت ہوا۔ اسی طرح وہ اسلامدین لاون کی تلاش کی کوششوں میں بھی ناکام ہو کر رہ گئے تھے حالانکہ عام طور پر یہ یقین پاپیا جاتا تھا کہ وہ سینکل کہیں اس ملک کے اندر ہی چھپا بیٹھا تھا۔ اکتوبر 2009 کے اپنے دورے کے دوران انہی اور ہم وکھائی دینے والی امریکی وزیر خارجہ تبلیغی کانشن نے پاکستانی اخبارات کے ایڈیٹریوں کو بتایا تھا کہ اس کے لئے یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ پاکستانی حکام میں سے کسی کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ وہ لاون کہاں ہے۔

امریکہ نے اپنے طور پر پاکستان کو اچھی خاصی مادی اور مالی امداد اسے نوازا تھا۔ 2004 میں اس نے پاکستان کو غیر نیوٹو حليف کا درجہ عطا کیا تھا جو کہ پوری دنیا میں ایسے تیرہ اور ممالک کے پاس تھا، اور جس کی بنیاد پر اسے دفاعی ساز و سامان کے ترتیبی بنیادوں پر حصول کا حق حاصل ہو گیا تھا (ان چھوڑ ممالک میں بھارت شامل نہیں ہے)۔ 2010 تک امریکہ پاکستان کو سالانہ تقریباً 2 ارب ڈالر کی وفاقی امداد سے نواز رہا تھا جس میں سے زیادہ کا تعلق قبائلی علاقوں میں کارروائیوں پر پاکستانی فوج کے مصارف کی ادائیگی سے تھا۔ اس کے علاوہ امریکہ نے پاکستان

کو جدید ایف۔ سولہ طیارے اور غیر مسلح گمراں ڈرون بھی، جن کا واضح مقصد تو طالبان کے خلاف استعمال کرنا تھا مگر جنہیں بھارت کے خلاف بھی استعمال کیا جاسکتا تھا، فروخت کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ امریکہ نے پاکستان کو خوش کرنے کے لئے وزیر خارجہ کی سطح پر باقاعدہ اجلاس کی خصوصیت کے حامل وسیع تر موضوعات کا احاطہ کرنے والے "کلیدی مذاکرات" کا سلسہ استوار کرنے پر بھی رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ ایک الٹی کے سابقہ پاکستانی سفارت خارجے بننے تباہ تھا کہ پاکستان کو یہ سب کچھ اس لئے بھی اچھا ہا تھا کیونکہ اس طرح اسے امریکہ کو وہ سب کچھ سنانے کا موقع مل جاتا ہو کہہ کرنا چاہتا تھا۔

سویٹین شعبے میں بھی پاکستان کی امداد 105 ملین ڈالر تک پہنچی جس کے پس پڑہ 2008ء میں منتظر ہونے والا کیری لوگر مل تھا۔ اس قدر فیاضی اور دریادی کے مظاہرے کے باوجود کیری لوگر مل کی تھی مخلوقی کے تینے میں پاکستان کے اندر بڑے پیانے پر اجتماع شروع کر دیا گیا۔ مسئلہ پھر یوں کامیاب تھا: پاکستان کو معاہدے کی زبان بڑی مریبیانہ اور ہم تراشی گئی جس کے تحت اسے وہشت گردی کی حمایت سے ہازر ہے کے ساتھ ہی اپنا انتظامیہ پر یہ شرط عائد کی گئی تھی کہ وہ اس امریکی تصدیق کرے کہ فوج ملک کے "سیاسی عدالتی حالات" میں خل اندازی کی کوشش نہیں کر رہی تھی۔ صورتحال اس وقت مزید بگزار کر رہی تھی جب امریکہ نے اسلام آباد میں اپنی سفارتی سہولتوں میں خاطر خواہ اضافے اور اپنے سفارتی محلے کی تعداد میں تقریباً سو فیصد اضافے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی یہ انواعیں بڑی شدت اختیار کر گئیں کہ امریکہ بری و بھری جنگی ماہر ایک بڑا راضاً تریتی یا نتوفیجن (marine guards) بھگوانے کے ساتھ ہی بیک و اڑ سکیو رٹی کمپنی کی خدمات بھی حاصل کر رہا ہے تاکہ ان کو اپنے ناپاک عزم کی محیل کے لئے استعمال کر سکے۔ یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ بہت سے نئے عملے کی خدمات اس نے حاصل کی جا رہی ہیں تاکہ وہ کیری لوگر مل کے تحت ملے والی امداد کی مگرائی کر سکیں کہ یہ کم مقاصد کے لئے خرچ کی جا رہی ہے، اگرچہ اس کا شاید کچھ جواز تو ہوتا تھا، مگر اسے آخر کار استعمال کرنے والے 1938ء سے مترجم اور مسلم بیگ کے ساتھ قریبی طور پر دارست تھے اور آں اڑا یا مسلم بیگ کی درستگی کیم ہر پاکستانیوں کی دیانت پر بھٹکل ہی اعتماد کا مظہر گردانا جاسکتا تھا۔ صورتحال کے اس رخ کے باعث امریکہ کے پاکستان کے حوالے سے تھی عزم کے بارے میں پائے جانے والے

ترین رکن بھی تھے۔

فرسرو نظریات کو ہوا ملنے لگی۔ امریکہ واقعی کسی خاص متعارف کے حصول کی جانب پیش رفت کرنے لگا ہے۔ پورے سرچ کے رائے عامہ سے متعلق ایک جائزے میں، جو کہ کئی ماہ بعد لیا گیا تھا، انکشاف کیا گیا کہ تقریباً 60 فیصد پاکستانی امریکہ کا چاد ٹھن سمجھتے ہیں۔

ان مخالفات نے پاکستانی حکام کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ انہوں نے پیپے تو لے لئے، مگر صرف بد کرنے کے ایک بھلکی واقعے کے خود پر آنے والے مختاری عملے کے لئے ویزے چاری کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے دارالحکومت میں گشت کرنے والے امریکی سفارت کاروں کو بھی ہر اسان کرنا شروع کر دیا اور جب بھی کسی امریکی سفارت کار کی گاڑی پر نظر پڑتی تو گاڑی میں بیٹھنے ہوئے افراد و باہر لٹاں کر علاشی لینے پر اصرار کیا جاتا۔ اس طرح کی تازیہ حرکات کا سلسلہ کمی ماہنگ جاری رہا۔ یہاں کے خیال میں امریکہ کی پاکستان کے حاس معاشرات اور پریشانیوں کے حوالے سے انتہائی بے رحمانہ غفلت کا شرہ تھا۔ جیسا کہ بھیش سے ہوتا آیا ہے پاکستان امریکہ سے اس لئے بھی شدید تاریخی تھا کیونکہ امریکہ بھارت کے حوالے سے پاکستان کے تھکرات کے اذالے کے لئے کچھ بھی کرنے پر رضا مند نظر آتا تھا۔ امریکہ نے بھی کے مسئلے پر قوای سر زندگی کی تھی مگر کشمیر کے حوالے سے اس طرح کی کوئی خاص مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس حقیقت سے ابھی طرح آگاہ تھے کہ اوباما انتظامیہ نے شروع شروع میں اقوام متحده میں اپنے سابقہ سفیر چڑھا بر و کو بھی کہ پاکستان اور افغانستان کے لئے نمائندہ خصوصی مقرر کیا گیا تھا مگر اذیکی طرف سے مخالفت کے انتہاء کے بعد یہ تجویز ٹرک کر دی گئی تھی۔

اور بالکل اسی طرح امریکہ کی طرف سے افغانستان میں بھارت کی موجودگی کے حوالے سے پاکستانی تھکرات کو بھیجی گئے۔ دلیل ہے پر بھی پاکستان کو شدید مابیوسی تھی۔ بھارت کو اپنی سرگرمیوں میں کی کرنے کی لیست تدوینی ہات، امریکی عبدیدار الشاہ بھارت کے کروز کورسراہنے میں ہوئے تھے جو کہ اس امریکی تدوین کے مترادف تھا کہ بھارت کی وہاں موجودگی سے پاکستان کو کوئی حقیقی خطرہ لا جائے۔

جبکہ امریکہ کا تعلق ہے تو پاکستان کے لئے افغانستان کے حوالے سے اپنے تحفظ کے خلاف دور کرنے کا بہترین طریقہ بھی تھا کہ وہ کرزی حکومت سے قریبی تعلقات قائم

کرے۔ تاہم پاکستانی حکام اور کرزی کے مابین شدید عدم اعتماد اور معاندانہ چذبات کے ہوتے ہوئے یہ اتحائی مشکل امریکی دے رہا تھا۔ حتیٰ بات یہ کہ نہ تو امریکہ اور نہ یعنی پاکستان ایک دوسرے کو ان مسائل کے حوالے سے مطمئن کرنے کے قابل یا تیار نظر نہیں آتے تھے جو ان کے نزدیک بہت اہمیت کے حوالہ تھے۔ دونوں حماکنے ایک دوسرے کے لئے بہت کیا تھا مگر پھر بھی یہ کافی نہیں تھا۔ تعلقات پر ٹکٹوک و شبہات اور عدم اعتماد کے ساتھ مزید گھرے ہوتے چلے چاہیے تھے۔

دسمبر 2010ء میں یہ آئی اے نے اپنے اعلیٰ ترین نمائندے کو موت کی حکمیات ملنے کے بعد اسلام آباد سے واپس یاں پلا لیا۔ نیز اگر نمائندے سے ٹکٹوک کرتے ہوئے امریکی عہدیداروں نے تھایا کہ آئی ایس آئی نے اس کی خفیہ سرگرمیوں کا راز فاش کر دیا تھا۔ بعد ازاں جنوری 2011ء کے اوائل میں تعلقات پر امامی طور پر اس وقت مزید کشیدگی کا شکار ہو گئے جب امریکہ کا سفارتی پاسپورٹ رکھنے والے ایک کارکن ریمنڈ ڈیویس کو لاہور میں روایتی افراد کو گولی مار کر ہلاک کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا تھا جو اس کے دھوے کے مطابق اسے لوئے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس واقعے سے پاکستانی عوام میں اشتغال کی لمبڑی تھی جو امریکہ کے اس اصرار پر بعد ازاں مزید برافروختی ہو کر رہ گئے تھے کہ ڈیویس کو سفارتی انتظام حاصل تھا اس لئے اسے فوری طور پر رہا کر دیا چاہئے۔ اس کے بعد مخفیت ہوا کہ ڈیویس اصل میں ٹکیڈار تھا جو لاہور میں یہ آئی اے کی ایک ایسی پر اسرا نیم کے لئے کام کر رہا تھا جس کی سرگرمیوں سے پہلے آئی ایس آئی بھی بے خبر تھی اس واقعے نے پاکستان کے ان بدترین ٹکٹوک و شبہات کی بھی تصدیق کر دی کہ امریکہ ان کے ملک میں کیا کچھ کر سکتا ہے۔ پاکستانی حکام کا دعویٰ تھا کہ آئی اے کی نیم مقامی طور پر سرگرم اسلامی اجتہادیوں کے معمولات کی جا سوئی میں صروف تھی۔ ان کا یہ بھی اصرار تھا کہ مارے جانے والے دو افراد کو نہیں بلکہ آئی ایس آئی نے جنہیں ڈیویس کے تعاقب کا فریضہ سونپا گیا تھا۔ اگرچہ پاکستان نے براہ راست تو اعتراف نہیں کیا، مگری آئی اے جن اسلامی اجتہادیوں کی گرفتاری کر رہی تھی وہ تقریباً یقینی طور پر لٹکر طبیبہ کے کارکن تھے جو کہ لاہور سے کام کرنے والی واحد انجمنی پر اسلامی تنظیم ہے۔ پاکستانی حکام کے لٹکر طبیبہ کے ساتھ تعلقات کی حساس نویسیت کے پیش نظر یہ کوئی ایسی صورت حال نہیں تھی جسے آئی ایس آئی اتنی آسانی سے نظر انداز کر سکتی۔ اس

وادعے کے نتیجے میں یہ خدمات بھی سراہجانے لگے کہ ہو سکا ہے کہ سی آئی اے ملک کے دمک  
علاقوں میں بھی اس طرح کی ناخوشگار سرگزیوں میں ملوث رہی ہو۔ بخوبی کے صوبائی حکام نے  
جن کی قیادت حزب خلاف کی پی ایم ایل کر رہی تھی، امریکہ اس اصرار کے باوجود کہ ذیبوں کو  
سفارشی اشتہی حاصل تھا، اس کے خلاف قتل کے اعلانات عائد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ زرداری حکومت  
جو کوئی مسائل کو حل کرنے میں ناکامی کے باعث پہلے ہی بہت کمزور پڑ چکی تھی اور اس تازہ وادعے  
پر جوام کے شدید در عمل سے بولکھلائی ہوئی بھی تھی، مداخلت کرنے سے پچھاڑ رہی تھی۔

یہ مسئلہ آخر کار بھیں مارچ میں جا کر اس وقت حل ہوا جب آئی تہی آئی اے سے یہ لفظی دہانی حاصل کر لی کہ ہو رکی طرز پر کی جائے والی کسی بھی کارروائی سے قبل اس کی اجازت حاصل کی جائے گی۔ ایک دوسرے کی ساکھو بچانے کے لئے ایک ایسا معابد کیا گیا جس کے تحت امریکہ معمولیں کے گھروں والوں کو دیتے لعین خون براہ ادا کرنے پر تیار ہو گیا بائزٹلیکس اس کے بدے عائد شدہ اذیمات واپس لے لئے جائیں۔ فیوجس پچھی توتوں کے اندر اندر طیارے میں یعنی کرپاکستانی حصہ سے باہر نکل پکھا تھا جبکہ پاکستانی عوام کو ابھی اس کی خبر ہی نہیں ملی تھی۔ دیت کے قانون کے باعث، جو کہ ایک ایسا شرمنی اصول ہے جس سے شاذ و نادر اسی رجوع کیا جاتا ہے، معاملے کو حل کرنے کے ساتھ یہ جماعت اسلامی کے ذریعہ اہتمام کے جانے والے مظاہروں کی شدت کم کرنے میں بھی مددی۔

ان معاملات کو خوش اسلوبی سے منساد یئے کے بعد و طرف تعلقات میں نظر آنے والی  
کہتری کی امید یہ یا کیک اس وقت پھنا چور ہو کر رہ گئیں جب ڈیوں کی رہائی کے اگلے دن یہ  
ایک امریکی میزائل مٹلے کے نتیجے میں شمالی وزیرستان میں اڑتا لیں افراوجاں بحق ہو گئے جو کہ  
یری ذیش کی جگ کے دروان سے سے زیادہ ہاکتوں والے واقعات میں سے ایک واقع تھا۔

اگرچا امریکہ کا اصرار تھا کہ جاں بحق ہونے والے افراد وہ بحث کر دیتے، مگر پاکستان نے اس کی پرواز درجہ بند کر دی تھی۔ اس واقعے کی تحقیقیں کرنے والے پشاور کے ایک ممتاز صحافی کے دھوکے کے مطابق میرزا کوں کا نشانہ مقامی جرگے میں شرکت کے لئے آکھنے ہونے والے وہ افراد تھے جو وہاں کرو مائٹ کی ایک مقامی کائن کو پہنچ پر دینے کے انتظامات کے حوالے سے چاولہ خیال کر رہے تھے۔ جرزل کیا تھی کی آواز پاکستان میں پرواز اخراج کرنے والوں میں سب سے زیادہ نمایاں تھی کہ وہ یا تو پری ذیلر جملے بند کر دے یا پھر ان میں خاطر خواہ کی لے آئے۔ مسلسل بڑھتے

ہوئے ذریعہ حملوں کے پس پر وہ نہم رضا منداز خاموشی کے دوسرے زیادہ برسوں کے بعد پاکستان نے یہ تاثر دینا شروع کر دیا تھا کہ جیسے اس کی برداشت جواب دینے لگی ہے۔

تاہم انہی صورت حال اس سے بھی بذری ہونے لگی تھی۔ کیم سی 2011 کو فوجی تاریخ کے ایک بلادپر طویل ترین اور امتحانی بے باکانہ اور کامیاب نظر آنے والے کمانڈو حملوں کے دو ان امریکہ نے اسماء بن لاون کو مارنے کی جم کے لئے پاکستان کی سر زمین کے اندر درجک اپنے خصوصی فوجی اسٹار ہے۔ وہ قبائلی علاقے کی کسی ٹارکے اندر رہنیں چھپا بیٹھا تھا جیسا کہ اس سے پہلے سوچا جا رہا تھا، بلکہ آخر کار اسلام آباد سے صرف چند میل کے فاصلے پر خیر بختون خواہ کے اندر واقع ایہ آبادناہی شہر کے گرد و فوج میں ایک بہت بڑی بھارت کے اندر رہ پوش تھا۔ ایہ آباد محل ایک شہر ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک فوجی چھاؤنی بھی ہے جس کا پاکستان ملٹری اکیڈمی، کاکول بھی واقع ہے جو کہ پاکستان کا ویسٹ پنجاب کا حصہ ہے۔ بن لاون کا احاطہ کچھ ہی فاصلے پر ایک ایسے حملوں علاقے میں تھا جہاں فوج کے بہت سے رہنائی افسروں بھی رہاں پڑ رہتے۔ یہ کمانڈو اپریشن جسے نویں سلنڈر (Navy SEALs) کی اس عملہ اور نہم نے سر انجام دیا تھا جسے افغانستان سے بیکل کا پیروں کے ذریعے بھاں لایا گیا تھا، میڈیٹھور پر پاکستانی حکام کے علم یا رضا مندی کے بغیر ہی شروع کیا گیا تھا۔ اگرچہ امریکی وزیر خارجہ ہماری کمائن کے اعلان کے مطابق اسماء بن لاون کا سراغ لگانے میں پاکستان کی طرف سے فراہم کی گئی تھیں معلومات، بہت معاون ثابت ہوئی تھیں، مگر پاکستان کو اس اکشاف پر بہت ندامت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ نہ صرف یہ کہ انہیں اس کارروائی کے حوالے سے کسی قسم کی جنگی اطلاع کے قابل ہیں بھی کہا تو بھی بکھر رکھے یہ بھی کہ سب کچھ میں ان کی ناک کے پیچے ہوئے اس حقیقت کو چھپا ناٹھک تھا کہ بن لاون نے خوب کو روپوش رکھے کے لئے ایک ایسے شہر کا تھا کہ یا تھا جو کہ پاکستانی فوج کا گز ہوتا تھا فوج کو یا تو اس کی موجودگی کا بالکل ہی سمجھنی تھا، جس سے اس کی ناہیت ثابت ہوئی ہے یا پھر اگر اسے طبقاً تو اس نے اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے گریزی کیا۔

یہ حاکر خیز اتفاقات ہو کر ناگینہ ایون کے قفر بائیک مغربے کے بعد آئی پہر ہوئے، پاکستان اور امریکہ کے مابین ہائی تصادم مفادات اور شدید عدم اعتماد کی عکاسی کرنے نظر آئے تھے۔ وہ اپنی مردمی سے جسک جنگی ضربات کے تحت حلیف ہے تھے، جن کے لئے ایک دسرے کو تھک یا شکنی کی نظر سے دیکھنے ملک تھا۔ اور یہی گناہ ہے کہ ان اتفاقات کے مابین واحد مشترک عضور صرف یہ خوف تھا کہ اگر یہ اتفاقات قراب ہو گئے تو اس کے خاتمہ کا جا کن، ہو سکتے ہیں۔

## مستقبل میں حالات کیارخ اختیار کر سکتے ہیں

اس کا آغاز تیک نجی سے ہوا تھا۔ پاکستان نے اول اول مذہبی چدیات سے سرشار، معرفت مجاہدین کو افغانستان پر سودیت پختے کے دوران اپنے خارجہ پا یہی کے مقاصد کے فروع کے لئے استعمال کیا تھا۔ امریکہ نے اس سارے عمل میں پاکستان کو مکمل یا تعاون دیا تھا۔ امریکہ نے اس سارے عمل میں پاکستان کو مکمل جماعت و تعاون سے نواز نے کے ساتھ ہی سودیت یونیٹ کو افغانستان سے بے خل کرنے کے لئے ایک عشرے پر میط جدوجہد میں اس کے حلیف اور مرتبہ کا کروارادا کیا تھا۔ اور اس وقت دلوں فریض افغانستان پر ایک دوسرے کے ساتھ یک جان تھے اور اس کے مطلوبہ نتائج بھی برآمد ہوئے تھے۔ بلکہ اس حکمت عملی سے اتنا فائدہ حاصل ہوا کہ پاکستان نے انتہام پسند چہاریوں کوستے۔ جنکی ہتھیاروں کے طور پر مسلسل استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور کیوں نہیں؟ وہ انہیں افغانستان میں تالیخ فرمان رکھنے کا قابل ہو گئے تھے اور یقیناً وہ انہیں اب بھی اپنے تالیخ فرمان رکھ سکتے تھے۔ اور ایک مرتبہ پھر شروع میں سب کچھ درست طریقے سے ہوتا نظر آ رہا تھا۔ چہاریوں نے کشمیر میں بھارتیوں کی زندگی عذاب بنا کر رکھ دی تھی، اور افغانستان میں ان کے طالبان نمائندے اقامت مقام تجزی سے بر سر اقتدار آ پچے تھے۔ پاکستانی بڑے شاداں و فرحان نظر آ رہے تھے۔ مگر پھر یہ سب کچھ سامنے آنا شروع ہو گیا اور گھنیاں سمجھنے لگیں۔ یہ مذہبی حکومتیں یا جہادی تعاون کے لئے تیار تھے مگر صرف ایک حد تک۔ وہ مذہبی حرکات کے تحت سرگرم عمل تھے اور ان کا مقصد ان جا گیر وار سیاستدانوں کی مدد کرنا تھیں تھا جن کی اکثریت اس اسلام کی پیروکار تھی جس سے وہ پیزار ہو چکے تھے۔ طالبان یعنی لاوں کو حوالے کرنے پر تیار تھیں تھے۔

چہادیوں نے کشمیر میں پہاڑوں اور دیگر جھیلوں پر گھومتے والے مغربی سیاحوں کو انخواہ کر کے ان کے رتن سے چدا کر دا لے تھے اور نیو ڈلی میں بھارتی پارلیمنٹ پر بھی حملہ کیا تھا۔ نائین الیون کے بعد پاکستان کی خارجہ پالیسی کے ان سابق آلہ کاروں کی اکثریت بڑی تیزی اور بے روپی سے ریاست مختلف سرگرمیوں کی طرف مائل ہوئی چلی گئی۔ مگر یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ وہ قدم جھاپچے تھے، جہاں وہ ہر گز رتے ہوں کے ساتھ اس طرح بھلٹے پھولتے جا رہے تھے جس طرح جسم کے اندر سرطان جو ایک عضو سے دوسرے عضو میں سراہت کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کا آغاز تو بڑی نیک نیتی سے ہوا تھا مگر یہ سب کس طرح اختتام پذیر ہو گا؟

اس کا بہت حد تک انحصار اس پر بھی ہو سکتا ہے کہ افغانستان میں واقعات و حالات کیا رخ اختیار کریں گے۔ اگر پاکستان کے پاس کوئی جادو کی چیزی ہوئی تو وہ افغانستان میں قائم اتحاد پاکستان نواز سکر پشوتوں کو بر سر اقتدار لے آتے۔ مگر اس طرح کی تخلق کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہاں صرف حاد کرزی کا وجود ہے اور سے بخشل ای پاکستان روست کہا جاسکتا ہے۔ اس کے سامنے صرف دو ہی راستے موجود ہیں، یعنی یا تو ایک ایسا افغانستان جہاں شہی اتحاد کی شکل میں موجود ان تابک یا ازبک نسل کے ہاشمیوں کا راجح ہو جن کے ہمارے میں انہیں یقین ہے کہ بھارت کے ساتھ مشترکہ معاہد کے لئے کام کریں گے، یا پھر وہ افغانستان جہاں افغان طالبان کا ظہبہ ہو۔ یہاں کے لئے کوئی خوکھوار انتخاب نہیں ہے، مگر کوئی ایسا مشکل انتخاب بھی نہیں ہے۔ نائن الیون سے لے کر اب تک جو کچھ بھی ہوا ہے، اس کے باوجود پاکستان کے نزدیک بھارت ابھی تک ایک اہم خطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ بھارت آخر اس کا لیئنی دشمن ہے، جبکہ افغان طالبان صرف مکنڈ دشمن ہی ہیں۔ پاکستان کے ذہن میں یہاں تک جھل دھور توں سے کسی ایک صورت کے انتخاب کی بات ہی نہیں رہی۔ وہ اس تھیجے پر بچپن نظر آتے ہیں کہ افغان طالبان کو نہ تو امریکہ نگست دے سکتا ہے جب تک وہ افغانستان میں موجود ہے اور نہ ہی امریکہ کے جانے کے بعد افغان فوج اسے نگست سے دوچار کر سکتی ہے۔ اگرچہ پاکستان نہ اکرات کے ذریعے حل نکالنے پر آمادہ ہو سکتا ہے، مگر صورتحال کو مسلسل تعطل کا دھکا رکھنے میں بھی اس کا اتنا ہی مخاوفہ ظہر آتا ہے۔ جب تک افغان طالبان با غیان سرگرمیاں چاری رکھے ہوئے ہیں، اس وقت تک افغانستان میں بھارتی عزائم کی راہ مسدود رہے گی۔ تاہم اس کے باوجود اسے یعنی بھارت کو قندھار یا کامل میں

افغان طالبان کی حکومت کے نئانگ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

مگر یہ نئانگ پاکستان کے لئے پریشان کن ہیں۔ وہ نائیں الیون سے قتل طالبان کو اپنی مرضی کے نتائج نہ کر سکا، اور اب بھی کوئی خاص پچھلے نہیں آتی کہ وہ ایسا کر سکے گا۔ چنانچہ امکان بھی نظر آتا ہے کہ وہ کامل میں شرکت اقتدار کی کسی ایسی صورت پر رضامند ہو جائے جس کے نتیجے میں طالبان کی سرگرمیاں یا اثر و رسوخ محدود ہو کر رکھ دے۔ وہ سری طرف اس پر غالباً یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ مختلف جماعتوں کے اتحاد پر مبنی حکومت وہ واحد راست ثابت ہو سکتی ہے جو طالبان کے حکمل اقتدار کی جانب رہنمائی کرتا نظر آتا ہو۔ اتحادی حکومت میں شامل ہوں یا نہ ہوں، مگر اسے بلاشبہ بھی امید نظر آرہی تھی کہ کامل میں اگر طالبان کی حکومت بحال ہو جاتی ہے تو وہ پاکستان نواز نہ بھی ہو تو کم از کم پاکستان مخالف بھی نہیں ہو گی اور وہی اس کے پاکستانی طالبان دشمنوں کے ساتھ مشترکہ زرائم کی حامل ہو گی۔ اس امید کے پس پر وہ یہ حقیقت کام کرتی نظر آتی ہے کہ طالب اور حوالی نیت چجادیوں کو پاکستان میں ایک ایسے وقت میں پناہ دینے کے ساتھ ہی مادی امداد بھی فراہم کی گئی جب کہ انہیں بڑی آسانی سے ان کے حال پر بھی چھوڑا جا سکتا تھا۔ اس احسان کا پہل افغان طالبان نے پاکستان کو پاکستانی طالبان مسئلے کے حل میں معاونت کی کوشش کی صورت میں دیا ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، تھائیوں نے خاص طور پر اپنے پاکستانی ہم مخصوص پر مسلسل دباؤڈالا ہے کہ وہ پاکستانی ریاست کے خلاف جنگ کرنے سے باز رہیں۔ اس کے حافظگان بیادر اور مولوی نذر یحییے لوگوں کے حوالے سے ثبت نئانگ برآمد ہوئے ہیں۔ تاہم افغان طالبان کی کوششیں خود ان کے اپنے مفاد کے لئے بھی ہیں، کیونکہ ان کا بنیادی مقصد پاکستان کی مدد کرنا نہیں بلکہ اپنے پاکستانی بھائیوں کو اس امر پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ اپنی توجہ دوبارہ افغانستان پر مرکوز کریں۔

چنانچہ وہ اگر یا جب بھی افغانستان میں دوبارہ بر سر اقتدار آگئے تو ایسی صورت میں کیا ہوگا؟ بہت سے پاکستانیوں کو یقین ہے کہ افغان طالبان کی ریاست کے خلاف جنگ میں ان کی معاونت کریں گے۔ میں نے خوب بھی ایک معروف پاکستانی صحفی کو ایک عوایی اجتماع سے خطاب کے دوران یہ پیش گوئی کرتے ہوئے ساہے، جس کے نزدیک یہ ایک یقینی امر کی طرح ہے۔ مگر پاکستان کو دراصل جلوگ چلا رہے ہیں انہیں لازماً یہ امید کرنی چاہئے اور یقین بھی کہ افغان طالبان کے پاس ان سے تعاون کرنے کے سوا کوئی خاص راست نہیں ہو گا، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی

اور تبادل راستہ تقریباً عالمی تجارتی کے مساوی ہو گا۔

امریکہ، اپنے طور پر بعض اوقات خفت گیر کوششیں جاری رکھے گا کہ پاکستان کو افغان طالبان کی تباہی سے بآزاد کرے۔ مگر امریکہ حقی طور پر کسی ایسی تبادل افغان ریاست کی منتظر کشی کرنے کے قابل نہیں ہے کہا جو پاکستان کو ملکی طبق نظر آئے۔ حامد کرزی کی صورت میں اس نے جانے کیجا نے پاکستان میں بھارت کی موجودگی کے حوالے سے پاکستان کی اشیائیں دور کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کیا اور تقریباً حقیقی طور پر اگر اسی کوشش کرے بھی سہی تو کوئی خاص نتائج برآمد ہونے کی توقع نہیں ہے۔ امریکہ جنوبی ایشیاء میں ہی ابھرتی ہوئی عظیم طاقت کے ساتھ اپنے وسیع ہوتے ہوئے تعلقات کو خطرے میں ڈالنے پر تیار نہیں ہے اور وہ اسی بھارت کے لئے یہاں قبول ہو گا کہ امریکہ اس پر افغانستان کے حوالے سے کسی قسم کا دباؤ ڈالے۔ وہاں پر بھارت کی موجودگی کے حوالے سے پاکستان کی اشیائیں دور کرنے میں ناکامی پر امریکہ نے اس کے بدے خاطر خواہ مالی اور فوجی امداد کرنے کے ساتھ ہی خلطے میں اور خود پاکستان کے ساتھ مستقل طور پر مر گریاں اور ابھا جاری رکھنے کا وعدہ بھی کیا ہے۔ دونوں ممالک کے درمیان وزارتی سطح کے کلیدی مذاکرات کا مقصد جن کا آغاز مارچ 2011 میں کیا گیا تھا، اس درپر اعلومی یادابی تکمیل کا اطمینان کرنا تھا۔ اس میں دراصل یہ پیغام مضبوط ہے کہ پاکستان کو افغانستان میں بھارت کی موجودگی، افغان حکومت اور فوج میں شمال اتحاد کے نمائندوں کی اکثریت، اور اس حقیقت سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ حامد کرزی پاکستان کے بارے میں نیک جذبات نہیں رکھتا کیونکہ امریکہ پاکستان کو کوئی تھصان نہیں پہنچنے دے گا۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر امریکہ اس وقت تخلص بھی ہو تو، ماضی میں صرف اونچے وقت کا ساتھ ہونے کی ہماق پر پاکستان کے پاس اس پر اعتماد کرنے کے لئے کوئی خاص جواز نہیں رہتا۔

ہو سکتا ہے کہ پاکستان کو امریکہ کے خلوص اور افغانستان میں قیام کی طاقت پر ملک ہو، مگر یہ تصور ہی مشکل ہے کہ امریکہ اس خلطے کو اس وقت تک اس کے حال پر چھوڑے رکھے جب تک کہ بیہاں القاعدہ کی موجودگی کے آثار نہیں ہیں۔ یہ بات حقیقت ہو گی اگر امریکہ افغان طالبان کو کوئی بڑا تھصان پہنچائے بغیر یا کامل میں شراکت افغان ارکے حوالے سے کوئی بندوبست کرنے سے پہلے افغانستان سے اپنی نو میں نکالنا شروع کر دیتا ہے۔ امریکہ یقیناً

پاکستان میں پری ڈیٹر جملوں کی ہم اس وقت تک جاری رکھنا پسند کرے گا جب تک قبائلی علاقوں کے اندر القاعدہ کے اپدافت کو نشانہ بنانے کی ضرورت باقی رہے گی۔ تاہم ہو سکتا ہے کہ پاکستان کو یہ یقین ہو کہ اسامہ بن لادن کی موت کے ساتھ ہی امریکہ کو اس امر سے آخر کار اُتی دلچسپی نہیں رہے گی کہ کامل میں کس کی حکومت بنتی ہے۔ جیسا کہ پاکستان کا انداز نظر ہے، امریکہ افغانستان سے لٹکنے کے لئے پہلے ہی بے عین تھا اور اس نے اسامہ بن لادن کی موت اس عمل کو تیز کر دے گی۔ ایسا یقین ان کے فائدے میں ہو گا کیونکہ اس طرح افغانستان میں بھارت کی دہشت ناک موجودگی کے خلاف ان کے لئے افغان طالبان کا پیدا کھیلانا بہت آسان رہے گا۔ چنانچہ اس یقین کی کہ پاکستان کو دراصل ایک آباد کے اندر اسامہ بن لادن کی موجودگی کا علم نہیں تھا اور جو اس حقیقت کے وہ پاکستانی قوی کی نظروں کے نہیں سامنے ہی چھا بیٹھا تھا، غالباً بہترین وجہ ہے۔ پاکستان کو یہ امید بھی ہو سکتی ہے کہ اسامہ بن لادن کی موت ان بندھوں کو ڈھیلا کر دے گی جن کے زیر یہ افغان طالبان القاعدہ کے ساتھ بندھے نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے گذشتہ ہاں میں ریکھا ہے یہ چاہتا تھا کہ خالی لوگ القاعدہ سے بیٹھ بیٹھ کے لئے جان چھڑوا لیں ہاں کار ان مذاکرات کا حصہ بن سکیں جن کے نتیجے میں کامل میں مختلف جماعتیں پر میں اتحاد کی حکوم تکمیل پانی تھی۔ یہ ایک ایسا نتیجہ ہے جو کہ امریکہ کے لئے یقیناً ثابت ہو سکتا تھا اگر اس طرح القاعدہ کی تباہی یا خلطے سے اس کا مستقل اخراج ممکن ہو سکتا۔

مگر پاکستان کے لئے القاعدہ کی یہاں سے روائی کی خواہش کے پس پر وہ اور دھوہات بھی موجود ہیں۔ پاکستانی طالبان کو پاکستانی ریاست کے خلاف اکسانتے میں القاعدہ نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا، اور بن لادن کی موت کے باوجود یہ حظیم قبائلی علاقوں میں ایک بہم وجود کے طور پر اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہے اور تحریک طالبان اور اس کے پنجابی حلقوں کے ساتھ کریکلی سلسلہ پر دہشت گردی کی منصوبہ بندی میں مشغول رہتی ہے۔ پاکستان کی سر زمین پر اس کی موجودگی ایک ایسے نائم بہم کی طرح ہے جو پاک امریکہ تعلقات کے مرکز میں کسی بھی وقت چھٹ سکتا ہے۔ اگر نائن ایلوں کی طرح کا اتنا ہی سختی خیز واقعہ امریکہ میں دوبارہ پیش آگیا اور اس کی جریں بھی قبائلی علاقوں میں نکل آئیں تو پھر ایسی صورت میں کیا ہو گا؟ پہلی مرتبہ نائن ایلوں کے نتیجے میں امریکہ نے افغانستان پر حملہ اور قبضہ کرتے ہوئے طالبان کو اقتدار سے بے دخل

کرنے کے ساتھ ہی القاعدہ کی قیادت کو پاکستان کی طرف فرار ہوتے پر جبود کر دیا تھا۔ اب اگر اسی طرح کا واقعہ دوبارہ پیش آجیا تو امریکہ کے اندر اسی شدت کی جواہی کارروائی کے حوالے سے بہت شدید سیاسی رداؤ ہو گا۔ ان حالات میں پاکستان کے پاس بہترین راستہ بھی ہو گا کہ وہ قبائلی علاقوں کو القاعدہ سے بیرون بیٹھ کر نے پاک حافر کرنے کے لئے مشترک کارروائی کی پیشکش کر دے۔ اس حوالے سے ڈرون حملے زیادہ عرصے تک موڑ ثابت نہیں ہوں گے۔ امریکہ ایک بہت ہی زیادہ محکم و موڑ کوشش کی خواہیں ظاہر کرے گا جس کی اہم خصوصیت زمینی اور فضائی کارروائی کا حصہ میں اختراج ہو گا۔ اور اسکی بے شمار کوششیں درکار ہوں گی۔

اس حوالے سے یقین کے ساتھ کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ پاکستان کے اندر اس کا کیا رد عمل ہو گا۔ ایک اور نائنین الیون کی صورت میں حالات جوڑ راماںی رخ اختیار کر لیں گے، ان کو مُنظِر رکھتے ہوئے ہو سکتا ہے، بلکہ انقلاب امکان بھی ہے کہ وہ رضا مند ہو جائیں گے۔ کیونکہ پہلے نائنین الیون کے بعد بھی انہوں نے ہمیں رد عمل ظاہر کیا تھا۔ ان کے پاس اب بھی امریکہ کو دُنمن ہانے کے لئے ہاضی سے زیادہ کوئی دیوبھات نہیں ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس مرتبہ یہ پاکستان کی اپنی سرزی میں ہی ہو گی جو امریکی فوجی کارروائیوں کے لئے میدان جنگ کا کام ہے۔ ہم پہلے ہی دیکھے چکے ہیں کہ پاکستان اپنی جغرافیائی خود مختاری کی خلاف ورزی کی کس قدر شدت سے مخالفت کرتا ہے، اور امریکی عزم اُنم کو کس قدر تک کی لٹاہ سے دیکھتا ہے۔ پاکستان پر لٹاہ رکھنے والے بعض علاقوں کو یقین ہے کہ پاکستانی سرزی میں پا امریکی فوجوں کی موجودگی کے باعث پاکستانی فوج کے اندر بغاوت بھی ہو سکتی ہے اور امکان ہے کہ بعض فوجی پاکستانی فوج کو چھوڑ کر پاکستانی طالبان کے ساتھ مل جائیں گے تاکہ مل کر امریکی فوجوں کا مقابلہ کریں۔ اگرچہ ایک اور نائنین الیون کے بعد پیدا ہونے والی فوری صورت حال کے تجھے ہو سکتا ہے کہ بعض پاکستانیوں کو امریکہ کے ساتھ ہمدردی محسوس ہوا، مگر یہ جلد ہی ہوا میں تحلیل ہو جائے گی۔ جب تک کہ فوجی طور پر کامیاب زمینی کارروائی کر کے امریکی فوجیں جلد از جلد پاکستانی علاقہ خالی نہیں کر دیں گی اس وقت تک بھی توقع ہے کہ امریکی موجودگی کی مخالفت میں جیزی سے اضافہ ہوتا جائے گا۔ ان حالات میں کسی بھی مرحلے پر، بالکل شروع میں امریکی موجودگی پر بہشکل رضا مندی سے لے کر بعد ازاں امریکی فوجوں کے بڑھتے ہوئے اصرار تک، صورت حال قابو سے باہر ہونا شروع ہو سکتی ہے۔

یقیناً یہ راست نہیں جس پر چلنے کی پاکستان خواہش رکھتا ہو۔

اس نے اس امر کی بیانی امید ہوئی چاہئے کہ اگر خاتمی لوگ القاعدہ کا ساتھ جوڑنے پر رضامند ہوتے نظر آئے تو وہ کم از کم اس کے ساتھی رہیں گے۔ یہ ایک اور فائدہ ہے جو پاکستان کو افغانستان میں افغان طالبان کو دوبارہ بر سر اقتدار لانے کوششوں کے حوالے سے کوئی معاہدہ کرنا نہیں میں حاصل ہوتے کی امید ہے۔ خاتمیوں کو خاتمی وزیرستان میں قیام کی مزید کوئی ضرورت نہیں رہے گی اور وہ اپنے جمادیوں کو مستقل طور پر اپنی افغانستان کے اندر دھکیل سکتے ہیں۔ جیسا کہ تم نے پہلے دیکھا ہے کہ خاتمی وزیرستان میں محمود کے روپ پر جمادیوں کا تجدیدی سے تعاقب نہ کرنے کی ایک بذریعی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کو ذر ہے کہ نہیں اس کی خاتمیوں سے مجاز آرائی نہ شروع ہو جائے۔ اگر خاتمی چلے جاتے ہیں تو پھر یہ اتنا ہم مسئلہ نہیں رہے گا۔ اور اگر ان کے ساتھ محمود کے طالبان بھی فرار ہو کر افغانستان چلے جاتے ہیں تو اور بھی بہتر ہے گا۔

یہ یاد گرا سے ملتی جلتی صورت حال ہی پاکستانی منصوبہ نظر آتا ہے، تاہم حقیقت اس سے تقریباً یقیناً مختلف ہو گی۔ پاکستان ایک عشرے سے افغان طالبان کا ساتھ دیا جلا آرہا ہے اور ان کا اصل مقصد اسی پالیسی پر کار بند رہتا ہے۔ اس کے بر عکس کے لئے دلخواش تصور یہ ہو گا کہ وہ افغانستان میں دوبارہ بر سر اقتدار آ کر پاکستانی طالبان اور القاعدہ کے ساتھ پاکستان کی مخالفت میں ایکاکر لیں۔ بھارت کے خلاف ان کی عداوت کا یہ کوئی چھوٹا ٹھوٹ نہیں ہے کہ وہ اس طرح کے انجام کا خطرہ مول لینے پر بھی اس نے تیار ہیں تاکہ بھارت کے افغانستان کے اندر ایک غالب یہودی طاقت کے طور پر اپنے کوئی امکان باقی نہ رہے۔ بہر حال بہت سی چیزوں کا انحصار وہاں پر امر کی کوششوں کی حصی کامیابی پر ہو گا۔ جب تک افغان طالبان پاکستان کی طرف سے فراہم کردہ تحفظ اور امداد پر انحصار کرتے رہیں گے اس وقت تک اس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ وہ اسلام آباد کو درپیش شدت پسند اسلامی خطرات میں اضافے کا باعث بن سکے گے۔ تاہم اگر وہ اس طرح کے انحصار سے کسی بھی وقت خود کو آزاد کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو پھر ہر طرح کے امکانات کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ جیسا کہ فوج کے اس سابقہ اعلیٰ عہد پیارے اصرار کرتے ہوئے کہا تھا، جس کا میں گذشتہ باب میں حوالوںے چکا ہوں، کہ افغانستان میں پاکستانی مسائل کے حوالے سے افغان طالبان میں اعلیٰ حیثیت نہیں رکھتے ہیں، ایک ملا پھر ملا ہی ہوتا ہے۔

اگرچہ انغان طالبان ایک ممکنہ خطرے کی حیثیت رکھتے ہیں، تاہم پاکستانی طالبان اور ان کے القاعدہ حظیم والے امری ہیئت میں اہم خطرہ ہیں۔ فوج ان کو سوات اور جنوبی وزیرستان سے کال باہر کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے، اور شیلی وزیرستان کو چھوڑ کر باتی ماندہ قبائلی علاقوں کے اندر پڑی لڑائیوں میں مصروف ہے۔ جیسا۔ ہم دیکھے چکے ہیں ان کارروائیوں کے درمان پاکستان نے اپنی ہاتھیوں فوج کا تفریبی تیراصہ اور فرمیز کو کی کشہ تحداد کو استعمال کیا ہے۔ تاہم پاکستانی طالبان بذات خود پاکستانی ریاست کے وجود کے لئے اتنا بڑا خطرہ نہیں ہیں۔ اس طرح کا کوئی خطرہ، کبھی بھی موجود نہیں رہا تھا کہ وہ قبائلی علاقہ جات اور خیبر پختونخواہ سے نکل کر پنجاب کے مرکزی علاقوں میں پہنچ جائیں گے۔ پاکستانی فوج کے عزم و استقلال اور رعب و بدیے کے ساتھ اس طرح کی صورتحال پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا پاکستانی طالبان اس قابل ہو سکیں گے۔ بونیر کے وقوع کے خت رو عمل سے، جہاں سولین اور فوجی قیادت بھر پڑ جوانی کارروائی پر متعلق ہو گئی تھی، سکھیا باہر ہوتا ہے کہ پاکستان پر جن لوگوں کی حکومت ہے وہ انہیں چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں۔ اب جب کہ فوج اصل میں کھویا گیا بہت سا علاقہ واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے، تو یہ دیکھنا بھی باتی ہے کہ وہ ابھی اور کتنا آگے جانے کی صلاحیت یا ارادہ و رکھتی ہے۔

فوج کے ایک سابقہ اعلیٰ عہدیدار نے جو کہ فوج کی حالتی سوق سے کافی حد تک اتفاق رکھنے نظر آتا ہے، مجھے بتایا کہ اس حوالے سے کافی تکمیل شہادت نظر آتے ہیں کہ فوج پہلے سے آزاد کرنے گئے علاقے پر تباہی رہتے ہوئے باتی ماندہ پاکستانی طالبان کو شکست دینے کے قابل ہو سکے گی۔ اس کا مطلب یہی نظر آتا تھا کہ فوج نے علاقے میں اتنے فوجی دستے روائی کر دیے ہیں جتنے کہ وہ اپنے خیال میں روائہ کر سکتی ہے اور ابھی اس نے تکمیل سرحدوں کا بھاری خطرات کے خلاف تحفظ بھی کرنا تھا۔ اس نے اس امر پر بھی بھیجا ہٹ کا اٹھار کیا، مایوسی کی حد تک، کہ سولین و فاعلی ادارے مطلوبہ کی کو پورا کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ یہ فوج کی طرف سے کی جانے والی ایک عام شکایت ہے۔ جائیگر دار سیاست دان یہ تو چاہتے ہیں کہ فوج انہیں شدت پسند نہیں تھیں اور ان سے بچائے گر فوج کو سولین و فاعلی اداروں کی تعمیر و احکام کے حوالے سے جس دباؤ کا سامنا ہے اس میں کی لانے کے لئے کچھ کرنے پر تیار نہیں ہیں۔ یہ حکمت عملی انہیں

مہلکو پڑے گی۔ یہ ان کی سیاسی زندگی کے لئے بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ ایک واضح تر اور زیادہ پیشہ و رائے دار گروہی اور بد عنوایی کی روایات پر مبنی ان سرگرمیوں کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو سکتی ہے جو کہ مردمانہ سیاست کا بجزء لا ازام ہیں۔ اس طرح روایے کے انتہاء پر سندوں کی طرف سے پڑھتے ہوئے خطرات کے پیش نظر سولیمین اداروں کے اپنی ذمہ داریوں سے فرار کی علامت ہیں۔ ملک کو درپیش مصائب و مشکلات کے حل کی تیاری کی صلاحیت سے محرومی اور جاگیر دارانہ طرز زندگی و روایات میں کسی طرح کی بینادی تبدیلی الانے کے حوالے سے پائے جانے والے تذبذب کی باعث انہوں نے اس ساری کی ساری افسوسات صورت حال کی ذمہ داری فوج پر ڈال دینے کی کوشش کر دی۔ اس کی ایک واضح علامت کافی حد تک وہ مثالی فیصلہ تھا جو صدر زرداری نے 2010 کی گرمیوں میں فوج کے سر بردا اشغال کیا تھی کی مدت ملازمت میں تین برس کی توسعہ کے حوالے سے کیا تھا۔

اگر فوج قبائلی علاقوں اور سوات میں اپنی موجودہ تعداد کو برق ارکھنے پر رضا مند ہو یا اس کی الہیت رکھتی ہو تو پھر غالباً پاکستانی طالبان کو فرار ہونے پر مجھوں کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ آیا یہ انہیں نکمل نکست سے دوچار کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں، یہ ایک بالکل ہی الگ معاملہ ہے۔ کسی زمانے میں سوات اور جنوبی وزیرستان پر راجح کرنے والے پاکستانی طالبان کی اکثریت اب اوہر اور فرار ہو چکی ہے۔ جو طالبان بھاگ کر اور کریں اور جہد اپنی چلے گئے تھے ان پر بھی باری آنے پر حلہ کیا گیا تھا، مگر فرار ہونے والے جہادیوں کی اکثریت خود اپنے طور پر شانی وزیرستان پہنچ گئی تھی۔ جیسا کہ ہم دیکھے ہیں کہ فوج اس علاقے میں کارروائی کرنے سے اس لئے گریز اس ہوتی رہی ہے کیونکہ یہ حقانی نیت درک کا گزہ ہنا ہوا ہے۔ مگر یہ وہ علاقہ بھی ہے جہاں افغان اور پاکستان و نلوں تم کے طالبان جہادیوں کی اکثریت اس وقت روپیش ہے۔ فوج کی ابتدائی تحولات کے باوجود یہ علاقے تکمیل طور محفوظ و مامون نہیں ہیں۔ اگرچہ فوج ان کا محاصرہ جاری رکھے ہوئے اور بہت سے سولیمین یا شہری اپنے گروں کی طرف لوٹ آئے ہیں، مگر ان کے ساتھ ہی طالبان بھی لوٹ آئے ہیں جو اگرچہ فوج کے تسلیک کا مقابلہ کرنے کی سخت توانی رکھتے ہیں، ان کی تعداد اتنی ضرور ہے کہ وہ فوج کے جوانوں کو نشانہ بنانا کر واپس بھاگ جانے، تخصیص بستیوں میں خوف دہ راس پھیلا دینے، اور قتل و غارت و دیگر

دہشت گرد کاروائیاں جاری رکھنے کی صلاحیت کا مظاہرہ کر سکیں۔

پاکستانی طالبان یہ سب کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں باوجود اس حقیقت کہ پاکستان کی باقاعدہ فوج کا تیراحصہ قبائلی علاقوں اور سوات میں متعین ہے۔ تاہم اس امر کی کوئی ہماں نہیں ہے کہ فوج اس مخصوص تعداد کے ساتھ ان علاقوں میں غیر معینہ دست تک رہنے پر تیار ہے یا اس کی الیت کا مظاہرہ کر سکے گی۔ اگرچہ فوج کا کہنا ہے کہ وہ اس وقت تک وہاں رہے گی جب تک اس کی خروجت ہو گی، مگر بیرونی واقعات، مثلاً بھارت کے ساتھ کسی بھی قسم کے بڑان کی صورت میں اسے علاقے سے اپنے جوان و اپیس بلانے پڑ سکتے ہیں۔ یہ صورت حال پاکستانی طالبان کے حق میں جاسکتی تھی اور یوں پاکستان کے عوام خود کو دوبارہ ان کے چال میں پکھنے ہوا پاتے۔ حتیٰ کہ اگر ایسا نہ تھی ہو، پھر بھی حالیہ واقعات سے یہ ظاہر ہوتا ہے پاکستانی طالبان ایک مکمل باقی طاقت کے طور پر غیر معینہ دست تک خطرہ بن کر منڈلاتے رہنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ یونیور والیت کے وقت سے اچھا خاص علاقوں کو خود بینے کے باوجود بھی وہ سارے کے سارے علاقوں میں فوج کے خلاف گردیا کاروائیاں کرنے کی اپنی صلاحیت برقرار رکھے ہوئے ہیں اور اس کے ساتھ ہی خیبر پختونخواہ کے اندر دہشت گرد جمیلوں کی بھر جاری رکھنے کی صلاحیت بھی کسی طرح سے کمزور پڑنے نظر نہیں آتی۔ اس میدان میں وہ اپنے افغان طالبان بھائیوں کے لئے کمزور پڑنے نظر آتے ہیں جو افغانستان میں اندادار سے بے دخل کر دیئے جانے کے باوجود پھر ایک مکمل باقی طاقت بن کر اسی شدت کے ساتھ ہیں و اپیں لپٹ گئے تھے۔ اس جدوجہد کا نتیجہ امریکہ کے لئے بھی اچھی خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ اگست 2009 میں بیت اللہ مسجد کی ایک پری ڈیپر محفل میں ہلاکت کا غیر مطلوب نتیجہ بھی اس کے چہادیوں کا امریکہ کے پکے دشمن بن جانے کی صورت میں لکھا تھا۔ اس کا جانشین حکم اللہ مسجد اس خود کیس حلی میں بھی براہ راست ملوث تھا جس کی زد میں آ کری آئی اے کے ساتھ تربیت یافتہ کارکن صرف تین ماہ بعد ہی مشرقی افغانستان کے ایک دور دراز علاقے میں مارے گئے تھے۔ اس بظاہر انتقامی والیت کے بعد میں 2010 میں نائٹر اسکوائر میں کار بم کے ذریعے دہشت گردی کا ایک اور ناکام واقعہ ہیں آگیا۔ اس واقعہ میں فیصل شہزادناہی ایک پاکستانی تذاد امریکی شہری ملوث تھا جو کہ چہاد کے شوق میں پاکستان کے قبائلی علاقوں کے سفر پر گیا تھا اور وہاں اسے اس جملے کے لئے پاکستانی طالبان کی

طرف سے بھرتی کر کے تربیت فراہم کی جائی جنی۔

اگرچہ پاکستانی طالبان بھی تک ایک دشمن ناک قسم کی طاقت کے طور پر اپنا وجود برقرار رکھے چلے آ رہے ہیں، مگر ایک عسکری طاقت کے طور پر وہ خالصتاً ایک علاقائی خطرہ ہی ہیں جو کہ خاص طور پر شمال مشرقی پاکستان کے پتوں علاقوں تک اسی حدود ہے۔ وہ بذات خود، اپنے القاعدہ والے مردیوں کی مدد کے ساتھ بھی، پاکستان کی ریاستی طاقت کے جزوی یا لائلی حصول کی لوازمی لانے کی امیلت تجسس رکھتے۔ تاہم ایک اور عظیم خطرہ ان ہم خیال پنجابی جہادیوں کے ساتھ ان کی شراکت عمل کی صورت میں منڈلا رہا ہے جو سارے تکمیلی کو اپناؤڑھہ بانے والی دیوبندی تحقیقوں سے نکل کر آ رہے ہیں، اور جو جیسا کہ ہم دیکھے چکے ہیں، پنجابی طالبان کے معروف نام کے تحت تجزیٰ سے سمجھا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ پنجابی طالبان اسی ہیں جنہوں نے پاکستان کے اہم شہری علاقوں میں سب سے زیادہ بے باکاہ ملے سر انجام دیے ہیں جن میں کہ لاہور میں سری لنکا کی کرکٹ ٹیم پر ہونے والا احتمل اور دادپئندی میں فوج کے صدر دفاتر پر ہونے والا احتمل بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھے چکے ہیں، ایسے بہت سے پنجابی طالبان علاقوں کا رخ کرتے ہیں جہاں انہیں اپنے القاعدہ کے ساتھیوں کے شانہ بشانہ لانے کے ساتھ ہی تربیت کا موقع بھی فراہم کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ حکماء جہادیوں کے بظاہر ششم ہونے والے اس ذخیرے سے بھی استفادہ کرتے ہیں جو خطے کے اندر واقع ان دیوبندی مساجد اور مدارس سے اخذ کیا جا رہا ہے جو پاکستانی حکام کی دستبردار سے محفوظ چلے آ رہے ہیں۔ تاہم یقین تکیں بھی تکمیل نہ بذات خود اور وہی پاکستانی طالبان کے تعاون سے کسی ایک تحریک وحدت کی صورت میں سمجھا ہو سکی ہیں۔ اگر بھی ایسا ہو گیا تو پھر یہ بہت بڑا خطرہ ہا بست ہوں گی۔

تاہم، اس طرح کے خطرے کی امکانی حدیا اثرات کو تاظر میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ پنجابی طالبان نامی جہادیوں کی اصل طاقت یا جنم کے بارے میں کسی کو بھی درست اندازہ نہیں، تاہم پتوں طالبان کے مقابلے میں ان کی تعداد بہت اسی کم ہے۔ قبائلی علاقوں اور سوات میں پاکستانی طالبان کی تعداد کے حوالے سے پائے جانے والے تحقیقوں میں بھی اختلافات پایا جاتا ہے، مگر میرے علم میں تکمیل سے لے کر پچاس ہزار سے زیادہ کے اعداد و شمارے ہیں۔ مثال کے طور پر جنوبی وزیرستان میں محمود کے جہادیوں کی تعداد کا اندازہ آپریشن پا تھو

نو سالویشن (آپریشن راہ تجات) کے آغاز پر دس سے میں ہزار کے درمیان لگایا گیا تھا۔ تاہم انگریز ٹھنڈوی، جو کہ پنجابی طالبان میں شامل تنظیموں کے ایک اہم جزو کی حیثیت رکھتا ہے اس سے بہت ای چوپانی ٹھیم ہے جس میں شامل چہار یوں کی تعداد چند سو سے زائد نہیں ہے۔ اس حوالے سے کسی کو بھی یقین طور پر کچھ معلوم نہیں ہے کہ قبائلی علاقوں کے اندر پنجاب سے اب تک کتنے افراد تربیت لیئے اور اپنے پشتوں بمحابیوں کے شانہ بشانہ لانے کے لئے جا چکے ہیں، تاہم پاکستان کے خیرہ اداروں سے منسوب ایک رپورٹ کے مطابق 2005 سے لے کر 2007 کے درمیان 2000 پنجابی محدود کے چہار یوں سے جا ملے تھے۔ پاکستان کے وزیر داخلہ رحمن ملک نے 2010 کی بھار میں اخباری نمائندوں کو بتایا تھا کہ حکومت نے جنوبی پنجاب سے تعلق والے 2729 دوست گروہوں کو مظلومہ افراد کی فہرست میں شامل کر لیا تھا۔ یہ یقیناً پنجابی طالبان کی مجموعی تعداد کا بہت ہی کم تاب ہے، مگر پھر بھی یہی جمل کر کل دس ہزار سے زیادہ نہیں بننے اور کافی حد تک ممکن ہے کہ اس سے بھی کم ہوں گے۔

پنجابی طالبان لاال مسجد کے دائیے کے وقت سے ہی پاکستان کے اندر دوست گروہی کے بہت سے انتہائی لرزہ خیز واقعات میں ملوث ہٹے آتے رہے ہیں، مگر ان واقعات کی تعداد نہیں کم ہے اور یہ زیادہ سے زیادہ مالاہانہ کہ ہفتہ وار بھیادوں پر بیش آتے رہے ہیں۔ اس سے سمجھی ظاہر ہوتا ہے کہ دوست گروہوں کی بہت تھوڑی تعداد، زیادہ سے زیادہ سو کے قریب، ان جمیلوں کی منصوبہ بندی اور عملدرآمد میں ملوث رہی ہے۔ پاکستان میں زیادہ تر طالبان کی پشتوں قسم کا ہاٹھ ہے جس کے اندر ہی کے جاتے رہے ہیں اور ان کے بھی پر وہ زیادہ تر طالبان کی معمولی اشتباہ ہے۔ تاہم، پنجابی طالبان اپنے زیادہ لرزہ خیز جمیلوں کی وجہ سے شہری علاقوں کی آبادی پر دوست بھانے اور جا گیر دار سیاسی طبقے میں اشتغال کی لبر و روزانے میں کامیاب رہے ہیں۔ وہ ایک طرح سے دوست یا خوف کی نفاذ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں جو کہ ان کی اصل کامیابیوں سے بھی زیادہ کارگر رہے ثابت ہوئی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ نہ تو کسی علاقے پر اپنا تسلط قائم کر سکے ہیں، نہ ہی کسی سرکاری عمارت کی تعداد یا شدت میں اتنی تیزی سے اضافہ کر سکے ہیں کہ جس کے نتیجے میں روز مرہ زندگی کا تسلسل ٹوٹ سکتا۔ اس کی وجہ ان کی نہیں کم تعداد ہے یا پھر جوش و خروش کا فہدان، یہ

ابھی پوری طرح واضح نہیں ہے۔ تاہم یہ تجھے بڑی آسانی سے اخذ کیا جاسکتا ہے کرفی الحال، کم پنجاہی طالبان خود اپنے طور پر، یا پھر پاکستانی طالبان اور القاعدہ کے ساتھ مل کر، ریاست کے لئے کوئی داعیٰ خطرہ بننے نظر نہیں آتے۔ وہ اپنے سائل میں گھرے ہوئے عام پاکستانیوں کی زندگی اچیران کر سکتے ہیں یا پھر بڑے بڑے وزیروں مشیروں کو پریشان کر سکتے ہیں۔ وہ جس خطرے کی علامت ہیں وہ مخفی مکمل ہے نہ کہ حقیقی۔

تاہم اگر ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چاہیا اور یہ زیادہ مربوط ٹائم کا تھیں ڈھانچہ تکمیل دینے میں کامیاب ہو گئے تو پھر بلاشبہ یہ ایک بڑھتے ہوئے حقیقی خطرے کی علامت ہن جائیں گے۔ فی الحال، بہت سے پاکستانی آپ کوئی کہتے ہوئے ملیں گے کہ ایک اور الیمنیر یا باندھ کا تصوری خوفناک ہے۔

خطرہ خاطر خواہ طور پر بڑھتا ہی چلا جائے گا اگر انجام پسند نہیں تو تم جو ابھی تک ریاست دشمنی کے راستے پر ہیں جل رہیں گے ایک دن ایسا کرنے کا فیصلہ کر لیتی ہیں۔ اس حوالے سے لفکر طبیہ سرفہرست نظر آتی ہے۔ تاہم جیش محمد کی باقیات اور اسی طرح سپاہ صحابہؓؐؑ جس کے چند ایک ارکان جنوبی ہنگام کے مقامی سطح کے انتخابات میں حصہ لیتے رہے ہیں، جس کے لئے انہیں کچھ بکھار بڑے پیلانے کی سیاسی جماعتیں کی جانب سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اس زمرے میں آجائی ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھے چکے ہیں، اس وقت لفکر طبیہ جس کا شمار پاکستان کی سب سے متقدم اور انجامی پیش و روان انتہاء پسند اسلامی ٹائم میں ہوتا ہے، میں ہزار یا اس سے زائد مکمل خطرے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ جیسی واقعیت کا نتیجہ لفکر اور سرکاری حکام کے درمیان انتہاء کے بڑھتے ہوئے بھر جان کی صورت میں لکھا، تاہم دونوں فریق وقت کے ساتھ ساتھ اس بھر جان سے لفکتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ان کا ہمیں تعلق بھی نہیں امر بوط نظر آتا ہے۔ جیسا کہ شروع سے لمحہ گذشت ہوتا آرہا ہے، مُستقبل میں اس تعلق کی صحت کا انصراف زیادہ تر پاکستان اور بھارت کے تعقات میں خصوصاً کشمیر کے حوالے سے ہونے والی پیشرفت پر ہوگا۔ ممیں کو لفکر کے ایسے تیر کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے جو حکومت کی کمان سے چلایا گیا تھا اور جس نے پاکستان اور بھارت کے درمیان ان امن کے اس عمل سے اسے پرے دھکیل کر کھو دیا تھا جو دیسے ہی بے نتیجہ نظر آ رہا تھا۔

لفکر اس مذکورات اعمال کو تو انتہام پذیر کرنے میں کامیاب ہو گیا، مگر پاکستان

کو مستقبل کی منصوبہ بندی کے حوالے سے در طحیت میں پھوڑ گیا۔ بھتیجائے نے یہ اخراج کر کے رکھ دیا تھا کہ یا تو انگلر کو کسی مغدو کام پر لگانے کی ضرورت تھی یا یہ انہیں مستقبل میں کسی بھی یا خوفگوار صورت حال کا مقابلہ کرنے پر تیار رہنا چاہئے۔ چنانچہ یا امر کوئی انتاجیر ان کن نہیں تھا جب افغانستان میں انگلر کی بڑھتی ہوئی موجودگی کا شہوت نمایاں طور پر سامنے آئے۔ اس پر 2010 کی بھارت میں کامل شہر کے مرکز میں واقع ان دو گیست ہاؤسز پر فود کش جملوں سمیت جہاں پر بھارتی شہریوں کا اکثر ناجانا ہوتا تھا، بھارتی عہدیداروں اور بھائی کام کرنے والے کارکنوں پر گیر بے شمار جملوں کا الام بھی عائد کیا گیا تھا۔ اسی طرح مشرقی افغانستان میں امریکی فوجیوں کو بھی انگلر کے چہادیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خاتمی نیت و رک کے شانہ بشانہ کارروائیاں کر رہے تھے۔ انگلر کو ایک اور بھتیجی کی منصوبہ بندی یعنی کام سے دور رکھنے کا اس سے بہتر اور کیا طریقہ ہو سکتا تھا کہ انہیں ڈیورٹ لائیں کے اس طرف موجود بھارتی شہریوں اشخاصیات سے گرا دیا جائے؟ اس طرح پاکستان کو ایک انجمنی نمایاں تباہی پر غور کرنے کی ضرورت سے بھی بحثات مل گئی تھی، یعنی کشمیر میں چہادیوں کے نہایت کر جائے کے عمل کی اسراف بھرپور رحمائیت۔

جیسا کہ معاملات جمل رہے تھے، کشمیر میں بھارت کو چہادیوں کی عدم موجودگی میں بھی بڑھتی ہوئی مشکلات کا سامنا تھا۔ نہیں بلکہ جملوں کو فوری بعد آنے والے برسوں کے دوران وادی میں نہیں سکون ساچھا گیا تھا کیونکہ جگ سے اکٹائے ہوئے کشمیری اپنے طور پر پہاڑ ہونے لگے تھے۔ مگر 2008 کی گریوں میں یہ سب آچھا اس وقت تبدیل ہونا شروع گیا اور بھارتی حکومت کے اس فیصلے کے خلاف ہرے پتالے پر اجتماعی شروع ہو گیا جس کے تحت کشمیر میں سوا یکپرہشت قطعہ زمین کو ایک ایسی ہندو چشم کے نام منتقل کر دیا گیا ہے ایک مقامی ہزار کے رازیں کے قیام کے لئے اس کی ضرورت تھی۔ اس طبقے میں نکلنے والا سب سے بڑا جمیں جلوں 5 لاکھ افراد پر منتقل تھا جس کے دوران سکیورٹی فورسز سے ہونے والے تصاوروں کے نتیجے میں درجنوں افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ یہ اجتماعی مظاہرے اگلی گریوں میں اس فیصلے کے بعد بھی جاری رہے جس کے تحت بھارتی تفتیشی اداروں نے مقامی پولیس کو کشمیری خواتین کی عصمت دری اور بعد ازاں ہلاکت کے الزام سے 2 می کر دیا تھا 2010 کی گریوں میں صورت حال اور بھی خراب ہو گئی جب ہزاروں کی تعداد میں کشمیری عوام نے بھارتی بالادستی اراضی کے خلاف مظاہرہوں پر

منظار پر شروع کر دیئے تھے۔ اکٹھ جلوسوں میں ہوشی نے بوجان پھر اوکر تے نظر آتے تھے، جن میں سو سے زائد اس وقت ہلاک ہو گئے جب بھارتی بھرالمژری فورز نے اسیں اسلحہ استعمال کرنے والے ہجوموں پر فائزگ کر دی تھی۔ کشمیر میں انتخابی اہم دوبارہ انھوں کھڑے ہونے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ کشمیر کے مسلمانوں کی اکثریت بھرپور طریقے سے بھارتی ہالادتی کی خلافت پر لی ہوئی ہے۔ اس کا ایک ثبوت 2009 کی خزان میں ہجوم ہاؤس میں ہونے والی رائے شماری سے ملتا تھا۔ وادی کشمیر میں شامل مختلف اطلاع میں بھارت سے آزادی کے حق میں رائے دینے والے لوگوں کا تناسب ۶۴ فیصد سے لے کر ۹۸ فیصد کے درمیان تھا۔ انکار کرنے والوں کی اکثریت مفر پختہ طور پر شیر کشمیر کے پوتے عمر عبد اللہ کی بھارت نواز سماجی حکومت کے جمیعوں پر مشتمل تھی۔

اس رائے شماری کا ایک اور دلچسپ نتیجہ اس حقیقت کے طور پر سامنے آیا جس کے مطابق کسی بھی شاخ میں کشمیر کے پاکستان کے ساتھ احراق کے حق میں رائے دینے والوں کا تناسب ۶۷ فیصد سے زیادہ تھا۔ بہت سے کشمیری اس امر سے آگاہ تھے کہ ان کے مسلمان معاشری ملک کے اندر وطنی حالات کیارخ اختیار کئے ہوئے تھے۔ یعنی شدید غربت، انہداد جاگیر دارانہ طرز حکومت کے ساتھ ہی فوجی آمریت، دندناتی ہوئی انجام پسند نہیں طاقتی، اور یہ سب کچھ ان کے نزدیک کاروائیاں مسئلہ کشمیر کے حوالے سے ثابت اثرات کی حامل تباہت ہوئی ہیں۔ سیدھی سادھی حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان جو مرضی کر لے گرا سے بھارت کی طرف سے کشمیر کے معاملے پر اس سے زیادہ رعامت نہیں مل سکتی جتنی کہ اسے 2007 کے ان مذکورات کی میز پر پیش کی گئی تھی جو کامیابی سے ہمکار ہونے لگتے تھے۔ سوال محض یہ ہے کہ آیا وہ کبھی اس مقصد کے حصول کے قریب بھی پہنچ سکے گا۔ پاکستان کے متدرب سیاسی طقنوں کی اکثریت مسئلہ بھی خواب دیکھتی رہتی ہے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ بن گیا ہے، باوجود اس حقیقت کے کہ خود کشمیریوں کی اکثریت اس نظر یہے کی خلاف ہے۔ پاکستانیوں کے اس طریقہ کے پس پر وہ جو جذبہ بھی تھک کار فرمائے، اور اس کے جو غیر مطلوب نتائج نکلتے چلے آرہے ہیں، اس کا اور اس بھی 2010 کی بہار میں ایک معروف اور بہت اعلیٰ عہدے پر فائز رہنے والے سابقہ پاکستانی عہدیدار سے ملاقات کے دوران ہوا۔ اس وقت جو کہ مجھے ایک لمحہ غفلت کی طرح حسوسی ہو رہا تھا، اس مقامی بخوبی سابقہ افسر اعلیٰ نے جس کے فوج

کے ساتھ قریبی روابط تھے مجھے انجامی سرکش لجھ میں ہاتا کہ پاکستان اس وقت تک شیر میں صرف محل جہادی تحریکوں کے خلاف کارروائی نہیں کرے گا جب تک کہ شیر کے مسئلے کا کوئی تسلی بخشن محل نہیں پایتا۔

یہ یقیناً ایک ایسا طرزِ عمل ہے جس کے باعث دو چنوبی ایشانی طاقتوں کے درمیان تعلقات مُسلسل تباہ کا ڈکھ رہیں۔ پاکستان نے، ہو سکتا ہے، لٹکر طبیہ کو عارضی طور پر افغانستان کا فریضہ تقویع کر دیا ہو، مگر وہ کسی بھی وقت شیر کے اندر جہادیوں کے داخلے کی بھرپور حمایت کا دوبارہ فیصلہ کر سکتے ہیں، خاص طور پر اس صورت میں جب کہ بھارت کے ساتھ تعلقات میں بھی کوئی خاص بھرپور نظر نہیں آتی۔ اس امر کی ایک اہم وجہ کہ مُسیحی کے واقعے کے باوجود اب تک ایسا کیوں نہیں کیا گیا، امریکہ کی طرف سے پڑنے والا مُسلسل ردِ باوڑ ہے۔ شیر میں جہادیوں کے سراءہت کر جانے کے محل کی بھرپور حمایت سے باز رہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ پاکستان امریکہ کو خوش رکھنا چاہتا ہے۔ اگرچہ اس کی کوشش غالباً یہ ہو گی کہ لٹکر کی توجہ اداہر مذکول رکھنے کے ساتھ اس کی مرگرسیوں کی بھرپور نگرانی کی جائے، مگر نہیں اس سے زیادہ کامیابی نہیں ہو سکتی جتنی کہ مُسیحی سے قبل حاصل تھی۔ میں نے قبل ازیں اس باب میں فوج کے جس اعلیٰ عبدِ یدِ ادا کا حوالہ دیا ہے، اس نے مجھے بتایا تھا کہ آئی ایسی آئی کے پاس اسے وسائل نہیں ہیں کہ وہ لٹکر کی تمام توانائیاں اور وسائل قابلیٰ علاقوں پر صرف ہو رہے تھے۔ بد قسمی سے مُسیحی ہی سے واقعے کی کسی بھی وقت ہمارا ایک ایسے بحران کو جنم دے سکتی ہے جس کے باعث فوج مجبور ہو کر اپنے جوانوں کو دوبارہ بھارتی سرحدوں پر تعینات کر سکتی ہے اور نتیجہ پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک اور جنگ کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے۔ کیونکہ بھارت آخوند ہندوکش برداشت کر سکتا ہے؟ بھارت جنگ کا آغاز آزاد کشمیر میں لٹکر کے مخلوک ترینی مراکز پر نہائی حلبوں کے ذریعے بھی کر سکتا ہے۔ اگرچہ امریکہ اس بحران کے خاتمے کے لئے بھرپور کوششیں کرے گا، تاہم بدترین امکانی صورت حال میں واقعات قابو سے باہر بھی ہو سکتے ہیں۔ لائن آف کنٹرول کے ساتھ ساتھ پتھریلے پیہاڑی راستوں پر غیر فائدہ کن قسم کی بڑی لا ایجیوں کا نتیجہ جنوب کی طرف وسیع تر چینی میدانوں میں خود کار تھیاروں سے لوئی جانے والی جنگ کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے۔ اگر بہت زیادہ تعداد میں بھارتی نینک ذویِ زین پاکستانی دفاع کا حصہ تو زندگی میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں پاکستان کے

پاس بھجو را صرف دو ہی راستے رہ جائیں گے، یا تذلت آمیر ٹکست قول کر لے یا پھر غصے میں آکر اشیٰ اسلحے کے استعمال میں پہل کرڈا لے جس کی ناگا ساکی کے زمانے سے اب تک کوئی مثال نہیں ملتی۔

یہ ہیں ٹایپ کے وہ چند ایک مناظر جن سے لفکر طبیہ پاکستان اور خلطے کو مستقبل میں دو چار کر سکتا ہے، چاہے وہ ریاست کی خلافت میں اپنے طور پر کوئی کارروائی نہیں کرے۔ اس کی طرف سے ایسا نہ کرنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ پاکستانی عوام اس کے بھارت خلاف موقف کی حادثت کرتے چلے آرہے ہیں اگر چاں کی سرگرمیوں کو مدد و ترکو دینے یا ان کا رخ موزد دینے کی کوششیں بھی ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ لفکر کو بھی اس امر کا احساس ہو کہ پاکستان خلافت کے مظاہرے سے اتنا کیوں بچکا رہا ہے۔ یہ امر یقیناً واضح نہیں ہے کہ صورت حال کا کیا نتیجہ رہا مدد ہو گا۔ کم سے کم بھی یہ کہ اگر لفکر ریاست خلاف سرگرمیوں پر اتر آتا ہے تو اسے زیر زمین جانا پڑے گا۔ حافظ سعید ایڈنگٹن کو اپنے مرید کے والے مرکز سے محروم ہونا پڑے گا، ان خیرانی و فلاحی سرگرمیوں کر ترک کرنا پڑے گا جن کے نتیجے میں اسے پاکستان میں پکھوند کچھ حقیقی عزت و احترام حاصل ہوا ہے، اور اس کے ساتھ ہی آزاد کشمیر میں اپنے بے شمار تین ہیکپ بھی خالی کرنے پڑیں گے۔ بھارت کے خلاف اس کا جہاد ٹانوی اہمیت اختیار کر جائے گا۔ اس طرح کی صورت حال کے نتیجے میں یقیناً قیادت کا بحران یا تحمل بھی پیدا ہو جائے گا۔ تاہم بہت سے مسخرین کا کہنا ہے کہ لفکر اور ریاست کے مابین تصادم ناگزیر ہے۔ لفکر پر حقیقی کرنے والے ایک پاکستانی محاذی نے بھجے بتایا تھا کہ اس کے حقیقی مقاصد نوعیت کے حساب سے غالباً ہیں، جو کہ اس کی ہم زندادہ بھلیکھلیم القاعدہ سے ممااثت رکھتے ہیں اور بھارت اس کا صرف عارضی اور حکمت عملی پر بنی ہدف ہے۔ وہ اس نظریے کا قائل نظر آتا تھا کہ جلد یا پیدا رہہ اس نتیجے پر پہنچ جائے گی کہ اس کا باب تک جو کچھ بھی حاصل ہوا ہے جس کی کا سے تھا حقیقی، وہ پاکستان کے ساتھ اس کی نزاکی یا تو کمی و دستی کا نتیجہ ہے اور وہ ریاست خلاف سرگرمیوں پر آمد ہو جائے گی۔

بعض تجزیہ نگاروں کو یقین ہے کہ لفکر اپنے عالمگیر ہدف کے حصول کی جانب پہلے سے اسی روایا ووائے ہے اور وقت آنے پر یہ یہم القاعدہ سے بھی بڑا خطرہ ثابت ہو سکتی ہے۔ امریکہ کے پہنچ اتحمیں جس ڈائریکٹر، ڈیسٹریکٹر نے فروری 2010ء میں بہت اتحمیں جس کمیٹی کو بتایا تھا کہ

لٹکرنے اپنے یورپین اہداف کا تھیں پہلے سے ہی کر رکھا تھا۔ چنانچہ اس طرح سے صورت حال جسمی سے بھی زیادہ خطرناک رخ اختیار کر سکتی ہے۔ اگرچہ لٹکرنے بھارت کے مالیاتی وارثگومت میں جان بوجہ کرانہ ہو ٹھوں کو نشانہ بنا لیا تھا جہاں مغربی ممالک کے باشندوں کا آنا جاندار ہوتا تھا، تاہم پھر بھی یہ غیری طور پر ایک ایسی کارروائی تھی جس کا مقصد بھارتی مفادات پر ضرب لگانا تھا تاہم اس طرح بھارت کو ذلت کا شکار کیا جاسکے۔ اگر لٹکرنے اللایورپ یا امریکہ میں لرزہ خیز قسم کی دہشت گرد کارروائیاں شروع کر دی ہوئی تو مغربی ممالک کا رد عمل بہت فوری اور شدید ہوتا۔

پاکستان اب زیادہ عرصہ حافظہ سعید کو گھر میں نظر بند کر دینے یا پھر قربانی کے چند بکروں کو سزا دینے چیزے جو اپنی اقدامات کے قابل نہیں رہے گا۔ اس کے پاس اب فیصلہ کن اقدامات کرنے یا پھر امریکہ کے ساتھ تعلقات کے اچانک اور مکنہ طور پر مختبر و اختتام کے سوا بخشکل ہی کوئی اور راستہ ممکن ہے۔ لہذا مغربی اہداف پر لٹکر کے جملے عملی طور پر ریاست مختلف حملوں کے مساوی ہوں گے۔

اگر لٹکرنے ریاست کی مختلف کافیصلہ کر لیا تو یہ ایک بیت ناک دشمن ہابط ہو گا، اور اگر اس نے اچھا پسندیدجہ بندیوں اور القاعدہ میں خود اپنے ہی ہم شرپ دہائیوں سے بھی گھٹ جوڑ کر لیا تو مزید بیت ناک ہابط ہو گا۔ اگرچہ ہو سکتا ہے کہ لٹکر لاہور پر ایک اسی دن میں قبضہ کرنے کے قابل نہ ہو، جیسا کہ آٹھویں باب میں حوالہ دیئے گئے لاہوری محاذی نے تھی انداز میں کہا تھا: تاہم یہ خاص طور پر ایسی صورت میں اچھے خاصے خطرے کا باعث ہن ملتا ہے اگر یہ مبینہ طور پر اپنے ہیں ہزار یا اس سے زائد چادیوں کو تحرک کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ایسی صورت حال میں واقعات کیا رخ اختیار کریں گے۔ گلما ہے کہ بیخاپ میں بڑے بڑے دہشت گرد واقعات میں ڈرامائی طور پر تجزی سے اضافہ ہوتا چلا جائے گا جن کا مقصد شہری آپادیوں میں خوف و ہراس پھیلانے کے ساتھ ہی لوگوں کو مایوسی اور خوصل گھنی میں جتنا ہو گا۔

چونکہ بیخاپ میں سیاسی شخصیات کے بہت فراوانی ہے اس لئے غالب امکان یہ ہے کہ ان سیاسی شخصیات کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے حکومتی عہدیداروں کو بھی قتل کرنے کی کوششوں میں تجزی سے اضافہ ہو جائے گا جس کا مقصد شہری جا گیردار طبقے میں خوف و ہراس و مایوسی و خوصل گھنی پھیلانا ہو گا۔ اس کے بعد اگلے اہداف تھانوں پر حملہ اور سر ایکٹی پیش اور صوبے کے وسرے علاقوں میں واقع قصبوں اور شہروں میں سرکاری عمارتوں پر قبضہ کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اورہ اورہ سے محاصرے

کے بعد کیا پولیس اس قابل رہ جائے گی کہ اس صورت حال سے نہت کے یا پھر وہ روا فرار اختیار کرے گی جیسا کہ لاہور کے صحافی نے تین انداز میں کہا تھا اور سبکی کچھ سوات کے قصبوں اور وادیوں میں اکثر پولیس والوں نے کیا تھا۔

اس امر میں کوئی زیادہ شبہ نہیں ہے کہ اگر واقعات قابو سے باہر نکلتے دھائی دیئے تو حکومت کے سولہیں ادارے فوری طور پر فوج کی طرف رجوع کریں گے۔ تاہم یہ امر اتنا واضح نہیں ہے کہ اگر فوج کو پنجاب کے شہری علاقوں میں دہشت گروں کے تعاقب میں مارا مارا پھرنا پڑا تو اس کا رو عمل یا کار کر دی کیسی رہے گی۔ فوج دریائے سندھ کے دور و راز مک پلے ہی مجنحائش سے زیادہ بھیلی ہوئی ہے۔ جب کہ یہ پنجاب میں اہم کارروائیاں کر رہی ہو گی تو کیا ساتھ ساتھ قبائلی علاقوں اور سوات پر اپنا تسلط برقرار کھٹے علاوہ بھارتی سرحدوں کا بھی مناسب طور پر احاطہ کرنے کے تاثل رہ جائے گی؟ اس سوال کے جواب کا واضح طور پر انحصار خطرے کی نوعیت اور خطے کے لئے درکار وسائل کے جنم پر ہے۔ خطرے کی نوعیت اور خطے کے لئے درکار وسائل کے جنم پر ہے۔

ایک مرحلے پر یہ ایک طرح سے اداد و شمار کا کھیل بن کر رہ جاتا ہے۔ فوج یہی وقت ہر چند موجود نہیں رہ سکتی۔ اگر بہت سے پدماش لوگ بہت سی بھروسے پر بہت سے بڑے کاموں میں مشغول ہوں تو اسی صورت میں فوج بھی کچھ نہیں کر سکتی۔ ان حالات میں پاکستان کا کارروائی ہو گا۔ اس کا انداز دلگانا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ اس میں کوئی لمحہ نہیں کہ سمجھوتے کی کوششیں کی جائیں جن کے تحت بعض علاقوں میں شریعت کی حکمرانی کی پیش کش بھی کی جائے گی تاکہ طوفان کو ہرید آگے بڑھنے سے روکا جاسکے۔ میں ہم صورت میں جماعت اسلامی کو ایک ایسے مظہر کے حصے کے طور پر دیکھ رہا ہوں جس میں کہ حکام بالا، فوج کے تعاون یا اس کے اکسانت پر جماعت کو جوادی تلقیوں کے تحمل غلبہ یا تسلط کی نسبت ایک باوقار تبادل کی حیثیت دے رہے ہیں۔ کیا کوئی ایسا مرحلہ بھی آ سکتا ہے جس میں کہ فوج خود اپنی اختیار کر لے جیسا کہ انقلاب ایران کے دوران شاہ کی سعمندی فوج نے کیا تھا؟ فوج پاکستان کا سب سے طاقتور اور پیش و را در وہ ہے، مگر ہر فوج کسی نہ کسی مرحلے پر لکست خورده ہو جاتی ہے۔ تاہم سوال ہے کہ کیا انتظام پسند نہیں تو تم اتنی مضبوط ہو سکتی ہیں کہ وہ حدذکرہ بالا مظہر سے ملتی جاتی صورت حال میں متوقع حرم کی کارروائی کرتے ہوئے ریاست پر واقعی قابض ہو جائیں۔

حقیقت تو یہ ہے کہ کسی کو بھی اصل میں کچھ پہنچنیں اور نہ اتنی کوئی جانا چاہتا ہے۔ اتنی بڑی صورت حال میں جیسا کہ پاکستانیوں اور غیر ملکیوں کو دکھائی دے رہی ہے، اور جتنی بدتر اصل میں ہے، یقینی بھی تک کسی لحاظ سے کبھی اس قابل نہیں ہوئی کہ واقعی ریاستی اقتدار کی امیدوار بن سکیں۔ فلکر طبیب کے اندر اس رجحان کا فقدان ہے جبکہ شدت پسند یوں بندی تکلیفوں میں اتنی طاقت ای نہیں ہے۔ مگر یہ صورت حال صرف موجودہ وقت کے لئے ہے۔ آئے والے رسول بلکہ عشرات میں کیا ہو گا اگر یہ تو تمیں اسی طرح بغیر کسی ریاستی مراجحت کے پروان چڑھتی رہیں؟ یوں تیر کی ذات سے دو چار ہونے کے بعد پاکستانی حکام اگرچہ پاکستانی طالبان کے عزائم کی راہ میں عارضن طور پر حائل ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے مگر شدت پسندوں کی ان مساجد اور مدارس کو چھٹی سے روکنے کے لئے کچھ نہیں کیا گیا جہاں سے اجبا پسند یوں بندی تکلیفوں کے لئے افرادی قوت فراہم کی جاتی ہے۔ میرے ایک اچھے خاص سے اتفاق کا رہنا از ڈھونگی افسرنے، وہی شخص جس کی ٹھوٹن اور پنجابی طالبان کے بڑھتے ہوئے گھوڑے جوڑ پر تکرات کا حوالہ پلے دیا جا چکا ہے، مجھے بتایا کہ اس نے مشرف کی طرف سے پرپا کی گئی فرمی بخوات کے تھوڑے ہی عرصے بعد فوج کے ہیئت کو اڑز کے دورہ کیا تھا اور فوج کے اعلیٰ درجے کی قیادت کے سامنے بالکل یہی موضوع اختیار ہوا تھا۔ اس نے پوچھا تھا کہ آیا شدت پسند اسلامی تکلیفوں کی طرف سے منہ لاتا ہوا خطہ گزشتہ پائی ہے۔ رسول کے دوران مزید شدت اختیار نہیں کر گیا تھا۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ ایسا ہی ہوا تھا۔ اس کا اگلا سوال یہ تھا کہ پھر اس حوالے سے کوئی اقدام کیوں نہیں کیا گیا تھا؟ ان کا جواب یہ تھا کہ یہ بہت مشکل کام تھا اور پھر اس کے لئے مطلوبہ دسائیں بھی دستیاب نہیں تھے۔

ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فوج نے کم از کم اس سے پر غور ہی نہیں کیا۔ مشرف کی طرف سے بخوات کے کمی ماہ بعد، میری طاقت ایک اور سابق اعلیٰ فرمی عہدیدار سے ہوئی، ایک ایسی شخصیت سے جو کم از کم بیانگ و شہر یہ اور اس رکھتا تھا کہ وہ کس موضوع پر گلکھلو کر رہا تھا، جس نے مجھے بتایا کہ نواز شریف نے بطور وزیراعظم اپنے دوسرا دور اقتدار کے دوران فوج سے کہا تھا کہ وہ شدت پسند تکلیفوں کو غیر عالمی بانے کے لئے کوئی پیغمبیر مخصوصہ تیار کرے۔ اس جزو کے بقول بعد ازاں جو مخصوصہ مظہر عام پر آیا اس میں فوج کے موجب کرو یونیوں کو خصوصی تربیت دینے کی تجویز بھی شامل تھی۔ وہ اس سلسلے میں ہر یہ کچھ کہنے کے لئے

تیار نہیں تھا مگر اس کی باتوں سے یہ گھر اتناڑ پھٹلت نظر آتا تھا کہ وہ ”ناٹ آف دالانگ نایور“ جیسے کسی مخصوصے کی طرف اشارہ کر رہا تھا جس کے مطابق فوج کے کمانڈو ایک ہی بلے میں بڑی بڑی تھیکیوں کے قاتمین کو اچاک کارروائی کر کے جان سے مار دیتے، اس مخصوصے پر، یقیناً کبھی عملدرآمد نہیں ہوا اور غالباً فوج کے صدر دفاتر میں کسی طلاقچے میں پڑا دھول کی نذر ہو رہا ہو گا۔

بہرحال اب ایک مدت ہوئی کہ اس پر عملدرآمد کا وقت گزر چکا ہے کیونکہ بہت سی شدت پسند یوں بندی تھیکیوں کے قاتمک اپ روپوں ہو چکے ہیں اور ان کی اکثریت نے پاکستانی طالبان کے پاس پناہ لے لی ہے۔ جو ابھی تک پنجاب کے اندر ہی موجود ہیں انہیں ملاش کرنے کے لئے بھی مجری اور پلیس کے ایک وسیع نظام کی ضرورت ہے، جن دونوں شعبوں میں وسائل کا تھداں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے یہ نکتہ اجاگر کیا جا چکا ہے، فوج کے مجری کے نظام کا زیادہ تر حصہ قبائلی علاقوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا اور اس وجہ سے اگرچہ اس حوالے سے مزید ذمہ داریاں بھی سونپ دی جائیں تو پھر بھی اس کے پاس وسائل کا تھداں رہے گا۔ اس حقیقت سے آگئی بھی کسی طرح سے فائدہ مند نہیں نظر آتی کہ پنجابی طالبان نے آئیں آئی کو مخصوص سلوک کا شاندہ ہنانے کیلئے جن کرالگ کر دیا ہے جس کا ثبوت لاہور میں آئی آئی کے صدر دفتر اور اس کے دفاتر کو تھسان پہنچانے والی مٹاون سے ملتا ہے۔

ٹوپی عرصہ میں شاید اس سے بھی زیادہ پریشان کن حقیقت شدت پسند نظریات کا پرچار کرنے والی مساجد اور مدارس کی تعداد میں کسی روک تھام کے بغیر تجزی سے ہونے والا اضافہ ہے 2010 کی بھار میں پاکستان کے وزیر داخلہ نے اعتراض کرتے ہوئے بتایا کہ ملک کے اندر مدارس کی تعداد بڑھ کر میں ہزار سے زائد ہو چکی تھی۔ اس کے اعتراض کے مطابق، ان میں سے تقریباً آدمیے، یعنی 44 فی صد مدارس سرائیں پیٹا کے اندر واقع تھے۔ اگرچہ ان میں سے اکثر مدارس شدت پسند یوں بندی تھیکیوں کے لئے افرادی قوت کا مانگنگیں ہوں گے، تاہم یہاں شدت پسند مدارس کی تعداد غالباً ملک کے باقی علاقوں کی نسبت کافی زیادہ ہے۔ پنجابی طالبان کے برغلس، جو کہ زیرزمیں چلے گئے ہیں، یہ مساجد اور مدارس اپنی سرگرمیاں کھلے عام جاری رکھے ہوئے ہیں اور جوام کے لئے ان کے دروازے ہر وقت کھلے ہوئے ہیں۔ کارروائی کی راہ میں صرف خوف حاکم ہے۔ جیسا کہ فوج میں میرے جانشی والے ایک ساپتہ اعلیٰ عہد بیار نے بتایا تھا کہ

حکومت ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی سے اس لئے بھی گریز اس ہے کوئی کہا سے خدش ہے کہ لال مسجد جیسے مزید واقعات سامنے آسکتے ہیں۔ اس طرح کا ایک تجربی ہی انتہائی ٹھنڈا ہوتا ہوا تھا، مگر انی صورت میں کیا ہوگا اگر حکام بالائے درجہوں بلکہ سینکڑوں اور مرد سے بند کرنے کی کوشش کی آیا ایک اور سوال ہے جس کا جواب دینے کے لئے کوئی بھی بے تاب نہیں ہے۔ لہذا رحجان ایک مرتبہ بھی یہی نظر آتا ہے کہ فی الحال تصادم سے گریز کیا جائے اور جوں توں کوئی راستہ لکائے کی اخشش چاری رکھی جائے۔ مگر یہاں عرصہ تک پہنچنے کی حکمت عملی اختیار کی جاتی رہے گی مسئلہ اتنا ہی وچھیدہ ہوتا چلا جائے گا۔ پاکستان کی افرانش کے نمایاں ہوتے ہوئے آثار پہلے ہی پریشانی اور فکر کا باعث ہیں۔ مجھے ستمبر 2009ء میں پاکستان کے ایک اگریزی روڈ نامے ”ڈیلی نائمن“ میں چینے والے ایک ایسے ادارے نے خاص طور پر تمیران پریشان کر کے رکھ دیا جس میں اس نکتے پر زور دیا گیا تھا کہ اسلام آباد کے شہری علاقوں میں رہنے والے غریب طبقے کے افراد طالبانی نظریات سے متاثر ہو چکے ہیں اور ان کی اشتہریت کو اس روادپ، بلاشبہ، انہی مساجد نے ڈالا ہے اگر یہ سب اسلام آباد میں ہو رہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ باقی جگہوں پر بھی یہی کچھ ہو رہا ہو گا۔ اس امر کی تصدیق پاکستان کے معاملات پر لگاہ رکھنے والے ایک بہت ہی تجربہ کا درجہ بندیں شمولیت اختیار نہ کی ہوتا ہم یہ امکانی طور پر و چلتا پھرتا ہجوم ہے جو ملک کو بھی ایسا ای انتقام کے راستے پر ڈال گاتے دیکھ کر سڑکوں پر ٹکل سکتا ہے۔

جیسے جیسے 2010ء اختتام کے قریب آ رہا تھا، تو ایک نئے رحجان نے پاکستان میں مذہبی شدت پسندی کی انجاء کے حوالے سے مزید تھفڑات کو جنم دیا شروع کر دیا۔ یہ رحجان تجزی سے ابھرتی ہوئی اس تحریک کی ٹکل میں سامنے آیا جو کروائی طور پر روادار بریلوی علما کی طرف سے مذہبی بے حرمتی اتوین رسالت سے متعلق ضیاء دور کے ان سخت گیر قوانین میں مجوزہ تراجم کے خلاف شروع کی گئی تھی جن کو زواری حکومت نے زیر خود لائے کام اکام شروع کر دیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے آٹھویں باب میں ملاحظہ کیا تھا، پنجاب کے گورنر اور ان تراجم کے ایک پر جوش حامی، مسلمان

تائیج 2011 کے اوائل میں اس کے اپنے ای حقائقی وسیتے میں شامل بریلوی عقیدے کے بیہودکار حافظ نے قتل کر دیا تھا، اور اس نے بعد ازاں اعتراف کرتے ہوئے بتایا تھا کہ اسے یہ کام نہیں بھروسے تھا۔ اس قتل کی بعد میں بریلوی فرقے کے معروف علماء نے ستائش بھی کی تھی اور ملک کی سب سے بڑی بریلوی تنظیم نے اسے جائز قرار دے دیا تھا۔ مگر اس فعل کی حیات صرف بریلوی علماء کی طرف سے ای بھی کی گئی تھی۔ اسلام آباد کی عدالت میں جہاں محروم کو پیش کیا گیا تھا، وکیلوں کی طرف سے اس کے راستے میں پھولوں کی پیش، بچھادی گئی تھیں اور جلوں کی کھل میں اسے عدالت کے اندر لے جایا گیا۔ اس کے علاوہ بیانہ مغربی طرز فکر کے حامل پاکستانیوں کی طرف سے بھی اس قتل کو تسلیم کی لگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ یہ امر ابھی واضح نہیں ہوا کہ اس صورت حال کا یہی مختار کیا ہے یا آیا کہ یہ بریلوی طبقے کے اندر بھی رویے میں ایک اہم تبدیلی کے آثار کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ نہیں بھی چذبات کی بے حرمتی بہت سے مسلمانوں کے لئے بلا کسی فرقہ و راذن تفریق کے زندگی، ہوت کا سلسلہ ہے، اور ضروری طور پر ہلکہ غالباً بھی اس کا تعلق شدت پسندی یا سیاسی اسلام کے ساتھ نہیں جوڑا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ بریلوی علماء اس مسئلے کو ایک ایسے مجرک کے طور پر دیکھ رہے ہوں جیسے بروئے کار لاتے ہوئے وہ اپنی صحفوں پر زیادہ جارحانہ عزم رکھنے والے دیوبندی مبلغین کے جاری صحفوں کے مقابلے میں اپنے دستوں کے اندر سیاسی طقوں کو چاہتے ہوں۔ مجرک کچھ بھی ہو، اس واقعے نے یکمود خیالات رکھنے والے منتدر سیاسی طقوں کو بھوپنچا کر کے رکھ دیا جو نہیں بھی چذبات کی بے حرمتی ہے اہم مسئلے کے حوالے سے مقبول عام روپیوں کی شدت کا اندازہ کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ اس سے سمجھی تاثر ہوتا ہے کہ اگرچہ پاکستان میں سیاسی زندگی بیانہ میں بکلہ اور جا گیر روانش روایات کی عکس ہے مگر حقیقت اس کی تہہ میں دینا کے کسی بھی اور حصے کی طرح گہری نہیں روایات پوشیدہ طور پر جزوی پکج بھی ہیں۔ پاکستان میں اگرچہ عملی طور پر جس جتوپی ایشیائی طرز کے صوفی اسلام کی عورتی کی جانبی ہے وہ اتنا ہی روادار ہے جتنا کہ بیشتر سے چلا آرہا ہے، مگر نہیں بھی چذبات کی بے حرمتی کا محاملہ۔ بہت ہی واضح طور پر یہ حقیقت اجاگر کرنا لظر آتا ہے کہ جسی کہ اس رواداری کی بھی ایک حد ہے۔ کیا عام بریلوی طبقہ اس پلے پھرے قابل مجرک جوہم پر مشتمل ہے جسے کسی آئنے والے وقت میں نہیں بھی شدت پسندی پر منی جائے گا؟ اصل خطرہ یہ ہے کہ کہنے بریلوی طبقے کی رہنمائی کرنے والے بھر

بھی س راستے پر چلنے کا فیصلہ کر لیں۔ مددگار چدفات کی بے حرمتی سے متعلق قوانین میں ترمیم کی خلاف اگرچہ تندوں کی حد تک ہی کسی، ابھی شدت پسندی کی راہ سے بہت دور نظر آنے والے چدے کی عکاسی کرتی ہے۔ تاہم یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر بریلوی طبقے نے بھی وہی پیمائے پر جاری تندوں کی لمبی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا تو پاکستان ایک سیکولر ریاست کے طور پر، بلکہ شاید ریاست کی کسی بھی ٹکل کے طور پر اپنا وہود برقرار رہیں رکھے گا۔

چنانچہ اس ساری صورت حال کا انجام کیا ہو گا؟ کیا جب متعلقہ حکام اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔ اب وقت آگئا ہے کہ فیصلہ کن کارروائی کروی جائے تو پنجاب بھی یونیور والی صورت حال کا شکار ہو جائے گا یا پھر حالات و اتفاقات کو اس طرح کارخ اختیار کرنے دیا جائے گا جس کا نقشہ میں نے اس باب کے شروع میں کھینچا ہے، جس کے مطابق پنجاب بہترین گرناگزیر طور پر ایک اور سو سال کی میکل اختیار کرتا نظر آ رہا ہے؟ صورت حال کا متعلقہ نتیجہ تو یہی نظر آ رہا ہے کہ متعلقہ قریب میں کوئی خاص اقدامات نہیں کیے جائیں گے۔ حالات خراب ضرور ہیں مگر ابھی شدید بکار ڈھنیں پہنچے۔ پنجابی طالبان ایک خاص حد تک تو چاہی اور غارت گری پھیلا سکتے ہیں، مگر یا ہتی اقتدار یک رسائی نہیں حاصل کر سکتے۔ انتہاء پسندوں کی مساجد اور مدارس جہاں سے یہ جہادی کش تعداد میں ہر آمد ہو رہے ہیں، لاں مسجد کے واقعے سے سخت یکھ پچے ہیں اور ان کی سرگرمیوں کی گرفتاری بھی کی جا رہی ہے۔ لفکر طیبہ ابھی تک ریاست کی خلافت پر نہیں آئی۔ قیائلی علاقوں اور سوات میں بھی صورت حال پہلے سے بہتر نظر آتی ہے۔ پاکستانی طالبان کو ان کے بہت سے محظوظ نامکانوں سے باہر دھکیلا جا چکا ہے، اور اگرچہ ان کے مکمل خاتمے کے ابھی کوئی آثار نظر نہیں آتے، تاہم اب وہ کسی فوری خطرے کی صورت ایسے نہیں منڈلا رہے جیسے پہلے منڈلاتے نظر آتے تھے۔ لیکن صورت میں فیصلہ سازوں کو خطرے کا بغل بیشکل ہی سنائی دے گا جو کہ مصیبت کے سر پر تازل ہوئے سے قلب کی قسم کی کارروائی سے گریز کرنے کے عادی ہیں۔

اگرچہ حکومت پنجاب میں کسی قسم کی لڑائی کرنے سے گریز ان نظر آتی ہے مگر حالات کو درست سوت میں ڈالنے اور یوم حساب کو نزدیک آنے سے روکنے کے بہت سے اور طریقے بھی موجود ہیں۔ جا گیردار سیاست و ان جو ملکی نظام کو چلانے کی ادا کاری کرنے نظر آتے ہیں خدا پر اسی طبقے پر محصولات عائد کرنے کے عمل کا آغاز کر کے مدرسوں کے مقابل کے طور پر سرکاری شعبے

میں تعلیم کی اصلاح کے لئے بہگائی بینا دوں پر منسوبوں کی تجھیل کے لئے وسائل اکٹھے کر سکتے تھے۔ افرادی قوت کی بہتری کے لئے پہلے سے زیادہ سرمایہ کاری بھی معیشت کو چدید خطوط پر استوار کرنے اور دباء کی طرح تجھیلی ہوئی اس غربت میں خاطر خواہ کی لانے میں معاون ٹابت ہوتی ہو کر بہت سے غریب و نادار افراد کے لئے شدت پسندی ایک بہت پرشش تبادل ہا کر رکھ دیتی ہے۔ یہ بلاشبہ طویل المیعاد حکمت نمیں ہیں اور ان کے تابع برآمد ہونے میں کمی برس، اور شاید کمی عشر سے لگ جائیں گے۔ تاہم اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ پاکستان اس طرح کا کوئی کام بھی نہیں کرے گا۔ وہ کم سے کم پولیس کو پیشہ دارہ بینا دوں پر استوار کرنے اور اس کے جنم میں اضافے کے لئے کچھ تحقیقی سرمایہ کاری کر سکتے تھے، مگر وہ ایسا بھی اس وقت تک کرتے نظر نہیں آتے جب تک کہ فوج ان پر دباؤ نہ ڈالے۔ جیسا کہ میں نے پہلے اشارہ کیا ہے جا گیرداریا سست و انوں نے سارا کا سارا لمبی فوج پر ڈالنے کی کوشش کی ہے جو اس بات پر خال نظر آتی ہے۔ تاہم یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ فوج کو مزید اعتماد اور ذمہ داریاں سوچنے سے، جبکہ اس کے ساتھ ہی اس کی ناراضگی اور غصے میں اضافے کی دھوہات بھی پیدا کی جا رہی ہوں، اس امر کا کوئی خاص امکان نظر نہیں آتا کہ پاکستان میں جمہوریت پھلے پھوٹے گی۔

پاکستان پہلے ہی اس حد تک بلکہ چکا ہے جہاں حالات کو کم سے کم قلیل مدت کے لئے مزید بگاڑے بغیر بخاک میں شدت پسند نہیں قیادت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ تاہم وہ چنان عرصہ انتظار کرتا رہے گا حالات امکانی طور پر اتنے خراب ہوتے چلے جائیں گے۔ اگر شدت پسندوں کی مساجد اور مدارس کو مناسب حد کے اندر اندر بند کرنے کے عمل کا آغاز نہیں کیا جاتا تو پھر ہو سکتا ہے کہ اسے بخاک کے بڑے شہروں میں شدت پسند یوں بندیوں اور آخر کار لفڑ طیبہ کے خلاف بھی کارروائی کرنی پڑے جائے۔ تاہم جنیدہ مسائل سے پہلو تجھی کرنے کے رہنمائی کے پیش نظر اس حوالے سے کوئی امید کرنا مشکل نظر آتا ہے کہ جلد ہی کوئی قدم اٹھایا جائے گا۔ تاہم اگر کوئی قدم نہیں بھی اٹھایا جاتا تو پھر بھی مجھے شہر ہے کہ جب ملک کے اندر رہشت گروہی کے واقعات ناقابل برداشت حدوں کو چھوئے لگیں گے یاد ہشت گرد تھیں عمارتوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیں گی تو بخاک میں آخر کار یونیورسیٹی صورت حال پیدا ہو جائے گی۔ اگر جلد نہ کہ پر یہ صورت حال پیدا ہو جائے اور شدت پسند نہیں عناصر اپنی حدود سے آگے بڑھنے لگیں جیسا کہ یونیورسیٹی میں ہوا تھا تو

یہ درصل پاکستان کے لئے خوشی کا باعث نہیں ہو گا۔ ان طاقتون کو جتنا زیادہ عرصہ خود خود کو حکم کرنے کا موقع ملا رہے گا، وہ اتنی زیادہ دشمن تاک آزمائش بھتی چلی جائیں گی۔ اور اگر پاکستان کسی وقت ان کے خلاف کچھ کرنے پر بھی آمادہ ہو جائے تو کوئی فیصلہ کن نتیجہ برآمد نہیں ہو گا۔ حکومت بڑی آسانی سے طوات پکڑتے ہوئے اپنے تصادم میں دھنس سکتی ہے، جس کے نتیجے میں بہت زیادہ چاہی اور صیبیت کا سامنا تو کرنا پڑ جائے گرہ کوئی حق فتح حاصل نہ کر سکے۔

کیا پاکستان پر آخر کار شدت پسند اسلامی قومیں غالب آجائیں گی؟ میں یہ اعتراف کرنے چاہوں گا کہ مجھے کافی حد تک یہ یقین کرنا ممکن نہیں لگ رہا کہ اصل میں ایسا ہو گا۔ پاکستان کی صورت حال پر گہری لٹکوار کھٹے والے اگر قائم نہیں تو اکثر تحریر پر کارماہر ہیں جن سے میں واقف ہوں میری اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ آخر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ۱۸ کروڑ افراد پر مشتمل قوم جن کی اکثریت ایک نیتا رہا، پر اس کیم کے اسلام پر یقین رکھتی ہے جیا پرست مذہبی جتوں میں کی ایک محدودی تعداد سے مغلوب ہو کر رہ جائے؟ فوج یقیناً اس طرح کی صورت حال کی نوبت ہی نہیں آنے دے گی۔ اور پاکستانی ہمیشہ کی طرح اس مشکل سے جوں توں کر کے بکھل ہی جائیں گے۔ مگر ہم اس سوال کا جائزہ موجودہ صورت حال کے تاثر میں لے رہے ہیں۔ اب سے پانچ دن، یا تینوں بعد صورت حال کافی حد تک مختلف رخ انتیار کر سکتی ہے۔ الجیریا میں اسلامی انتہاء پسندوں کو لیکھتے دے دی گئی تھی، مگر شاہ ایران نے تھیارہ دال دیئے تھے۔ روس نے بالشویک کی محدود تعداد سے لیکھتے مان لی تھی اور جو منی کو ان قدامت پسندوں نے نازیوں کے حوالے کر دیا تھا جن کا خیال تھا کہ وہ ہتلر کو بہتر طریقے سے کثروں کر سکتے تھے۔ ہر صورت حال اپنی جگہ پر منزدہ ہوتی ہے، مگر راضی کی میلیں موجود ہیں۔ مغل کا تقاضا یہ ہے کہاں کبھی نہ کی جائے۔

جو چیز بہت یقینی نظر آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان طویل عرصہ تک انجام پسندوں کی آماجگاہ ہمارے گا، خواہ پاکستان ان سے پھر کارا حاصل کرنے کے لئے جیسے اقدامات بھی کرتا رہے۔ بوئر کے بعد پیش آنے والے واقعات یہاں بہت کچھ مخفی کرنے نظر آتے ہیں۔ فوج سوات اور جنوبی وزیرستان سے پاکستانی طالبان کا پیچھا کرنے کے قابل تھی، مگر ایک کھونے سے کی طرح وہ ہر وقت کسی اور جگہ آم موجود ہوتے ہیں۔ اگر فوج انہیں کمل طور پر لیکھتے نہیں دے سکتی، جیسا کہ نظر آ رہا ہے، تو وہ انہیں کم از کم مسلسل بھاگتے رہنے پر تو مجبور کر سکتی ہے۔ حکومت جب بھی

بھی پنجاب کے اندر شدت پسندوں کی مساجد اور مدارس کے خلاف کارروائی کا فیصلہ کرتی ہے یا پھر اسے مجبور ہو کر سر ایگلی پٹی کے شہری علاقوں میں پنجابی طالبان کی بڑھتی ہوئی لہر کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو سائل کی قلت کے مسئلے کے پیش نظر بھی لگتا ہے کہ تجھے تقریباً تقریباً دیساں ہی برآمد ہو گا۔ اس امر پر یقین کرنے کی بھی کوئی خاص وجہ نہیں ہے کہ پاکستان مُسْتَقْبَلٍ قریب میں اسکی شدت پسند اسلامی جمیموں کے خلاف کوئی کارروائی کرے گا جن کی وہ ابھی تک حمایت کرتا چلا آ رہا ہے، جن میں افغان طالبان اور لٹکر طیبہ سب سے زیادہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ ہم دیکھے چکے ہیں، پاکستان کو ان جمیموں کے ساتھ مسلسل روایطاً استوار رکھنے کے نتیجے میں جس طرح کے بھی خارجہ پالیسی مقاصد حاصل ہونے کی توقع ہو، اسے اتنا ہی خوف بھی لائق رہتا ہے کہ وہ کہیں اس کے دشمن ہی شہن جائیں۔

اس ساری بحث کا ایک ہی ناگزیر نتیجہ برآمد ہوتا ہے: جو کچھ بھی ہے، اس امر کا خاطر خواہ امکان موجود ہے کہ پاکستان آتے والے کئی برسوں تک عشروں تک شدت پسند اسلامی سلطنت کا تقریباً گزرہ ہی ہمارے گا۔ اس خطرے کے خاتمے کا امکان، بیہاں اور دوسری جمیموں پر بھی، صرف اسی صورت میں موجود ہو سکتا ہے جب اسلامی دنیا کے بہت سے علاقوں کو گذشتہ تین عشروں کے زیادہ وقت میں اپنے اثرات کی بدولت مصالح سے دوچار کر کے رکھ دینے والی شدت پسندی بھی اپنے انجام کو لائی جائے۔ مگر یہ اور بھی وسیع تر موضوع ہے اور اس کا احاطہ کرنے کے لئے ایک الگ کتاب درکار ہے۔

پاکستانیوں کو اس صورت حال کا اتنا اور اک نہ ہو سکا کہ جب تک برس قلی انہیوں نے مجاہدین کو افغانستان میں بھیجا شروع کیا تھا تو یہ ان کا مُسْتَقْبَلٍ تھا جو ان کے لئے چشم براہ تھا۔ یہ تھا کہ افغان مجاہدین مذاہی بنیاد پر یقین رکھتے تھے، مگر ان کا بنیادی ہدف سودیت حملہ اور وہ کو اپنے ڈلن سے ڈھیل باہر کرنا تھا۔ وہ دنیا کو جماعت اسلامی کے نقطہ نظر سے دیکھتے تھے نہ کہ جہادی نقطہ نظر سے۔ پاکستان سے جو بنیادی غلطی ہوئی وہ تھی کہ وہ ان دلوں کے مائنن پائی جانے والی تغیری محسوس نہ کر سکا۔ یہ اس کی پختہ تھی جب اسماء بن لاون افغانستان آیا اور اس کی ملاعمر سے دوستی ہو گئی، اور مشاہدے یا صورت حال کے غلط اور اک کی بنیاد پر اسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ ان چہادیوں کو اپنے تابع فرمان رکھنے میں کامیاب ہو جائے گا جنہیں دشمن پر جھپٹے کے

لئے کلاچھوڑ دیا گیا تھا۔ اگرچہ اس دوران اس نے کچھ بین سیکھ لئے تھے، مگر یہ ناکافی تھے۔ جب بھارتی پارلیمنٹ کی سیڑھیوں پر، ولڈز ریڈ سنٹر کے بلے میں، اور قبائلی علاقوں کے سفر، نہ بھولنے والے پھر لیے راستوں پر پاکستانی حکمرانوں پر باکمال منصوبے مکشف ہونا شروع ہو گئے تو اسی طرح ایک ڈگھاتی ہوئی ریاست پر ان کی گرفت بھی کھلتے گی۔ پاکستان نے برطانوی راج کی بھجتی ہوئی چنگاریوں سے بڑے جوش و خروش اور امیدوں کے ماہین جنم لیا تھا۔ تاہم آزادی کے سامنے برس سے زیادہ عمر سے کے باوجود واس کا وجود تقریباً ایک لمحی ریاست کے طور پر بھی جو اس کے باقی قلمداد عظم ہو جائی جس کے مطابق جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لئے ایک سیکولر ریاست ہوئی تھی، بہت حد تک خطرے سے دوچار نظر آتا ہے۔ اس کا آغاز تیک ارادوں سے ہوا تھا۔ مگر کوئی بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔

## حتمی گروہ کشاںی

پاکستان کی شدت پسند اسلامی طائفیں بھی تک تو اس قابل نظر نہیں آتیں کہ ریاستی اقتدار کے حصول کے لئے جاگیر داروں اور فوج سے نہ رہا۔ زماں ہو گئیں، تاہم اگر وہ کسی دن اپنے اس مقصود میں کامیاب ہو گئیں تو پھر کیا ہو گا؟ ایسی صورت میں حالات کیا رخ اختیار کریں گے؟ ایک امریقی نظر آتا ہے۔ اگر کسی نے اس صورت حال کی مزاحمت کی کوشش نہ کی تو پاکستان تجزی سے پوری دنیا کے جہادیوں کی جنت بن جائے گا۔ القاعدہ کوئی صرف مخصوصے بنانے اور ان پر عملدرآمد کرنے کے لئے ایک پورا مکمل جائے گا بلکہ میں اللائق ہوں اور بندگا ہوں تھک بھی رسائی حاصل ہو جائے گی۔ القاعدہ کی باقی ماندہ قیادت کو پاکستان میں اسی پرے رہنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ ہاں، یہ بہت براہو ہے، مگر جو چیز صورت حال کو بدترین کر رکھ دے گی، لاحدہ وحدت کے لئے بدتر، وہ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کے پاس ائمی تھیمار ہیں۔ اگر انہم ہم جہادیوں کے ہمچے چڑھ گیا تو وہ کیا کریں گے؟

پاکستان کے پاس اس وقت ائمی اسلحہ خانے میں سو سے زائد ائمی میزائل موجود ہیں۔ ان تھیماروں کو، جو کہ بہر و شہما کے برادر جاہی پھیلا سکتے ہیں، ایک سو سو لے طیاروں یا بالک میزائلوں سے بھی چھوڑا جاسکتا ہے، جن میں سب سے زیادہ ویبٹ ٹاک وہ ہے جو 1500 میل کی دوری تک بھی اپنے ہدف کو نشانہ بناسکتا ہے۔ یوں بھارت کے تمام بڑے شہر نشانے پر آجائیں گے۔ آیا جہادی حقیقت میں ان کو استعمال کرنے کے قابل بھی ہو گئے یا نہیں، یہ ایک الگ داستان ہے۔ ائمی تھیماروں کو ان کے چلانے والے ستم کے ساتھ جوڑنے اور پھر انہیں اپنے

اہداف تک پہنچانے کے لئے اچھی خاصی افرادی قوت اور علیحدی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پاکستان میں یہ وسائل صرف اور صرف فوج کے پاس ہیں۔ اگر شدت پسندوں کی طرف سے اقتدار پر بقدر کرنے کی کارروائی یا کوششوں کے دوران پاکستان فوج نکھرا منتشر ہو کر رہ گئی جیسا کہ ایران کے اسلامی انقلاب کے دوران ایرانی فوج کے ساتھ ہوا تھا، تو ممکن ہے کہ صرحما محدود اقدامات کے حامل ایسی تھیار جہادیوں کے تھے پڑھ جائیں۔ یہ غالباً صرف ایک عارضی دھچکہ ہی ہوگا کیونکہ فوج و پاروں میکم ہو سکتی ہے اور اس کی ایسی مہارت بھی از سر نہ کھلیں پا سکتی ہے۔ اس دوران جہادی افرادی ایسی تھیار ملک سے باہر لا لے جانے میں کامیاب ہو کر بھارت اور مغربی ممالک کے لئے سلسلہ درود رینے رہیں گے۔ کسی بھی صورت میں یہ واحد طریقہ ہو گا جس کے ذریعے وہ اس قابل ہو گیں گے کہ امریکہ پر کسی بھی مناسب وقت کے دوران حملہ کر دیں کیونکہ پاکستان کے ایسی تھیار اٹھا کر پھیک دیتے کے لئے استعمال ہونے والے ساز و سامان کو اتنی دور نہیں پہنچایا جاسکتا۔

بھارت اتنا خوش قسم نہیں ہے۔ اگر پاکستانی بری فوج اور فضا یہ ٹکست خوردگی یا تھتل کا شکار نہ ہو گیں اور جہادی حکومت سے تعاون پر آمادہ ہو گیں تو بھارت خود کو فری طور پر خطرے میں گمراپاے گا۔ امریکہ میں کام کرنے والی نیکل ریسورس ڈیفس کوئل نے می 2002 میں جموں میں ہونے والے قتل عام کے بعد یہاں اہونے والے جنگی خطرے کے دوران جاری کی گئی ایک تحقیق میں تجھیس لگایا ہے کہ اگر پاکستان نے بھارت کے پانچ کوئی سے بھی بڑے شہروں پر ہیر دشمنی طاقت کے ایتم بم پھیک دیتے تو 15 لاکھ سے زائد افراد قبراء جل اور میں لاکھ سے زائد رُخی ہو جائیں گے۔ اس مظہر تحقیق سے یہ مفروضہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ یہ ایسی اسلحہ زمین سے بہت اور فضائیں ہی دھا کے سے پھٹ جانے دیا جائے گا جیسا کہ ہیر دشمنیں ہوا تھا۔

تاہم زمین پر پھٹ جانے والا اسلوچلانا آسان ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں زیادہ خطرناک تباکاری بیدا ہوتی ہے۔ دوسرے مظہر کی رو سے لگائے گئے تجھیس کے مطابق جس میں یہ مفروضہ قائم کیا گیا تھا کہ بھارت کے سات شہروں میں 12 عدد زمین پر پھٹنے والے ایتم بم چلاجے جائیں گے صورت حال یہ ہو گی کہ ایک کروڑ سے زائد لوگ صرف تباکاری سے ہی بلاک ہو جائیں گے۔ اس سلسلے کے حملوں سے بھارت جادنہیں ہو گا؛ آبادی کی اکثریت بلاک ہونے سے فیک جائے گی۔

تاہم اس کے بڑے بڑے شہروں میں کاروباری اور صنعتی مرکز کی تباہی بھارت کو کئی عشروں تک کے لئے ایک پسمند اور مغلوب الحال ملک بنائے رکھے گی۔ زیادہ اہداف پر زیادہ، تم گرانے جانے کا نتیجہ اور بھی زیادہ مصائب و نکالیف کی صورت میں نکلا گا۔ اس طرح کے خیالوں کو سامنے رکھنے ہوئے بھارت نے تمدنی کی طرح کے لرزہ خیز واقعات کے بعد بھی خود کو کسی ایسی جگہ کی طرف منتقلی سے روکے رکھا ہے۔ حتیٰ کہ بھارت کو یہ بھی نظر آ رہا ہو کہ وہ پاکستان کے ساتھ روانی جگہ فیصلہ کرنے طور پر جیت جائے گا تو اس کا آخر کیا فائدہ ہو اگر پاکستان جوانی کاروائی کے طور پر اٹھی جعلے کرو ڈینا؟

ایک چیز جو پاکستان میں جہادیوں کے بر اقتدار آنے والی صورت میں بھارت کو اٹھی جعلے سے محفوظ رکھ سکتی ہے وہ اس ملک کے اندر مسلمانوں کا اچھی خاصی تعداد میں آباد ہونا ہے۔ حتیٰ کہ لکھر طبیب کو بھی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں وہاں آبادا پسے مسلمان بھاجیوں کو مارنے سے پہلے دو مرتبہ سوچنا پڑے گا۔ آخران کا اعلان کردہ ہدف بھارت کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے تسلی سے آزاد کرنا ہے نہ کہ جلا کر بھرم کر دیجتا۔ تاہم حالات و واقعات بڑی آسانی سے ڈبوئے ہاہر ہو سکتے ہیں۔ اگر بھارت مراحت کافی نہ کرتا ہے تو کشمیر کے خواہی سے اٹھی جگہ کی دھمکی وہی ضروری ہو گی۔ لٹکر اس خواہی سے خود کو یوں بھی قائل کر سکتا ہے کہ بھارت میں رہنے والے اس کے ہم نہ ہب بھائی ایک عظیم مقصد کی راہ میں شہید ہو رہے ہیں۔ آخران کی کارروائیوں کا نتیجہ خود پاکستان کے اندر مسلمانوں کی اس سے بھی بڑی تعداد کی بلاکت کی صورت میں نکلنے کا امکان ہے۔ تاہم اس طرح کے مظہر کا حقیقت بنتے کے لئے ضروری ہے کہ پاکستانی فوج بھی ان قوتوں کا ساتھ دینے پر تیار ہو اور فوج جانے بوجھے اٹھی خود کشی کے تصور سے اسی گھبرا لٹھے گی۔

جسے اس امر پر یقین کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہے کہ پاکستانی فوج کسی بھی صورتحال میں جہادیوں کا ساتھ دے گی۔ اگرچہ، بلاشبہ ایسے افران موجود ہیں جو جہادیوں کے لئے زم گوش رکھتے ہیں، مگر ان کی تعداد اتنی تھوڑی ہے کہ وہ کوئی فیصلہ کن طاقت نہیں بن سکتے۔ فوج کی پاکستان طالبان اور دیگر شدت پسند یوں بندی نظیموں کے ساتھ جس طرح کی ہمدردیاں بھی رہی ہوں، وہ ساری ہمدردیاں میدان جگہ کے دوران اور ان کی طرف سے کی گئی وہشت گروکارروائیوں کے نتیجے میں ہونے والی بلاکتوں کے ساتھ ملیا میٹ ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس سے بھی

زیادہ اہم مشکل بکھر میں کھوں گا نہیں، یہ یقین کرنا ہے کہ فوج بھی بھی کسی جہادی حکومت سے احکامات لینے پر رضا مند ہو جائے گی۔ وہ لٹکر طیبہ کے ساتھ اشتراک گل پر قوتیار ہو سکتی ہے مگر اس کے اشاروں پر گل کرنے پر تیار نہیں ہو سکتی۔ فوج خود کو پاکستان کے قومی دفاع کے حوالے سے حتیٰ فیصلہ ساز تصویر کرتی ہے۔ یقوم کے مستقبل کے حوالے سے ایسے کوئی یقین نہیں ہوتے دیتی جو اس کے نزدیک چاہ کن مضرات کے حامل ہو سکتے ہیں۔ صرف جذبات سے عاری اور جی ہاں، جی ہاں کہنے والے فوجی ہی یزدی مسکنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے احکامات بجالاتے ہیں۔ اور یہ پاکستانی فوج ہی ہے جس کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے۔ میکی وجہ ہے کہ پاکستان پر جہادیوں کا موثر غلبہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے اگر فوج غلکت خور وہ ہو جائے۔

ایک دھنڈلایا غیر نسبم پہلو یہ بھی ہے کہ آیا جہادیوں کی طرف سے اقتدار پر قبضے کو روکنے کے حوالے سے جماعت اسلامی کا شدت پسندی پر مبنی تحریک عارضی تباریں ثابت ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے خیالِ احقیقی جماعت کے بہت قریب تھا اور فوج کے بہت سے اعلیٰ عہدیدار ہشمول آئیں آئی کے سابق سربراہ حیدر گل بھی ریاضت کے بعد اس کے ساتھ آتے تھے۔ اس حد تک کہ بنیاد پرستی کا رخان رکھنے والے افران سیاست کی طرف آجاتے ہیں، یہ لوگ جماعت میں شامل ہو گئے تھے۔ اس نظیم پر لکھنے والے ایک علمی محقق نے مجھے بتایا تھا کہ اس کے ارکان پر دباؤ ہے کہ وہ زیادہ شدت پسند روایوں کا مظاہرہ کریں۔ اس کی قیادت نے انتہاء پسند دیوبندی تکفیلیوں کو ملک کے اندر وہشت گرد کاروانیاں کرنے پر تحریک کا نشانہ بنانے سے گریز کیا ہے، اور اس کی بجائے بھارت کو موروا لازم تھہر انے یا پھر ایسے سازشی نظریات گھر نے کو ترجیح دی ہے جن کے مطابق ان کارروائیوں میں بیک واڑ سکیورٹی کمپنی کا ہاتھ ہے۔ جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے اس کے نزدیک نائیں الیون کے بعد ٹیک آتے والے ہر برے واقعے کی ذمہ داری امریکہ پر عائد ہوتی ہے۔ تاہم ایک زیادہ شدت پسند جماعت اسلامی کم سے کم ایسی خودکشی کے راستے پر چلے سے گریز کرے گی۔ اس امر میں بیک کی زیادہ مخفی نہیں ہے کہ اس کی پالیسیاں بھارت کے حوالے سے جگہو آئند ہوں گی، اور کشمیر پر تصادم کے امکان میں بھی یقینی اضافہ ہو جائے گا۔ تاہم جماعت کو چلانے والے لوگ جنوبی نیکس ہیں اور شہزادی و ودھشت گروہی میں ٹھوٹ ہیں اور انہیں روکا بھی جاسکتا ہے۔

امریکہ اور اس کے مغربی طیفیوں کو اصل خطرہ اس صورت میں ہو گا اگر پاکستان میں اقتدار پر حرم قوم کے اسلامی بیانوں پر ستون کے ہاتھ آ جاتا ہے۔ القاعدہ، شدت پسند و یورنڈی حظیں، اور تھکر طبیب وغیرہ وہشت گردی کے بے شمار واقعات میں ملوث رہی ہیں، اور انہوں نے بہت سی زیادہ درندگی اور انسانی جانبوں کے حوالے سے بہت سی بے حسی کا مظاہرہ کیا ہے۔ خود کش اور فراہمیں مخلوں کے رحمان اور ان کے اس عقیدے کے پیش نظر کر شہادت چہاد کا اصل مقصد ہے اور اس کے نتیجے میں وہ سیدھے جنت میں جا کر وہیں لیں گے، یہ سوال کم از کم محل کر سامنے آ جاتا ہے کہ آیا انہیں روکا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ تم نے دیکھا ہے کہ سب سے غلیم خطرہ جو چہادیوں کے اقتدار میں آنے کی صورت میں ہیں ہیں آسکتا ہے وہ ایسی وہشت گردی کا خطرہ ہے۔ اگر اس طرح کا طبقہ پاکستان میں اچانک بر سر اقتدار آ جاتا تو امریکہ کے سامنے صرف ایک ای ممکن راستہ رہ جائے گا۔ وہ اس طرح کے محلہ کا راستہ روکنے کے لئے بہت دشمن ہونے پر جوابی کارروائی کی دھمکی دے گا، وہ پھر یہ تیزی سے عملہ کر سکتا ہے تاکہ پاکستان کے ایسی تھیاروں پر قبضہ کر لے یا پھر انہیں تباہ کر دے تاکہ انہیں وہشت گرد مقاصد کے لئے استعمال ہونے سے روکا جاسکے۔

یہ افواہیں بھی گردش کر رہی ہیں کہ امریکہ اس طرح کی پیش آپریشن فورسز کو پہلے سے اسی تربیت دے رہا ہے جنہیں بھرائی صورت حال میں پاکستان کے ایسی تھیاروں کو اپنے قابو میں کرنے کے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکے۔ یہ امکان اس پریشانی کے نتاظر میں اور بھی زیادہ بڑھتا نظر آ رہا ہے کہ وہشت گروں قابل ہو سکتے ہیں کہ فوج کے ان ہمدردا فرسوں کی مدد سے جو مختلف مواد تک رسائی رکھتے ہیں، ایسی تھیار اپنے قبضہ میں لے لیں۔ تاہم اس پریشانی کی بیانوں میں افواہیں ہیں نہ کہ زمینی خالق ایسی بیڑاں ایک ایسا قبضہ اٹاٹھیں جس کی پاکستان میں سب سے زیادہ کمزی گرانی کی جاتی ہے۔ یہ بیاست کے ناج کا سب سے قبضہ ایسا ہیں۔ فوج کسی بھی اور چیز کی نسبت اس کی خلافت پر بیچیا۔ بہت زیادہ وسائل صرف کرتی ہے۔ یہ بات ہالک ناقابل یقین ہے کہ فوج ایسی تھیار ایسی بیڑوں پر چھپا کے رکھے گی جہاں پر وہشت گردی کے حوالے سے کسی بھی قوم کے خطرے کا سوچا جاسکے، یا پھر ایسے فوجیوں اور شہری عوام کو اس کے قریب بھی بھکنے دے جن پر اسلامی شدت پسندوں کے ساتھ ہمدردی کا ذرا سا بھی شبہ ہو۔

یہ ہے وہ صورت حال جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ تاہم اگر چہادیوں کے اقتدار

پر تباہی ہونے کی صورت میں فوج کے اندر امدادار بھیل گیا، تو پھر اماکان ہے کہ موجودہ تمام خاصیتی اقدامات غیر موثر ہو کر رہ جائیں۔ اگر اس وقت یہ فوج پائی جاتی ہے کہ ہو سکتا ہے دشتم گرد کسی ائمہ تھیار پر قبضہ کر لیں یا پھر اس کو چلانے کی حکمت دے کر کوئی مطالباً منوالیں یا پھر اسے امریکہ میں کسی جگہ چلانے کی کوشش کروالیں، تو پھر سمجھیں کہ اگر جہادی حقیقت میں اسلام آباد پر قبضہ کر لیں تو اسی صورت میں کس طرح کی پریشانیاں سامنے آسکتی ہیں۔ ائمہ تھیاروں سے یہیں ایران کو تو کچھ عرصے کے لئے نظر انداز کیا جاسکتا ہے، مگر ایک جہادی پاکستان کو نظر انداز کرنے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ یہ تصور کرنا آسان ہے کہ اس طرح کی صورت حال کے پیش نظر امریکہ جملے میں پہل کا فیصلہ کرتے ہوئے اپنے خصوصی تربیت یافتہ کماٹروں سے، اگر ان کا وجود ہے تو، تعینات کروئے گا، یا پھر پاکستان کے ائمہ تھیاروں کا ذخیرہ رکھنے والی عمارت وغیرہ پر بمب اری کرنے کی کوشش کرے گا، اگر اس کا سراغ لگایا جاسکا۔ تاہم اگر امریکہ کو یہ یقین ہو بھی گیا کہ پاکستانی ائمہ تھیاروں پر قبضہ کرنے یا ان کا جہاد کرنے کی اس کی کوششیں بڑی حد تک کامیاب رہیں تو پھر بھی اسے لینی طور پر یہ پختگی چل سکتی ہے کہ سارا کام سارا اسلوب جاہی کی نذر ہو گیا ہے یا نہیں۔ نہیں یہ کسی صورت میں ہے برداشت کر سکتے ہا کہ القاعدہ یا اس کے مقصد سے ہدروی رکھنے والی کسی اور تنظیم کی سربراہی میں بننے والی جہادی حکومت دنیا کے چھٹے ہرے آباد ملک کا انعام سنبھال لے۔

صورت حال کی نزاکت اس امریکی متفاوضی ہو گی کہ امریکہ ملک کو جہادیوں کے چکل سے آزاد کروانے کی کوشش کرے۔ مگر یہاں مشکل یہ نظر آتی ہے کہ امریکہ کے پاس اسی بڑی فوج نہیں ہے کہ وہ پاکستان کے چشم کے برابر ملک پر قبضہ کر کے اس پر نظم و نسق برقرار رکھ سکے، جو کہ لازمی طور پر جہادیوں کی کشیدھاد کے زندگی میں ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ غالباً پاکستانی فوج کے بچ کچھ آثار کو غصائی طاقت کے استعمال سے تباہ کر کے رکھ دے۔ مگر پاکستان کو اسلامی شدت پسندوں کی گرفت سے آزاد کروانے کے لئے اچھی خاصی طاقت کی ضرورت ہو گی۔ اسی صورت حال میں واضح حکمت عملی یہ ہو گی کہ بھارت کے ساتھ شراکت عمل کی جائے جس کو جہادیوں کو افتداء سے باہر کاٹا جیکنے میں کم سے کم برابر کی وجہ پر تو ضرور ہو گی۔ اندھوں امریکن اتحاد کے ذریعے آپریشن اینڈ یورنگ فریڈم کی طرح کی کارروائی پہلے کی ثابت وستی یا نے پر دہرائی جائے گی

جس میں امریکہ فضائی طاقت فراہم کرے گا اور افغانستان تھادیش بری فوج فراہم کرے گا۔ یہ کسی طرح سے بھی ایک آسان کام نہیں ہوگا، خاص طور پر جیسا کہ امکان لگتا ہے، اگر جہادی پنجاب اور سندھ کے علاوہ آباد شہروں میں روپیٹ ہو گئے جہاں وہ ایک باقی طاقت کے طور پر دوبارہ ملک ہو سکتے ہیں۔ اپنے فوجی دستوں کو جہاں کون بلاتوں انقصان سے بچانے کے لئے بھارتی وحشت ناک حرم کے حربے استعمال کرنے کی طرف بھی مائل ہو سکتے ہیں، مثلاً محاصرہ کرنے کی حکمت عملی یا پھر شہری ماحول میں توپوں کا استعمال جس کے نتیجے میں سو بیٹیں آبادی کافی تلفیزوں کا شکار ہو سکتی ہے۔

اس امر کا اندازہ لگانا مشکل ہے کہ بھارتی پاکستان کے اندر کس حد تک حبس آنے کی کوشش کو سکتے ہیں۔ کیا وہ سارے کے سارے ملک پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے، یا شاید دریائے سندھ تک آکر رک جائیں گے؟ اس کا زیادہ تر انحصار اس پر ہے کہ اس وقت افغانستان کا کیا قبضہ ہوگا۔ کم سے کم بھی وہ باتی ماندہ جہادی قتوں کو بھی گھیراڑا لئے کی کوشش کریں گے اور انہیں سندھ تک فوری رسائی دینے سے انکار کر دیں گے۔ یہ پنجاب، سندھ، اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں پر قبضے کے حوالے سے ثابت ہوتے ہو سکتے گا، جبکہ سندھ کے بالکل ہی پر لی طرف واقع پشتون علاقوں کو ایک طرح سے جہادیوں کے بے نہیں یا غیر آباد علاقے کے طور پر چھوڑا جاسکتا ہے۔ جب ایک دفعہ گرد بیٹھ جائے گی تو بھارت اور اس کے امریکی ملیجنوں کے سامنے پھر ایک فیصلہ کن سیاسی سوال انداز کھڑا ہوگا: پاکستان کے ان علاقوں کا کیا کیا جائے جوان کے زیر انتظام آپکے ہوں گے۔ کیا انہیں پاکستان کو سیاسی بینیادوں پر ازسرنہ تکمیل دیا چاہے گا، سو بیٹیں جاگیر داروں کو اقتدار والیں لونا کرو اور اس کے ساتھ ہی ایک کم معاملہ نہ پاکستانی فوج کی تکمیل نو کرتے ہوئے؟ یا پھر پاکستان ریاست کی الجھن کو حقی طور پر سلمحتے ہوئے مقبوضہ علاقوں کو بھارت کے اندر پضم کرنے کا فیصلہ کر لیں گے؟

یہ حالات کی ایک بہت بڑی ستم ظریغی ہو گی اگر پاکستان کے وجود کا خاتمہ دوبارہ بھارت کے اندر پضم ہو جانے سے ہو۔ جیسا کہ میں نے واضح کرنے کی کوشش کی ہے یہ بینا و پرست اسلامی نظریات کی محبت نہیں بلکہ بھارت کے ساتھ عدالت کا جذبہ ہے جس نے پاکستان کو اس جانب راغب کیا ہے کہ وہ ریاستی مقاصد کے حصول کے لئے جہادی تکفیروں کو استعمال کرے

اگرچہ یہ تصور افغانستان میں سودیت مختلف جہاد کے دنوں میں اس وقت ابھر کران کے سامنے آیا تھا جب اس طرح کی اولین تجھیموں کی تخلیل عمل میں لائی گئی، تاہم یہ تجھیہ انتخابوں کے حق میں ان کو استعمال کرنے کا فیصلہ ہی تھا جس کے نتیجے میں زندگی شدت پسندی کی ایک الگ تحلیل حرم کی لہر پوری کی پوری صنعت میں ہی تبدیل ہو کر رہ گئی۔ ناکمین الیون کے واقعے کے نتیجے میں افغان طالبان کو پاکستان کی طرف سے ملنے والی مسلسل حمایت کے پس پرده بھی افغانستان میں بھارت کی خاطر خواہ طور پر موجودگی اور اس کے پاکستان کے دفاعی مستقبل پر پڑنے والے اثرات کے حوالے سے تکھرات کا فرماتھے۔ تاہم اگر سوڑان پر پڑنے والے امریکی دباؤ کے نتیجے میں اسامد بن لادن کبھی بھی لوٹ کر افغانستان نہ آتا تو اسی صورت میں طالبان، ہو سکتا ہے کہ ابھی تک ملک کے اندر ایک غالب طاقت ہی ہوتے اور اسلامی شدت پسندوں کے لئے پاکستان کی حمایت محسن ایک خالص علاقائی مسئلہ ہی ہوتا، پاک۔ بھارت تعلقات میں ایک تنخیل عصر کی طرح مگر زراٹھ تر۔ پاکستان کے حوالے سے یہ کہنا درست نظر آتا ہے کہ یاپنے حصے کی بدشستی کا فکار رہا ہے۔

تاہم اسے بدشستی کہیں یا کچھ اور، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ، اب پاکستان شدت پسند اسلامی قوتوں اور مغرب کے درمیان جاری تکھشاں میں مرکزی مقام حاصل کر چکا ہے۔ ادھر ادھر سے ہونے والی کھیپختائی کے نتیجے میں پاکستان ان جہادی قوتوں کے تم کا واضح نشانہ بن چکا ہے جن کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچانے کے لئے اس نے بھرپور کوششیں کی ہیں۔ تاہم اس ساری صورت حال کے باوجود بھی پاکستان شدت پسند اسلامی تجھیموں کے ساتھ اپنا ناطق کمل طور پر توزن کے لئے تیار نہیں ہے، جیسا کہ افغان طالبان اور لٹکر طبیبہ کے ساتھ اس کے جاری روابط سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ حق ہے کہ پاکستان کو خوف ہے کہ یہ تجھیں کہیں اس کی دشمن ہی نہ بن جائیں، مگر اس کے نزدیک بھارت کے ساتھ دشمن پر مبنی تعلقات میں یہ اس کے لئے کلیدی اہانتے کی طرح ہیں۔ یہ حکمت عملی خلیے میں امریکی مفادات کے حوالے سے اہم مضرات کی حالت ہے۔ پاکستان نے افغان طالبان کو قبائلی علاقوں اور بلوچستان کی صورت میں جو محفوظ پناہ گاہ فراہم کی ہے، اس کا برداشت نتیجہ افغانستان میں امریکہ کے لئے پریشانیوں کی صورت میں ایسی لکلا ہے۔ افغان طالبان نے ان علاقوں کو جملوں کی کمین گاہ اور ایسے مخفی نامکانوں کے طور پر استعمال کیا ہے جہاں وہ جملے کے بعد واپس چھپ سکتے ہیں۔ ناکمین الیون کے بعد

برسون میں القاعدہ کی مرکزی قیادت کو نہیں امریکہ کرنے میں ہو سکتا ہے کہ قبائلی علاقوں میں افغان طالبان کا تعاقب کرنے میں پاکستان کے تدبیب نے بھی اہم کردار ادا کیا ہو۔ کیونکہ اگر پاکستان نے آغاز میں ہی طالبان کا چھپا کرنے کی کارروائی شروع کر دی ہوتی تو میں میں ہے کہ اسلام بن لاون کو چھپنے کا کوئی محفوظ ٹھکانہ نہ ہلتے۔ امریکہ نے پاکستان اور افغان طالبان کے مابین ربط ختم کرنا نے کی کوشش میں مالی امداد کے ساتھ یہ خلیل کے اندر مسائل کے حل کے لئے مسئلہ شراکت عمل کی یقین وہی بھی کروائی ہے۔ مگر پھر بھی افغانستان میں بھارتی موجودگی کے حوالے سے پاکستان کے تلفرات دور نہیں ہوئے۔ بھی وجہ ہے کہ یہ مسئلہ فوراً پھر انہ کھڑا ہوا ہے۔ آپ اس کو پسند کریں یا نہ کریں، مگر یہ حقیقت ہے کہ پاکستان کے لئے بھارت کے حوالے سے پریشانیاں باقی تما امر پریشانیوں پر فوقیت رکھتی ہیں۔

لگی بات تو یہ ہے کہ امریکہ افغانستان کے مسئلے پر پاکستان کے اطمینان کے لئے غالباً سچھ زیاد نہیں کر سکتا۔ بھارت نے وہاں اپنی بڑے چیزے پر موجودگی کا جواز یہ نہیں کیا ہے کہ وہ علاقے میں شدت پسندی کے پھیلاؤ کو طاقت کے بل پر رونکے میں محادنت کر رہے ہیں۔ مگر تم ظریغی تو یہ ہے کہ افغانستان میں ان کی موجودگی کے باعث افغان طالبان کے لئے پاکستان کی حمایت کا سلسہ چاری ہے۔ تاہم اگر بھارت کو وہاں اپنی موجودگی یا سرگرمیوں کا خاطر خواہ حد تک محدود کر دیئے پر راضی بھی کر لیا جاتا تو پھر بھی پاکستان کو سیکھ لاقریز ہوتی کہ کرزی کی قیادت میں شامی اتحاد کی حمایت یافتہ افغان حکومت ان کو امریکہ کی وہاں سے روائی کے بعد وہ بارہ آنے کی دعوت دے سکتی ہے۔ ایک تنی حکمت عملی جو اس عیناً صورت حال کو جدیل کر سکتی ہے وہ پاک۔ بھارت تعلقات میں نہیاں طور پر بہتری لانے کا مل ہے۔ اس کے لئے تاہم، کشمیر کے حوالے سے کسی ایسے حل کا حلش کرنے پڑے گی جس پر دونوں فریقوں کا اتفاق ہو سکے۔ مگر امریکہ کشمیر کے مسئلے پر براہ راست مداخلت کرنے یا پھر پاک۔ بھارت تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے کسی بھی اہم سفارتی کوشش کی ذمہ داری اٹھانے سے انجامی اگر زیاد نظر آتا ہے۔ اس نے اپنا کروار پشاوری طور پر ایک طرف رہ کر زور دار حوصلہ افزائی کرنے اور جب دونوں فریقیں جنگ کی پیش قدمی کرتے نظر آئیں تو بھرائی سفارتکاری کا راستہ اختیار کرنے تک محدود کر لیا ہے۔ امریکی کروار کی راہ میں اہم رکاوٹ بھارتی مختلفت ہے۔ بھارت کسی بھی طرح کی بیرونی مداخلت کے

حکمت خلاف ہے اور بڑی تھی سے اس موقف پر ڈالتا ہوا ہے کہ تمام معاملات 1972 کے شمل معاهدے کی اس تحریک کی روشنی میں کے جائیں کہ پاکستان کے ساتھ ہر طرح کے تازعات کا فیصلہ لازمی طور پر دو طرف مذاکرات کے ذریعے ہو گا۔ جیسا کہ ہم نے آٹھویں باب میں دیکھا، دسمبر 2010 میں اس کی صوت سے قابل افغانستان اور پاکستان کے لئے امریکہ کے خصوصی نمائندے رچارڈ برودک کو دراصل بھارت اور کشمیر کے حوالے سے ذمہ داری سونپی جانی تھی، مگر بھارت کی طرف سے شدید مزاحمت کے باعث اس تجویز کو ترک کر دیا گیا۔

یقیناً، اگر امریکہ چاہتا تو وہ بھارت پر بادا ڈال سکتا تھا کہ وہ یہ ورنی مداخلت کے حوالے سے اپنا موقف تبدیل کرے۔ مگر اس طرح کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ اس نے کبھی اسکی ورنی کوشش کی ہوگی۔ امریکہ نے بھارت کے ساتھ اپنے تعلقات بڑی محنت کر کے بہتر بنائے ہیں اور اس نے وہ انہیں پکارنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا۔ بھارت ایک نو خیز عالمی طاقت ہونے کے ساتھ ہی ایشیائی میں کے بڑھتے ہوئے اثر و سوچ کو روکنے میں امریکہ کا مکمل حلیف بھی ہے۔ بھارت کے معاملات پر کام کرنے کا طریقہ تجویز کرنے والے ایک اعلیٰ امریکی عہدیدار نے بھجے اعتراف کرتے ہوئے بتایا تھا کہ امریکہ کے بھارت کے ساتھ تعلقات اور ہائی رو ایبل میں ایک طرح سے روانیت کا عصر بھی پایا جاتا ہے اور یہ رشتہ مخفی سردار اور قومی مخالفات تک محدود نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس میں کچھ مبالغہ آرائی بھی پائی جاتی ہے تو پھر بھی اتنی حقیقت ضرور ہے کہ اگرچہ امریکہ کے پاکستان کے ساتھ موجودہ تعلقات کے پس پر وہ نظریہ ضرورت کا فرمائیے اور ان میں عداوت اور مناقبت کا عصر بہت حد تک نمایاں ہے، مگر بھارت کے ساتھ امریکہ کے تعلقات زیادہ مخفی بیانوں پر استوار ہیں۔ پاکستان کے لئے اہمیت کے حال بیانی معاملات میں، جیسے مسئلہ کشمیر کے حل میں مد کے حوالے سے یہ ورنی مداخلت اور افغانستان میں بھارتی موجودگی وغیرہ، امریکہ کا جھکاؤ بھیش بھارت کی طرف ہوتا نظر آیا ہے۔ پاکستان، یقیناً مخالفات کو اس رخ سے دیکھتا اور اپنی خلکی کا اٹھا بھی کرتا رہتا ہے۔ اگر امریکہ کا جھکاؤ راساً بھی پاکستان کی طرف ہوتا، جس کا مظاہرہ کرنے کے لئے وہ بھارت پر کم از کم کشمیر اور افغانستان کے حوالے سے ہی وبا ڈالتا نظر آتا، تو اسے پاکستان پر اپنی نیک نیتی کا کچھ نہ کہتا تڑھ کرنے میں کامیابی ہو جاتی اور یوں شدید قسم کے ان امریکہ مخالف جذبات میں بھی کچھ کمی آجائی جو اس وقت

ملک میں عام ہیں۔ مگر اس نے ایسا نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ اس ساری بات کے بعد اب اس امر پر یقین کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں رہ جاتی کہ بھارت کسی بھی صورت میں امر کی دباؤ میں آجائے گا، کیونکہ ایک تو ان معاملات پر وہ بہت حساس رد عمل ظاہر کرتا ہے، دوسرے امر یکہ کی طرف سے بھی کوئی اثر و سوچ استعمال نہیں کیا جاتا۔ حتیٰ کہ امر یکہ اور بھارت کے درمیان ایسی معاہدے کو بھی، جو کہ بھارتیوں کو خوش کرنے کے لئے کی جانے والی حالیہ امر کی کوششوں میں مرکزی اہمیت کا حامل تھا، بھارت میں کافی تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس طرح پاکستان کی جانب بھی امر یکہ کی طرف سے سے اثر و سوچ کا فقدان نظر آتا ہے، کیونکہ امر یکہ کو افغانستان میں اپنی فوجوں کے لئے رسکی فراہمی کے لئے پاکستانی سر زمین استعمال کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ اس فکر کا بھی معقول جواز موجود ہے کہ پاکستان پر بہت زیاد دباؤ ڈالنے سے وہ حقیقت معاہدہ روسی اختیار کر سکتا ہے اور یوں معاملات بگزر کر رہ جائیں گے، بلکہ اجھے خاصے گز جائیں گے۔ پاکستان اس صورت میں کیا کرے گا اگر امر یکہ نے بلوچستان کے اندر افغان طالبان کو نشانہ بنائے کے لئے پری ڈیزیز کا استعمال شروع کر دیا، یا پھر زمینی فوج بھیجنے کے ساتھ ہی قبائلی علاقوں میں انسان بردار لڑاکا طیارے بھی روشن کر دیئے اس کے نتیجے میں دو فوج فرقی تحریکی سے ایک مسلح تصادم یا حتیٰ کہ چنگ کی پھسلوں راہ پر بھی گامزن ہو سکتے ہیں۔ کسی کوئی نہیں پتہ کہ اس کا کیا نتیجہ ہو گا؟ امر یکہ کو پریشانی ہے کہ شدت پسند اسلامی تنظیمیں پاکستان کے ایسی اسلحے تک رسائی حاصل کر سکتی ہیں مگر ایسی صورت میں کیا ہو گا اگر پاکستان انہیں ایک عدو ایسی تحریک خود ہی فراہم کر دے؟

اثر و سوچ کے فقدان اور ایک جتوں اور بہت وحشمندگی کے باعث امر یکہ کو افغانستان میں ایک انحرافی بھی نہ مستقبل سے واسطہ پر سکتا ہے۔ اوپاہا کی طرف سے بھی گئی اضافی فوج جب تک بیانوی صورت حال میں کوئی فیصلہ کی تجدیلی لانے میں کامیاب نہیں ہو جاتی، اس وقت تک امر یکہ کے سامنے صرف روہی راستے باقی ہیں۔ یا تو اس ملک کے اندر مستقل طور پر فوجیں تعینات رکھے یا پھر اس ملک کو کھل طور پر یا اس کے اجھے خاصے علاقوں کو افغان طالبان کے حوالے کر دے۔ موثر الذ کہ صورت حال میں یہ خطرہ مضر ہے کہ تین الیون سے قبل کی صورت حال لوٹ آئے اور افغانستان ایک مرتبہ پھر القاعدہ اور پوری دنیا کے پددل یا مخرب

مغرب خالف نوجوان مسلمانوں کی جنت بن کر رہا ہے۔ اسی طرح سے بھارت کا بھی، مستقبل غیریقینی نظر آ رہا ہے۔ شملہ معابدہ ہو جانے کے تین عشروں بعد بھی یہ پاکستان کے ساتھ اپنے اختلافات حل کرنے میں ناکام ہو گیا ہے اور کسی طرح کی یوردوئی مداخلت کے حوالے سے اس کے رویے میں پائی جانے والی ہستہ ہری کے باعث حالات <sup>لیٹنی</sup> طور پر جوں کے توں ہی رہنے کا امکان ہے۔ شیخراں وقت دوسرے اختلاف کے تکلیف وہ دور سے گز رہا ہے اور بھارت اس کو صرف طاقت کے وسیع استعمال کے ذریعے قابو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات میں بہتری نہیں آتی یا پھر حالات مزید خراب ہو جاتے ہیں تو پھر اس امر کا امکان موجود ہے کہ پاکستان جنادیوں کے سرحد پار سرایت کر جانے کے عمل کی ازسرنو ہمپور حمایت شروع کر دے۔ لٹکر طیبہ کی ابھی تک صحیح و سالم حالت میں موجودگی اور پاکستان کی طرف سے اس کا قبیل ڈالنے کی بھروسہ کی طرح سے غیریقینی صلاحیت کے مظاہرے کے باعث بھارت کو ابھی تک بھی جیسے واقعات کے دہارہ نہیں آجائے کہ حقیقی امکانات کا سامنا ہے۔ ان کو علم بھی ہے کہ جوابی کارروائی کی کسی قسم کی بھی کوشش، مثلاً آزاد کشمیر میں لٹکر کے ترین مراکز پر حملہ بغیر کا نتیجہ پاکستان کے ساتھ جنگ اور ایسی تصادم کے خطرے کی صورت میں پھل سکتا ہے۔

ایک آخری وجہ بھی کاذک کرتے ہوئے میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اگر پاکستان اور بھارت کسی حد تک اپنے اختلافات چکانے میں کامیاب ہوئی جائے تو پھر بھی پاکستان کو اس سے، کم از کم قابل دست میں کوئی خاص فائدہ نہ ہوتا۔ اگر اس نے آخر کار انغان طالبان کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا ہوتا تو اس کے دشمنوں کی فہرست میں ایک اور کا اضافہ ہو جاتا۔ 2007 کے مجوزہ صحبوت کے خلوط پر کشمیر کے حوالے سے بھارت کے ساتھ اس معاہدہ اسے گھرے اثرات کا حامل ہو سکتا ہے کہ لٹکر طیبہ بریاست کی واضح خلافت میں برافر و خشنہ ہو کر رہا جاتی۔ اس طرح کے حالات میں غالباً امریکہ یا اس کا نیا دریافت کردہ دوست بھیکل ہی اس قائل ہوتے کہ اسکی تکلیف میں کوئی مدد کر سکتے۔ یہ پاکستان ہی ہے جس نے ان طائفتوں کو پروان چڑھایا اور اب یہ اس پر ہی تھصر ہے کہ ان کو جزو سے الہماز پھیکے۔ مستقبل غیریقینی ہے اور بنیادی سوال ابھی تک وہیں منڈلارہا ہے: کیا وہ حالات کے قاضوں کے پیش نظر کوئی مشکل نیچہ کریں گے یا اس وقت تک اپنی اصلاحیت پھیپاتے رہیں گے جب تک کہ جذبات سے مظوب نہیں ہو جائے؟

